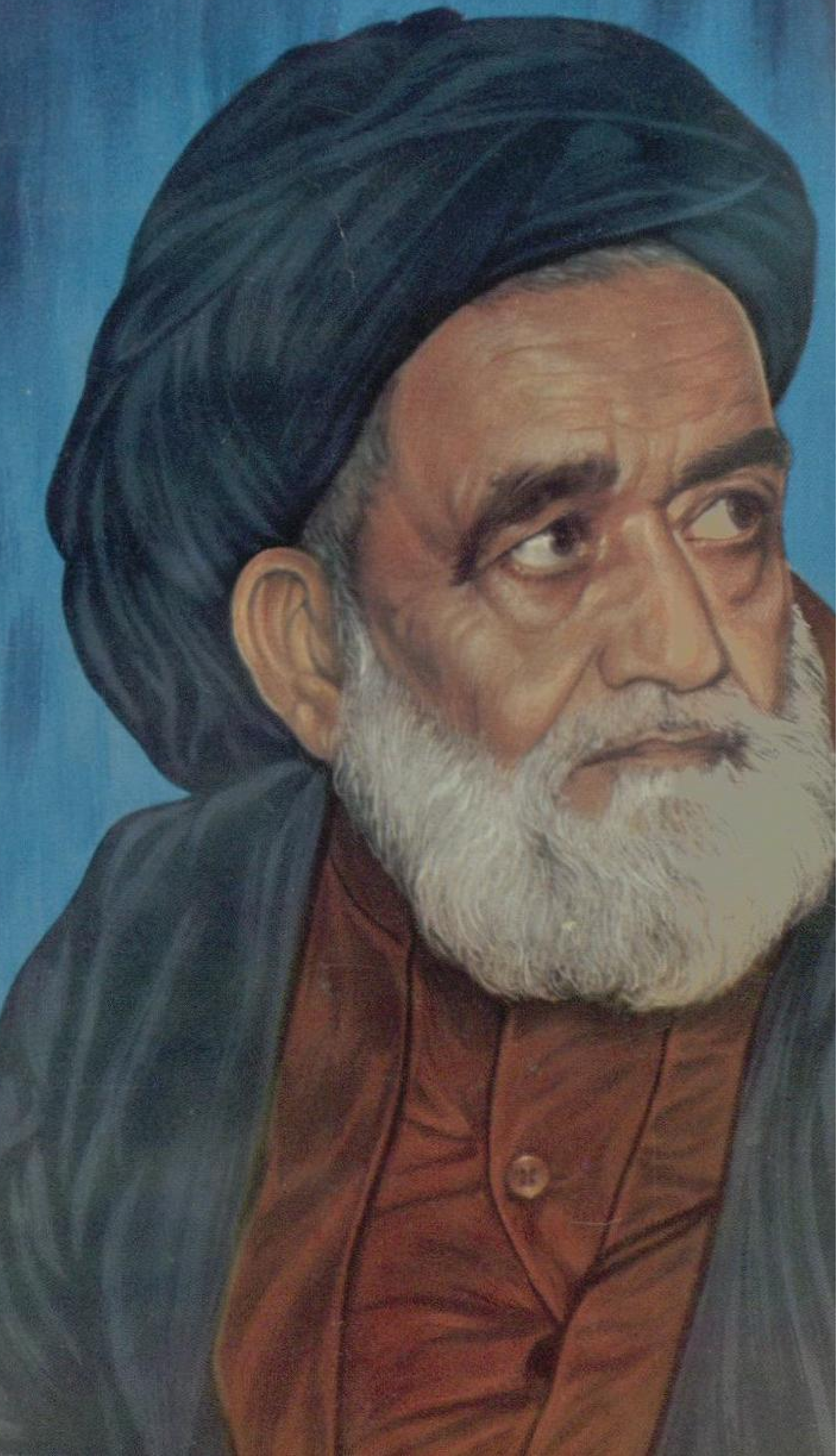
مجموعہ تقاریر

الحاج سیّد العلماء سرکار علاّمہ سیّد علی نقی النقوی لکھنوی مدظلہٗ العالی



مجموعہ تقاریر

الحاج سید العلماء سرکار علامہ سید علی نقی النقوی لکھنوی مد ظلہٗ العالی

حصہ اوّل

مرتّبہ

مولانا سید افسر عباس زیدی

ناشران

امامیہ کتب خانہ مغل حویلی اندرون موچی دروازہ حلقہ ۷۲ لاہور ۸

ہدیہ -/۲۴ روپے

ملّتِ جعفریہ کے عظیم فرزند مولانا سیّد نجم الحسن کراروی کا ایک اور شاہکار

2531

نصِ خلافت

اِس موضوع پر یہ پہلی کتاب ہے جو نہایت مختصر اور جامع لکھی گئی ہے۔ اس کتاب کو مناظرے کی چپقلش سے دُور رکھا گیا ہے۔ اِس میں واقعاتی حقائق سے بحث کی گئی ہے اور ایسا انداز اختیار کیا گیا ہے کہ ایک اجنبی پڑھنے والا نہایت آسانی سے اِس نتیجہ پر پہنچ جائے کہ جو مسلمان خلافت بلافصل کا قائل نہیں وہ جنّت میں نہ جا سکے گا۔ اسمیں آیہ "فاذا فرغت فانصب" کی ایسی تفسیر کی گئی ہے جو کبھی کسی نے اس سے قبل نہیں کی تھی۔ اس میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ عہدِ رسولؐ میں اور ان کے بعد تمام اصحاب مہاجر و انصار شیعہ تھے۔ اس میں نجات الشیعہ سے بھی مکمل بحث کی گئی ہے اور ثابت کیا گیا ہے کہ مسلمانوں میں سے ملّتِ شیعہ جعفریہ کے سوا کوئی جنّت میں نہ جائے گا۔ آخر کتاب میں حضرت رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا وہ عظیم الشّان خطبہ مع ترجمہ شامل کیا گیا ہے جو حضورؐ نے غدیرِ خُم کے تاریخی اجتماع میں فرمایا تھا۔ یہ مختصر کتاب حضراتِ اہلسنّت کی ۱۸۲ کتابوں سے لکھی گئی ہے۔ یہ کتاب تیار ہو کر آچکی ہے۔ سائز ۔ $\frac{۳۰ \times ۲۰}{۱۶}$ کتابت عمدہ ۔ طباعت آفسٹ ۔ کاغذ عمدہ ۔ ٹائٹل رنگین ۔ ہدیہ مناسب ۱۵/ روپے۔

ملنے کا پتہ :- **امامیہ کُتب خانہ ۔ مُغل حویلی**

اندرون موچی دروازہ ۔ حلقہ ۲/۷ لاہور ۸

فہرست مضامین۔ مجموعہ تقاریر حصّہ اوّل

نمبر شمار	عنوان		صفحہ نمبر
۱	دیباچہ		۴
۲	مجلس ۱	دینِ اسلام	۷
۳	مجلس ۲	" "	۲۳
۴	مجلس ۳	" "	۴۶
۵	مجلس ۴	" "	۶۶
۶	مجلس ۵	" "	۸۷
۷	مجلس ۶	" "	۱۱۰
۸	مجلس ۷	" "	۱۳۰
۹	مجلس ۸	" "	۱۴۸
۱۰	مجلس ۹	" "	۱۶۹
۱۱	مجلس ۱۰	حجّتِ خدا	۱۸۶
۱۲	مجلس ۱۱	" "	۲۰۵
۱۳	مجلس ۱۲	جہاد	۲۲۳

دیباچہ

دنیائے شیعیت کا کونسا ایسا فرد ہو گا جو سیّد العلماء قبلہ وکعبہ علاّمہ سیّد علی نقی النقوی کی ذاتِ گرامی سے متعارف نہ ہو سرکارِ موصوف اپنے تبحر علمی اور ندرت اظہار و بیان کے اعتبار سے بلا شک وشبہ انفرادیت کے حامل ہیں آپ کی شہرت کا آفتاب عنفوان شباب سے آج تک اپنے نصف النہار پر ہے۔ آپ تحریر و تقریر دونوں میدانوں کے بے مثل شہسوار ہیں۔ لاکھوں کروڑوں دوسرے مومنین کی طرح مجھے بھی آپ سے والہانہ عقیدت ہے۔ یہ عقیدت میرے ذاتی شعور کا نتیجہ بھی ہے اور مجھے ورثہ میں بھی ملی ہے۔ میرے والد مرحوم مولانا سیّد اکبر عباس صاحب زیدی دہلوی جناب قبلہ وکعبہ سے بے پناہ حسنِ عقیدت رکھتے تھے۔ مجھے سرکار موصوف کو آج سے کوئی چالیس بیالیس سال قبل دلّی میں درگاہ پنجہ شریف کی سالانہ مجالس میں جبکہ میرا بچپن تھا پہلی بار سننے کا شرف حاصل ہوا تھا وہاں دو تین مرتبہ آپ کے مواعظِ حسنہ سے استفادہ کا موقع ملا، پھر پاکستان بننے کے بعد موصوف حسین ڈے کے عظیم اجلاس میں شرکت کے لئے لاہور تشریف لائے اور اس کے کچھ سال بعد ۵۵ء اور ۵۶ء میں دو سال مسلسل لاہور تشریف فرما ہوئے اس دوران میں آپ نے تقریباً پچاس تقاریر فرمائیں۔ جو کیفیت اس وقت آپ کے ورود سے لاہور کی فضائیں تھی وہ الفاظ میں ادا نہیں ہو سکتی۔ ایک علمی موسم

تھا جو اپنی پوری بہار کے ساتھ اس شہر میں آیا ہوا تھا ۵۶ء کے بعد تقریباً ۲۵ سال کا عرصہ اشتیاق اور انتظار کے عالم میں گزرا۔ اس دوران میں جو کرب دل و دماغ نے محسوس کیا اس کا اظہار زبان والفاظ کے بس کی بات نہیں حتیٰ کہ ۸۰ء میں پھر سرکار موصوف سے استفادہ کا شرف حاصل ہوا۔ اور میری طرح لاکھوں افراد نے اپنی اس خوش بختی پر ناز کیا۔ مجالس کا حسن دیکھ کر محسوس ہوتا تھا کہ ۵۵ء کا عہد دوبارہ لوٹ کر آگیا ہے شہر کے جس حصّہ میں بھی آپ کی تقریر ہوئی۔ صاحبانِ علم وبصیرت کا ہجوم وہیں ملا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ پروانے ہیں جو شمع روشن کے طواف کے لئے جوق در جوق اور قطار اندر قطار چلے آرہے ہیں۔

جناب راحت علی صاحب مالک امامیہ کُتب خانہ موچی دروازہ لاہور نے سرکار موصوف کی تقاریر کو زیورِ طبع سے آراستہ کرنا چاہا انہیں پہلے مرحلے میں بارہ تقاریر دستیاب ہوئیں جن کو راقم الحروف نے ٹیپ سے سُن کر تحریر کیا اور اپنی بھرپُور کوشش کی کہ ایک لفظ بھی جناب علاّمہ صاحب کے بیان کا نظر انداز نہ ہو۔ یہ ایک نہایت خوش قسمتی کا موقع ہے کہ سرکار سیّد العلماء کی تقریریں اپنے تسلسل بیاں کے ساتھ شائع ہو کر منظرِ عام پر آرہی ہیں مجھے یقینِ کامل ہے کہ اہل علم و ذوق تقریروں کے اس منفرد مجموعہ سے کماحقہ استفادہ کریں گے۔

(مولوی) سیّد افسر عباس زیدی

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ
عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ اَبِی الْقَاسِمِ
مُحَمَّدٍ خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ وَاٰلِہِ الطَّیِّبِیْنَ
الطَّاهِرِیْنَ الْمَعْصُوْمِیْنَ اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ قَالَ
اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ فِیْ کِتَابِ الْمُبِیْنِ وَهُوَ اَصْدَقُ
الصَّادِقِیْنَ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۔

مجلس اوّل

دینِ اسلام

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؕ

اِنَّ الدِّیۡنَ عِنۡدَ اللّٰہِ الۡاِسۡلَامُ ۔

یقیناً دین حقیقی اللہ کے نزدیک بس اسلام ہے۔ دین کے متعلق جو مختلف سوالات پیدا ہوتے رہے ہیں انمیں سے ایک یہ چیز ہے کہ کہا جاتا ہے کہ دین ہماری آزادی کو سلب کرتا ہے۔ انسان آزاد پیدا ہوا ہے اسے آزاد رہنا چاہیئے اور دین پابندیاں عائد کرتا ہے اسلیئے دین کو چھوڑ دینا چاہیئے۔ مَیں عرض کرتا ہوں کہ آزادی کی قدر و منزلت سے تو انکار نہیں کیا جاسکتا لیکن بس سوال یہ ہے کہ کیا ہر قسم کی آزادی اور ہر قید سے آزادی۔ میں جہاں تک غور کرتا ہوں یہ مطلق آزادی تو اسوقت تک نصیب نہیں ہو سکتی جب تک انسان قیدِ زندگی سے رہا نہ ہو اور یہ کوئی شاعرانہ جملہ نہیں ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وجود خود پابندیوں کا متقاضی ہے اور جتنا وجود کا درجہ اُونچا ہوگا اتنا پابندیوں میں اضافہ ہوگا۔ ہمارے سامنے جو چیزیں ہیں جہاں سے درجہ بندی شروع کی گئی ہے سب سے نیچے جمادات مانے جاتے ہیں۔ اس سے اوپر نباتات اس کے اوپر حیوانات اسکے

اُوپر انسان ۔ تو جمادات یہ گویا ادنیٰ درجہ ہے ان کا کمال محدود ہے بس اپنے سرمایۂ وجود کو اکٹھا رکھتے ہیں اس میں آگے بڑھنے کی صلاحیّت نہیں ہے تو اب ان کا کمال مختصر ہے تو ان کی پابندیاں بھی مختصر ہیں بس ایک جگہ ہو جس پر ٹھہریں ایک فضا ہو جس میں سمائیں ۔ بس اسکے آگے ان کی ضرورتیں کچھ نہیں ہیں ۔ پتھر کبھی آپ سے پانی کے طلبگار نہیں ہوتے آپ سے غذا نہیں مانگتے سرمایۂ کمال مختصر ہے تو پابندیاں بھی مختصر ۔ اب اس کے بعد ایک درجہ اُونچا ہُوا نباتات کی منزل آئی تو اب اس اُونچے درجے پر پہنچ کر کچھ آزادی نصیب ہوتی مگر نہیں جو پابندی پتھروں پر تھی وہ بھی قائم رہی اس کے لئے بھی جگہ کی ضرورت رہی اس کے لئے بھی فضا کی ضرورت اور مزید اپنے کمال نباتی کے قائم رکھنے کے لئے مزید پابندیاں عائد ہوگئیں اب جناب جس پودے کی جو غذا ہو وہ اسکو ملے پانی ملے چاہے زراعت ہو، چاہے درخت ہو اُسے پانی چاہیئے، روشنی چاہیئے، ہوا چاہیئے ۔ جب یہ سب باتیں ہوں تب وہ پودا یا کھیتی برقرار رہے گی اور اگر ان میں سے کوئی ایک ضرورت پُوری نہ کی جائے تو وہ فنا ہو جائے گی اب یہیں فنا کے معنی سمجھ لیجئے کیونکہ مادہ ۔ اہل مادہ کہتے ہیں کہ فنا کوئی چیز نہیں ہوتی مادہ جتنا تھا اتنا ہی رہتا ہے اس میں نہ رتی بھر کمی ہوتی ہے نہ رتی بھر زیادتی ہوتی ہے حالانکہ معلوم ہُوا کہ اب تحقیق بدل گئی ہے اب کہا جاتا ہے کہ ایک منزل ایسی ہوتی ہے کہ مادہ بھی لہروں کی شکل میں آ کر فنا ہو جاتا ہے مگر ابھی تک یہی کہا جاتا تھا کہ مادہ فنا نہیں ہوتا ۔ تو اب یہ جو میں کہہ رہا ہوں کہ اگر پانی نہ دیا جائے، اگر ہوا نہ ہو، اگر فضا نہ ہو تو وہ پودا فنا ہو جائے گا یہیں سمجھ لیجئے کہ اس فنا کے معنی کیا ہیں ۔ مطلب یہ ہے کہ وہ خاک ہو کر مٹی میں مل جائے گا وہ

اس کا ارتقائی درجہ جو پودے کی حیثیت سے تھا وہ برقرار نہیں رہیگا اور اصل شے کی بقا اس کے اسی امتیاز نوعی کی بقاء سے ہے۔ اب جناب نباتات سے آگے بڑھی بات۔ منزلِ حیوانات آئی۔ اب دو درجے ترقی ہو گئی تو اب کچھ آزادی نصیب ہو۔ جی نہیں جو جمادات پر پابندی تھی وہ بھی رہی جو نباتات پر پابندی تھی وہ بھی برقرار رہی اِسے بھی غذا کی ضرورت، اسے بھی پانی کی ضرورت، اسے بھی ہوا کی ضرورت اور مزید برآں کمال حیوانی کے برقرار رکھنے کے لئے مزید پابندیاں عائد ہو گئیں اب حیوانیت وابستہ ہے احساسات کے ساتھ۔ جتنے احساسات ہیں ہر ایک کے کچھ شرائط ہیں آنکھ ہے اور اس کا کام دیکھنا ہے مگر شکل ہو رنگ ہو اور نہ حد سے زیادہ قرب ہو، نہ حد سے زیادہ بعد ہو۔ جب ایسا ہو تب آنکھ اپنا کام کرے، کانوں کا کام سُننا۔ اس کے لئے بھی شرائط۔ آواز ہو درمیان میں ایک فضا ہو کہ ہوا سفارت کا کام انجام دے کر صدا کو پردۂ گوش پر ٹکرائے اگر فاصلہ اتنا کم ہوا کہ ہوا کو تموج کا موقع ہی نہ مِلا تو سُنائی نہ دے گا۔ اگر دُوری اتنی ہو گئی کہ پہنچتے پہنچتے ہوا کی لہریں کمزور پڑ گئیں تو سُنائی نہ دے گا تو جو حاسہ ہے وہ اپنے ساتھ شرائط کی دنیا رکھتا ہے کہ اگر وہ ضروریات پُورے نہ ہوں تو کمال حیوانی بروئے کار نہ آئے گا، پھر ایک بہت بڑی شرط ہے وہ شرط یہ ہے کہ اگر زندگی قائم رکھنا ہے تو زندگی کے کام جاری رہنا چاہئیں آپ کے ہاں شاید یہ نمونہ نہ ہو مگر پاس کے ملک میں کبھی آپ نے دیکھا ہو گا کہ ایک شخص نے اپنا ہاتھ خشک کر لیا تو اپنے نقطۂ نظر سے بہت بڑی عبادت کی۔ ایک ہاتھ اپنا خشک کر لیا۔ یہ ہاتھ خشک کیسے ہو گیا۔ جب ایک عرصے تک اس ہاتھ سے کام نہ لیا گیا تو نتیجہ یہ ہوا کہ کل نے برکاتِ حیات کو سلب کر لیا۔

اب خون اپنے مرکز سے چلتا ہے تمام جسم میں گردش کرتا ہے مگر یہاں اگر اپنا راستہ بدل دیتا ہے حرارتِ حیات تمام جسم میں پھیلتی ہے مگر اس جزو کو محروم کر دیتی ہے۔ معلوم ہوا کہ اگر زندگی قائم رکھنا ہے تو زندگی کے کام جاری رکھیئے۔ اب اِسے چاہے آزادی کہیئے چاہے پابندی کہیے جن لوگوں کے ہاتھ کو ڈاکٹر باندھ دیتے ہیں کسی وجہ سے وہ کہتے ہیں اُنگلیوں کو ذرا ہلاتے رہو۔ گردش دیتے رہو۔ ظاہر میں تو بیکار یہ حرکت دے رہا ہے۔ مگر معلوم ہوا کہ تعطّل دشمن حیات ہے تو ہم نے سُنّت کائنات یہ دیکھی کہ ہر ترقی کا قدم اپنے ساتھ کچھ پابندیاں لایا۔ آزادی مطلق کسی منزل پر حاصل نہیں ہوئی۔ اب حیوان سے بالاتر کون ہے "انسان" اور ماشاءاللہ لوگ تعلیم یافتہ ہیں ہم تو انسان کو ایک الگ چیز ہی سمجھتے ہیں مگر وہ سات سمندر پار کا فلسفہ جو انسان کو اسی نسل حیوان کا ترقی یافتہ ایک نقطہ سمجھتا ہے میں اس کو اپنی خالص اُردو زبان میں یوں کہوں گا کہ کائنات کیسے جوڑ توڑ میں بس ایک جھول جو پیدا ہوا وہ انسان تھا وہ نظریہ بھی جو ہمارے نزدیک ناقابلِ قبول ہے مگر وہ بھی انسان کو نقطۂ ارتقاء مانتا ہے، نقطۂ تنزل نہیں مانتا، اس کے معنی ہیں کہ حیوان سے انسان کو بالاتر تو سبھی مانتے ہیں اب جب انسان حیوان سے بالاتر ہے تو ہم نے دیکھا کہ ہر ترقی کا قدم اپنے ساتھ آزادی نہیں لایا بلکہ پابندی لایا۔ اب انسان کے درجے پر پہنچ کر مطالبۂ آزادئ کامل کا کیوں ہے۔ اُمید یہی کرنا چاہیئے کہ جو ترقیاں، جو پابندیاں پتھروں میں تھیں وہ بھی برقرار رہیں گی یعنی انسان جگہ کا محتاج انسان بھی فضا کا محتاج۔ جو پابندیاں نباتات میں تھیں وہ بھی برقرار رہیں گی انسان بھی غذا کا محتاج، انسان بھی ہوا کا محتاج، انسان بھی روشنی کا محتاج۔ جو پابندیاں حیوان پر تھیں وہ بھی برقرار رہیں گی انسان بھی اپنی زندگی کی بقاء کے لئے احساسات کے قائم رکھنے کے لئے اسی طرح محتاج عمل ہے جس طرح حیوان

محتاجِ عمل ہے ۔ وہ تمام پابندیاں جو اسکی آنکھ پر ہیں، کان پر ہیں، ناک پر ہیں، تمام احساسات پر ہیں وہی پابندیاں سب اس پر بھی ہیں ۔ تو جتنی پابندیاں پہلے تھیں وہ سب برقرار رہیں گی اور اب اُمید یہ رکھنا چاہیئے کہ کمال انسانی کی بقاء کے لئے کچھ مزید پابندیاں عائد ہوں گی کہ اگر اسکے تقاضے نہ پورے ہوں گے تو شاید بحیثیت جسم باقی رہے شاید بحیثیت نشوونما باقی رہے چاہے بحیثیت حیوان باقی رہے مگر انسانیت کا شرف ختم ہو جائے گا اور یاد رکھنا چاہیئے کہ انہی پابندیوں کا جو انسان پر اس کی انسانیت کی بقار کے لئے عائد ہیں اسی کا نام مذہب ہے ۔ اب یہ کتنی غیر منطقی بات ہے کہ انسان ان پابندیوں کے خلاف احتجاج نہیں کرتا جو جسمانی حیثیت سے عائد تھیں ارے اس میں احتجاج کرنا کیسا ۔ پُرانے زمانے کے انسان کے لئے چھوٹا سا مکان کافی ہو جاتا تھا ۔ اب ماشاءاللہ جتنا بڑا مکان چاہیئے وہ سب کو معلوم ہے تو ان میں تو اور مزید اضافہ ہو گیا ہے جو پابندیاں بحیثیتِ نباتات عائد تھیں اس پر احتجاج نہیں کرتا یہ کیا مجبوری ہے کہ دوپہر کو بھی کھائیں اور شام کو بھی کھائیں، کم سے کم ایک ہی وقت آزاد ہو کر دیکھ لیں مگر ماشاءاللہ مغربی تہذیب کے دلدادہ جانتے ہیں کہ پہلے کھانے کے دو وقت تھے اب تو ماشاءاللہ پانچ وقت ہو گئے ہیں ۔ تو جو نباتی حیثیت سے پابندیاں ہیں اس پر احتجاج نہیں ہے ۔ مزید اضافہ ہے جو حیوانات کے لحاظ سے پابندیاں تھیں اس پر بھی کوئی بندش نہیں ہے کوئی احتجاج نہیں ہے ظاہر ہے کہ یہ شادی بیاہ جو ہے یہ ضرورت حیوانی کے پورا کرنے کی صورت ہے یہ وہ ضرورت ہے جو حیوان اور انسان دونوں میں مشترک ہے مگر ان باتوں پر جو حیوانات کے لئے ہیں ان پر کوئی احتجاج نہیں جتنا احتجاج ہے وہ

اس پر جو بحیثیت انسان پابندیاں عائد ہیں اس پر فریاد و واویلا ہے میں کہتا ہوں کہ یہ انسان سابق کی پابندیوں سے آزاد نہیں ہوتا اس میں اور اُلجھتا جاتا ہے لیکن میرے سامنے ایسے روایات ہیں اور آپ نے بھی برابر فیض مجالس سے سنے ہوں گے کہ جو آخری خصوصیت کو، ضرورت کو یعنی انسانی تقاضے کو بحدِ کمال پورا کرتے ہیں وہ قبل کی پابندیوں سے بہت حدتک آزاد ہو جاتے ہیں ہم جب تک آنکھ نہ کھولیں دیکھ نہیں سکتے۔ مگر رسولؐ کی حدیث ہے کہ میں خواب میں بھی اسی طرح دیکھتا ہوں جس طرح بیداری میں دیکھتا ہوں۔ ہم سامنے کی چیز کو دیکھتے ہیں پس پُشت کی چیز کو نہیں دیکھتے لیکن پیغمبر خداؐ کی فریقین میں متفق علیہ روایت ہے کہ حضرتؐ نے فرمایا میں تمہیں پس پُشت سے بھی اسی طرح دیکھتا ہوں جس طرح سامنے دیکھتا ہوں تو معلوم ہوا کہ آخری تقاضے کو جو پُورا کرے وہ پھر قبل کی پابندیوں سے بہت حدتک آزاد ہو جاتا ہے۔ ہمارا جسم فضا میں معلق نہیں ہو سکتا لیکن جو اس ضرورت کو پُورا کئے ہوئے ہیں وہ فضائے ہَوا میں سفر کرتے ہیں۔ وہ پانی کے اُوپر سفر کرتے ہیں اور فضائے ہَوا میں سفر کر کے کہاں تک جاتے ہیں وہ تو آپ کو معلوم ہے -

دَنیٰ فتدلّیٰ نکان قاب قوسین اَوْ ادنیٰ ۔ صلوٰۃ ۔

اور وہ لوگ جو اس عزت انسانی کی بلندی کا اندازہ ہی نہیں کرتے وہ کہتے ہیں بشر ہوتے ہوئے کیونکر گئے۔ میں کہتا ہوں کہ قرآن نے یہ کب کہا ہے کہ یہ گئے قرآن تو کہہ رہا ہے کہ وہ لے گیا۔ وہی سائنسدان لوگ جن کی سمجھ میں مذہب نہیں آیا اُنہوں نے ہی طرح طرح کے اعتراضات کے پہاڑ کھڑے کر دیئے سابق زمانے کا فلسفہ، اُس زمانے میں سائنس بھی فلسفے کا جز ہوتی تھی، تو اسوقت اعتراضات اور تھے

وہ بھی مجھے معلوم ہیں۔اس وقت یہ اعتراضات تھے کہ کیونکر مانیں۔اس لئے کہ اگر مان لیں عالم بالا کی معراج کو تو فلک میں خرق و التیام لازم آئے گا یعنی آسمان ایک دفعہ جانے میں پھٹے اور پھر دوبارہ آنے میں پھٹے تو کہتے ہیں کہ خرق و التیام فلک میں محال ہے اس لئے معراج کیونکر ہوسکتی ہے اب ماشاءاللہ تعلیم یافتہ افراد ہیں میں کہتا ہوں کہ موجودہ زمانے میں آسمان ہو گیا حد نظر کا نام تو اس حیثیت سے تو معراج کا راستہ صاف ہو گیا مگر اب اور طرح کے اعتراضات ہیں کہتے ہیں کہ اتنی دور پر درجۂ حرارت اتنا ہوتا ہے اس میں کوئی ذی رُوح بسر نہیں کر سکتا اور اتنی دور پر درجۂ حرارت اتنا ہوتا ہے اور اتنی دور پر ہوا کا دباؤ یوں ہوتا ہے اور وہ آکسیجن ایسا ہوجاتا ہے غرض چکر وہی رہا کہ کیونکر گئے۔میں کہتا ہوں کہ قدیم سائنس اور جدید سائنس کے اعتراضوں سے گھبرا کر ایک جماعت اسلام نے کہا کہ معراج روحانی تھی۔ارے بھئی بجنسہٖ جسم گیا ہی کب تھا وہ تو رُوح گئی تھی اب نہ آسمان پھٹے گا نہ جڑے گا نہ سانس لینے میں دُشواری ہوگی کچھ نہیں ہوگا اس لئے ایک طبقہ معراج روحانی کا قائل ہو گیا مگر یہ طبقہ تو ماشاءاللہ علمائے اسلام کا ہے تو اس طبقے سے میں کہتا ہوں کہ آخر معراج کے ماننے کی ضرورت ہی کیا ہے جو آپ اس جھگڑے میں پڑتے ہیں ضرورت یہی ہے نہ کہ قرآن میں ہے تو کیونکر نہ مانیں ورنہ کون آپ کا گلا گھونٹ رہا ہے کہ مانیئے نہیں دل چاہتا نہ مانیئے مگر پھر اسلام کیونکر سنبھلے قرآن میں ہے تو اب کیونکر نہ مانیں تو میں کہتا ہوں جب مجبوری یہ ہے کہ چونکہ قرآن میں ہے اس لئے ماننا ہے تو جو قرآن میں ہو اسے مانیئے اب دیکھئے قرآن کیا کہہ رہا ہے سُبحان الّذی اسری بعبدہٖ لیلاً من المسجد الحرام۔پاک ہے وہ پروردگار جو لے گیا کسے۔

جو لے گیا اپنے بندے کو اب بندہ بحالت حیات نام فقط رُوح کا ہوتا تو معراج رُوحانی مانیئے اور اگر بندہ رُوح وجسد کے مجموعے کا نام ہو تو معراج روحانی مان کر کام نہیں چلے گا۔ اب یہ کہ کیونکر گئے وہ مسئلہ پہلے بھی تھا اب بھی ہے تو اس کے لئے میں نے ابھی کہا کہ قرآن کب کہہ رہا ہے کہ یہ گئے قرآن کہہ رہا ہے کہ سُبحان الّذی اسریٰ۔ پاک ہے وہ پروردگار جو لے گیا اسکو میں اپنی اُردو زبان میں یوں کہوں گا کہ بشر ہوتے ہوئے یہ نہیں گئے خدا ہوتے ہوئے وہ لے گیا۔ صلوٰۃ۔

اور اس لئے یہ گئے ہوتے تو تعریف انکی ہوتی کہ کتنا بڑا وہ بندہ ہے جو گیا تعریف بھی انکی نہیں ہو رہی وہ اپنی تعریف کر رہا ہے کہ سُبحان الّذی اسریٰ بعبدہٖ۔ پاک ہے وہ پروردگار جو لے گیا۔ بس اب میرا ایک مختصر سوال ہے میں کہتا ہوں اگر اللہ کے سب کاموں کو آپ نے سمجھا ہو کیونکر ہوتے ہیں تو اسے بھی سمجھنے کی کوشش کیجئے۔ مَیں تو اتنا جانتا ہوں کہ جتنی بھی سائنس نے ترقی کی ہے بس اب تک یہ معلوم کر رہے ہیں کہ یہ ہے اور یہ ہوتا ہے اور یہ ایک بات انہیں بھی نہیں معلوم کہ کیوں ہے اور کیوں ہوتا ہے یہاں تک کہ جو روز کی باتیں ہیں ہمیں یہ معلوم ہے کہ پانی سے پیاس بجھتی ہے لیکن یہ پیاس کیوں لگتی ہے اور پانی سے کیوں بُجھتی ہے اِسے نہ پیاسا جانتا ہے نہ سیراب۔ مگر انسان کی کچھ طبیعت یہ ہے کہ جو بات روزمرّہ سُنتا ہے اس میں غور نہیں کرتا مگر جو کبھی کبھار سُن لیتا ہے تو لڑنے کے لئے تیار ہوتا ہے کہ یہ کیونکر آفتاب مشرق سے روز نکلتا ہے کوئی صاحب نہیں سوچتے کیونکر نکلا۔ ایک دفعہ سُن لیا کہ رسُول کی دُعا سے اُن کے وصی کے لئے مغرب سے نکلا تھا تو لڑنے کے لئے تیار کہ یہ کیونکر میں کہتا ہوں

جو روز کی بات ہے وہ آپ بتا دیجئے کہ کیونکر ہوتی ہے تو ایک دفعہ کی بات میں بتا دُوں گا۔ تو بس ایک جُملہ کہہ کر آگے بڑھوں گا کہ حضور یہ تو اپنا اپنا زاویۂ نظر ہے مجھے حیرت ہے کہ یہاں کیونکر رہے اور جا کر پھر کیونکر ہو آئے۔ آپ کو یہ حیرت ہے کہ وہاں کیونکر گئے جس کا مرکز یہاں ہو اس کا وہاں جانا تعجب ہے اور جسکا مرکز وہاں ہو اس کا تو یہاں رہنا تعجب ہے غرض یہ کہ یہ آزادی کا تصوّر مَیں کہتا ہوں آزادی بڑی اچھی چیز ہے کسی ایک دن تو آزاد ہو کر دکھایئے میں سیاست کی دُنیا کا آدمی نہیں ہوں سیاسی زبان ہے یہ کہ اس وقت کا ذکر نہیں جب غلام تھے اب تو ماشاءاللہ آزاد ہو گئے ہیں تو اب اس آزادی کے دَور میں دیکھوں آپ کتنے آزاد ہیں حضور اب تو بڑے راستوں کے اُوپر خود کار روشنیاں ہو گئی ہیں، لیکن ابھی تھوڑے عرصے پہلے خود کار روشنیاں چوراہوں کے لئے ایجاد نہیں ہوئی تھیں اور اب بھی مَیں سمجھتا ہوں کہ بعض راستے ایسے ہوں گے کہ جہاں یہ نہ ہوں تو جہاں یہ نہیں ہوتے اور جب تک یہ نہیں تھے اس وقت تک چوراہوں کے اوپر چبوترے بنے ہوئے تھے اس چبوترے پر ایک ستون ہوتا تھا اس ستون کے پاس ایک آدمی کھڑا ہوتا تھا اور وہ آنے جانے والوں کو اشارے کرتا رہتا تھا کبھی یوں ہاتھ کر دیا کبھی یُوں ہاتھ کر دیا۔ اس کا مطلب سب سمجھتے تھے کہ آگے بڑھ جاؤ ابھی رُک جاؤ وہ سب اشارے کرتا رہتا تھا۔ اب بھی ہمارے ہاں بعض شہروں میں یہاں بھی بعض ترقی یافتہ جو شہر ہیں وہاں ہوگا یہاں بھی بعض محلّوں میں شاید۔ تو میں کہتا ہوں اس کی کیا ضرورت ہے ارے صاحب اپنے ملک کی سڑک اور آزادی سے نہیں طے کر سکتے۔ ارے صاحب ہمارا ملک آزاد

ہو گیا۔ بحمد اللہ ہم بھی آزاد ہیں تو ایک سڑک تو آزادی سے چلنے دیجئے مگر نہیں جناب کیوں آزادی نہیں دی جاسکتی اس لئے کہ سڑک ہے ایک رہرو بہت ہیں اور وہ راستہ چلنے والے ہر ایک کو اپنی فکر کی فکر ہے، اپنی دھن ہے ہر ایک سمجھتا ہے مجھ ہی کو سب سے پہلے پہنچنا ہے اور ذرائع مختلف ہیں کوئی موٹر نشین ہے، کوئی تانگہ نشین ہے کوئی سائیکل نشین ہے کوئی بیچارا اپنے پیر دل ہی پر چل رہا ہے طاقتیں بھی مختلف ہیں۔ کوئی بوڑھا ہے، کوئی بچہ ہے، کوئی جوان ہے تو اگر انکو آزادی سے چلنے کے لئے چھوڑ دیا جائے تو موٹر نشین پیادوں کو پامال کر دیں گے کچل دیں گے اور جوان ضعیف العمر افراد کو دھکے دیدیں گے۔ خواتین کی بے حرمتی ہوگی۔ بچے پیروں کے نیچے آجائیں گے حالانکہ یہ ایک سڑک ہے اس کا وہ سرا بھی آنکھوں کے سامنے ہے یہ سرا بھی آنکھوں کے سامنے ہے راستہ چلنے والے بھی آنکھوں کے سامنے ہیں اس کے باوجود ایک سڑک آزادی سے نہیں طے ہوتی۔ قانون ہے ہر ایک جو آئے سواریاں اگر ہوں مجھے معلوم ہے کہیں بائیں جانب کا قانون ہوجاتا ہے کہیں دائیں جانب کا وہ جدھر بھی ہے پابندی ہے۔ وہ دائیں بائیں سے کوئی فرق تھوڑی ہوگا تو وہ قانون مقرر ہیں اور اس قانون کی پابندی کے بغیر وہ سڑک نہیں طے ہو سکتی اب میں کہتا ہوں کہ ایک سڑک جس کا وہ سرا بھی ہماری آنکھوں کے سامنے ہے یہ سرا بھی آنکھوں کے سامنے اور وہ بغیر قانون طے نہیں ہوتی تو یہ عظیم شاہراہ حیات جس پر چلنے والے افراد نہیں اقوام، اس کے لئے مطالبہ ہے کہ یہ بغیر قانون کے طے ہو جائے اور یہیں ایک اور پہلو پر غور کیجئے کہ اچھا صاحب کوئی کہے کہ قانون تو ٹھیک ہے قانون ہونا چاہیئے مگر وہ قانون لکھ کر اس کھمبے پر

چسپاں کر دیا جاتا۔ آنے جانے والے اسے پڑھ لیتے یہ سپاہی کے کھڑے کرنے کی کیا ضرورت۔

معلوم ہوتا ہے کہ ایک سڑک بھی فقط تحریری قانون سے طے نہیں ہوتی جب تک عمل کرانے والے نہ ہوں تو ایک سڑک کے لئے قانون کافی نہ ہوا اور عظیم شاہراہِ حیات کے قانون کے لئے کتاب کافی ہو جائے اور اب یہیں ایک اور پہلو پر غور کر لیجئے کہ کبھی ایسا ہوا ہو کہ اُس سپاہی نے کہا ہو یوں اور آپ نے پُوچھا ہو کیوں۔ آجکل تو ماشاءاللہ نئی روشنی والے حضرات کہتے ہیں کوئی بات ہم سمجھے بغیر نہیں مانتے تو وہ جب کہے یُوں تو آپ کہئے کیوں۔

مجھے معلوم ہے آپ نے کبھی نہیں پُوچھا اور دل چاہے تو کبھی پُوچھ کے دیکھ لیجئے کہ وہ بتاتا ہے یا نہیں اور اگر وہ بتانے لگے گا تو اتنی دیر میں موٹر آجائے گی اور وہ کُچل دے گی اور وہ اپنے منصب سے ہٹا دیا جائے گا بس ایک بات کہتا ہوں کہ یہ دیکھ لیجئے کہ جو اس کھمبے کے پاس کھڑا ہے وہ اس حکومت کا نمائندہ ہے یا نہیں۔ صاف لفظوں میں کہوں کہ یہ سمجھ لیجئے کہ کوئی وردی پہن کر خود سے یا راستہ چلنے والوں کے اجماع سے کوئی کھڑا تو نہیں ہو گیا ہے اگر پتہ چلے کہ ایسا کوئی کھڑا ہو گیا ہے تو ہرگز تسلیم نہ کیجئے بلکہ رپورٹ کر کے خود اُسے گرفتار کرا دیجئے، لیکن جب سمجھ میں آجائے کہ اُدھر کا نمائندہ ہے اس کے لئے جو علامتیں ہوتی ہوں نمبر دیکھ لیجئے تمغے جو خاص ہوتے ہیں وہ دیکھ لیجئے۔ جب پتہ چل جائے تو اب آپ کا کام عمل کرنا ہے۔ اب آپ کا کام سمجھنا نہیں ہے سمجھنا یہاں تک ہے کہ یہ ہے صحیح آدمی اور جب صحیح آدمی سمجھ لیا اسی لئے دین کے معاملے میں انبیاء و مُرسلین

کے صرف دعویٰ پر ماننے کی پابندی نہیں ہے ماننے کا حکم نہیں ہے جو علامات ہوں سچائی کی۔ معجزے کی ضرورت اسی لئے ہوئی کہ دیکھ لیجئے سچائی کے نشان کیا ہیں دیکھ لیجیئے کہ اس کے دعویٰ پر حقانیت کی دلیلیں کیا ہیں اور جب ثابت ہو جائے ان دلائل سے کہ یہ بے شک ادھر کا نمائندہ ہے ادھر کا رہنما ہے تو اب اسکے احکام میں یہ بحثیں کہ صبح کی دو رکعتیں کیوں ہیں اور مغرب کی تین رکعتیں کیوں ہیں اور عشاؑ کی چار رکعتیں کیوں ہیں یہ درحقیقت خود خلافِ عقل بات ہے بے شک بے سمجھے نہ مانیئے اور اب وہ چیز ہے جو گذشتہ مجلسوں میں اس موضوع کے تحت میں عرض کر چکا ہوں کہ اسی لئے دعویٰ رسالت چالیس۴۰ برس کی عمر میں کیا، لیکن قوم کو اپنی سچائی کا تجربہ دعویٰ رسالت سے پہلے کرایا تاکہ جب دعویٰ رسالت ہو تو بلا دلیل نہ ہو، چالیس۴۰ برس کا کردار اسکی سچائی کے لئے ثبوت ہو اور وہ چالیس۴۰ برس میں کیا اثر تھا کہ لوگ نام کے بجائے صادق کہنے لگے، نام کے بجائے امین کہنے لگے حالانکہ میرے نزدیک اخلاقِ رسالت کا ہر پہلو بے مثال تھا جتنے صفاتِ حمیدہ ہیں آپ سے بڑھ کر حلیم بھی کوئی نہ تھا، آپ سے بڑھ کر جواد بھی کوئی نہ تھا آپ سے بڑھ کر صادق بھی کوئی نہ تھا، جتنے اوصافِ حمیدہ ہیں سب میں آپ بے مثال تھے مگر یہ سب وصف رہے لقب نہیں بنے، صابر تھے مگر نام کے بجائے صابر نہیں کہے جانے لگے، حلیم تھے مگر نام کے بجائے حلیم کے لفظ سے یاد نہیں کیا جانے لگا، لیکن دو صفتیں اتنی نمایاں ہوئیں کہ انہوں نے نام کی جگہ حاصل کر لی لقب بن گئیں، ایک صادق اور ایک امین - یہ ان دو صفتوں کی کیا خصوصیت ہے میری سمجھ میں تو بس یہی آتا ہے کہ یاد رکھئے کہ ان دو صفتوں

کو دعویٰ کی صحت میں دخل ہے۔ جو صادق ہو وہ جھوٹا دعویٰ کیوں کرنے لگا اور جو امین ہو وہ پیغام کے پہنچانے میں کتربیونت کیوں کرنے لگا۔ تو صادق کہنے کے معنی یہ ہیں کہ جو دعویٰ آپ کیجئے گا وہ سچّا ہے اور امین کہنے کے معنی یہ ہیں کہ جو پیغام آپ پہنچائیں گے وہ صحیح ہے۔ اب جب آپ نے فرمایا۔۔۔ کہ اگر میں تم سے کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے سے لشکر آرہا ہے تو مانو گے یا نہیں حدِّ نظر کے سامنے جتنا مجمع تھا اس نے کہا کہ کیوں نہ مانیں گے کہ اس زبان سے سوا سچ کے ہم نے کچھ نہیں سُنا۔ اب اس کے بعد پیغام پہنچایا تو ظاہر ہے کہ اس وقت تو نہیں مانا ورنہ سبھی مسلم ہو جاتے مگر وہ خود انکا جُملہ کہ کیوں نہیں مانیں گے وہ ضمیر کے اندر نشتر بن کر چُبھتا تو رہے گا اس وقت یہ تھا کہ کیوں نہیں مانیں گے اور اب اندر سے کوئی کہہ رہا ہے کیوں نہیں مانتے اور اب ایک پہلو کی طرف توجہ دلاؤں کہ جب نہیں مانا تو کیا کیا کہا اُنہوں نے، قرآن مجید نے سب بتا دیا ہے کیا کیا کہا، شاعر کہا، کاہن کہا اور سب سے زیادہ سخت بات یہ کہ مجنوں کہا اور اب ایک پہلو پر توجہ دلاتا ہوں کہ کمبخت وہ کہنے والے ہمیں نہیں معلوم مگر قرآن نے ان تمام گستاخیوں کو محفوظ کر دیا مجھے راستے میں کوئی گالی دے تو میں آکر بیان نہیں کرونگا کہ مجمع عام میں مجھے فلاں نے یہ گالی دی ہے مگر قرآن ان کی ان سب غلط باتوں کو محفوظ کر رہا ہے کہ یہ کیا کہا، یہ کہا، یہ کہا۔ میں کہتا ہوں کہ یہ قرآن کیوں محفوظ کر رہا ہے جو میری سمجھ میں آیا وہ عرض کرتا ہوں یاد رکھئے کہ یہ سب وہ کہہ رہے تھے یہ ظلم ہی تو تھا ایک معلّم عقل کو دیوانہ کہہ رہے تھے ظلم ہی تو تھا ایک سنجیدہ انسان کو شاعر کہہ رہے تھے، ظلم ہی تو تھا تو قرآن نے ان تمام الفاظ کو محفوظ کر کے یہ اصول قائم کر دیا کہ مظالم کے ذکر سے

مظلوموں کی توہین نہیں ہوتی۔ چونکہ ہم پر زمانۂ عزاء میں طرح طرح کے اعتراضات کئے جاتے ہیں۔ روتے ہم ہیں دل دُوسروں کا دُکھتا ہے ماتم ہم کرتے ہیں دل دوسروں کا دکھتا ہے تو جتنے منطق و فلسفے کے اوزار ہیں وہ سب کہیں نہیں آتے اسی غم حسین کے سامنے وہ تمام لائے جاتے ہیں تو انہی میں سے ایک یہ ہے کہ یہ سب ہوا تھا جانے دو کہ ہوا تھا میں کہتا ہوں جانے دو یعنی آپ محفوظ رہیں ارے جانے دو ذکر کرنے سے یہ تو ان کی شان کے خلاف ہے۔ معاذ اللہ ان کی ہستی ہو طوق پہنایا گیا ہو بیڑیاں پہنائی گئی ہوں یہ تو اعتراض کا ڈھب ہے۔ کبھی ہمدرد بن کر دُشمنی کی جاتی ہے تو یہ کہا جاتا ہے تو میں کہتا ہوں کہ وہ سب ظلم تھا تو ظاہر ہے ظلم کی یاد سے ظالموں کی توہین ہوتی ہے۔ مظلوموں کی توہین نہیں ہے اور طرح طرح کی باتیں ہیں ان میں سے عرض کرتا ہوں مصائب اسی میں آجائیں گے کہتے ہیں کہ زندہ جاوید ہیں وہ شہید۔ وہ مُردہ ہیں کہیں۔ لہٰذا انہیں کیوں روتے ہو۔ میں کہتا ہوں متفق علیہ کتابوں میں جو روایات ہیں انھیں دیکھو۔ کہ حسین پیدا ہوئے ہیں رسُولؐ کی گود میں لاکر دیئے گئے ہیں اور پیغمبرؐ کی آنکھ سے آنسو جاری ہیں ہم سے بعد کو پوچھنا رسُولؐ سے پوچھ لو کہ زندہ کو کیوں روتے ہو۔ ارے یہ زندگی شہدا کی تو عالم معنیٰ کی زندگی ہے وہ تو اسوقت جیتی جاگتی شکل سے سانس لیتی ہوئی زندگی کے ساتھ نانا کی گود میں موجود تھے اور رسُولؐ گریہ فرمارہے تھے تو اب تو تمہاری سمجھ میں آنا چاہیئے کہ مَرنے پر گریہ نہیں ہوتا مصائب پر گریہ ہوتا ہے۔ اگر رسُولؐ کو اس زندگی میں رونے کا حق تھا تو ہمیں اس زندگی میں رونے کا حق ہے اور بس اہل عزا ایک

بہت دلدوز سوال ہے وہ سوال کرنے والے کے لئے دلدوز نہ ہو ہمارے دل پر
نشتر پڑ جاتا ہے کہتے ہیں ارے اتنی مدت تک ۱۴ سو برس گذر گئے ارے رُوتے
ٹھیک ہے تھوڑے عرصے تک رو لیتے یہ اتنی مدت تک یہ گریہ قائم۔ میں نے
کہا کہ میرا دل بہت دُکھ جاتا ہے اس سوال سے میں کہتا ہوں کہ ارے جنہیں رونے
کا حق تھا انہیں بروقت رو لینے دیا گیا ہوتا تو شائد آج تک گریہ قائم نہ رہتا
حسین پر رونے والوں کی کمی نہ تھی زینب و اُم کلثوم جیسی بہنیں، فاطمہ و سکینہ
جیسی بیٹیاں۔ لیلیٰ و رباب جیسی بیویاں، سید سجاد جیسا فرزند مگر اربابِ عزاء یہ
رونے کہاں پائے ادھر وارث کی خبر آئی ادھر اشقیاء آگ لیکر خیموں کے پاس
آئے۔ اب روتے کس وقت۔ یہ تو اسوقت اپنے پردے کے لئے جہاد کرنے
لگے یہ ہوائے زمانہ کے خلاف بات ہے اب لوگوں کی نظر میں پردے کی قیمت
نہیں رہی ہے لیکن میں کہتا ہوں ذرا دیکھئے خیموں میں آگ لگی ہے مگر بیبیاں
گھبرا کر قدم باہر نہیں نکالیتں سب سمٹ کر آتی ہیں ثانیٔ زہرا کے پاس، کہتی ہیں
بی بی آپ جانشین فاطمہ ہیں دیکھئے چاروں طرف آگ لگی ہوئی ہے اب آپ
بتایئے جل کر مر جائیں یا خیموں سے باہر نکلیں اور میرا ایمان ہے کہ حضرت زینبِ
کبریٰ مسئلہ شرعی سے واقف ہیں جنہیں سید سجاد کہیں عالمة غیر معلمة وفہمیة غیر
مفہمہ وہ معاذ اللہ اس حکم شرعی سے جسے مجھ جیسا جاہل جانتا ہے واقف نہ تھیں
جانتی تھیں، مگر یہ حکمِ شرعی کی اہمیت دکھانا تھی کہ کہتی ہیں کہ بیبیو مجھ سے کیا
پُوچھتی ہو خدا امام وقت کو زندہ رکھے اب کہاں آئیں جہاں ہمارا آپ کا چوتھا
امام غش میں پڑا ہوا ہے ماشاءاللہ اہل فہم ہیں، اہل نظر ہیں میں کہتا ہوں کہ

تلواریں بھی مصیبت ہیں، نیزے بھی مصائب ہیں، تیر بھی مصائب ہیں۔ مگر یہ عجیب نوعیت کی مصیبت ہے کہ یہ دیکھئے باپ کے بعد بحیثیتِ امام پہلا مسئلہ کیا پوچھا جا رہا ہے کہ پھوپھی سرہانے کھڑی ہیں کہ ارے بیٹا دیکھو آگ کے شعلے بلند ہیں اب تم امامِ وقت ہو کیا معنی کہ باپ شہید ہو گئے اب تم بتاؤ جل کے مر جائیں یا خیموں سے باہر نکلیں اب سیّد سجاد پہلا فریضۂ امامت جو ادا کرتے ہیں وہ یہ ہے کہتے ہیں اب خیموں سے نکلئے۔ ہاں اربابِ عزا میں کہتا ہوں کہ یقیناً امام حسین نے بھی بڑا جہاد کیا عباس نے بھی جہاد کیا۔ علی اکبر نے بھی جہاد کیا، مگر ان حضرات کی بارگاہ میں عرض کیا کرتا ہوں کہ اے میرے آقا عباس، اے میرے شہزادے علی اکبرؑ اے میرے مولا حسین بے شک آپ نے تلوار لے کر بھی بے نظیر جہاد کیا مگر آپ نے جو جہاد کیا وہ خاندانی روایات کے مطابق تھا۔ حمزہ کے بھتیجے یوں جہاد نہ کرتے تو کون کرتا۔ جعفر کے وارث یوں جہاد نہ کرتے تو کون کرتا مگر زینب نے جو جہاد کیا وہ خاندانی روایات سے الگ۔ ارے جس کی ماں کا جنازہ رات کو اٹھا ہو وہ روزِ روشن میں شہر بہ شہر

مجلس دوئم

دینِ اسلام

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط

اِنَّ الدِّیۡنَ عِنۡدَ اللّٰہِ الۡاِسۡلَامُ ۔

میں نے کل یہ عرض کیا تھا کہ اصل دین کچھ حقیقتوں کا نام ہے جنہیں جانا اور مانا جاتا ہے ۔ حقیقتوں میں فائدے کا سوال ہی نہیں ۔ حقیقت اس لئے مانی جاتی ہے کہ حقیقت ہونا متقاضی ہے کہ اُسے مانا جائے اب اس کے بعد یہ کہ کیا فائدہ تو اس کے معنی صرف یہ ہو سکتے ہیں کہ پھر اس پر سوچنے ہی سے کیا فائدہ ؟ یعنی ان چیزوں کو کہ جنہیں دین پیش کرتا ہے سوچیں ہی کیوں کہ کچھ سمجھ میں آئے تو میں کہتا ہوں کہ سوچنے میں ڈر کاہے کا ہے گھبرا کیوں رہے ہیں کیا اس لئے کہ یہ اندیشہ ہے کہ اگر سوچیں تو سمجھ میں نہ آجائے کہ یہ حق ہے تو بس ادھر یہ اندیشہ ذہن میں پیدا ہوا ادھر اب سوچئے یا نہ سوچیے حجت آپ پر تمام ہوگئی اب یہ نہ سوچنا خود جُرم ہے لہٰذا نہ سوچنے سے کوئی فائدہ نہ ہُوا لہٰذا سوچ لیجیے تو بہتر ہے کہ سوچ لینے میں تو یہ امکان ہے کہ سمجھ میں یہی آئے کہ کچھ نہیں ہے اور اگر اب میں نہیں سمجھ سکتا کہ دُوسرے حضرات مجھ سے اس

جملہ میں متفق ہوں گے یا نہیں مگر میں چونکہ اپنے اللہ کو عادل جانتا ہوں اس
لئے میں کہتا ہوں اور اعتماد کے ساتھ کہتا ہوں کہ اگر صدقِ دل سے سوچنے پر
ذہن کی کوتاہی سے واقعی یہی سمجھ میں آئے کہ کچھ نہیں ہے تو ہمارا خدا سزا نہیں
دے گا جبکہ دیوانے کو اس نے بری کر دیا۔ دیوانہ کچھ مانتا ہے! کچھ بھی نہیں
مانتا مگر اُسے کچھ سزا نہیں تو اگر قصورِ عقل سے واقعی اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ علمِ
الٰہی میں یہ کوتاہی کا مرتکب نہ ہوا۔ اُس کے معیارِ نگاہ میں اِس نے خود اختیاری
کوئی کمی نہیں کی ہے جو کچھ کوتاہی ہے وہ غیر ارادی طور پر تو پھر اس کو سزا دینا عدلِ
الٰہی کے خلاف ہے، لٰہذا اب تو عقل کا تقاضا سوچنا ہی ہے کہ نہ سوچنے میں سزا
یقینی ہے اور سوچنے میں کچھ امکان ہے بری ہو جانے کا لٰہذا سوچ ہی لیجئے
اور پوری کوشش کر لیجئے تو بہتر ہے۔ اس کے بعد ماشاءاللہ مجالس میں نوجوان
اور جوان کثرت سے ہوتے ہیں۔ ایک بڑی خوشگوار تبدیلی ہندوستان میں بھی
اور پاکستان میں بھی ہوئی ہے کہ ایک دَور ایسا تھا کہ مجلس کے شرکاء میں سن رسیدہ
افراد زیادہ ہوتے تھے بوڑھے لوگ زیادہ ہوتے تھے نوجوانوں اور جوانوں کو
دوسرے مراسمِ عزا سے زیادہ دلچسپی ہوتی تھی مثلاً سینہ زنی نوحہ خوانی اور اس
طرح کی باتیں مگر مجالس میں اور خصوصاً علماء کا بیان جس میں نہ کوئی نغمہ ہو نہ کوئی
لَے ہو تو یہ بوڑھے بنظرِ ثواب مجلسوں میں زیادہ تر شریک ہوتے تھے اور اور
افراد آتے بھی تھے تو دُور دُور بیٹھ جاتے تھے اور اس انتظار میں کہ بس ختم ہو اور
ہمارے مشغلہ کا وقت آئے لٰہذا اگر اتفاق وقت سے یہ منبر کے قریب ہو گئے
تو پھر مجلس ناکام ہو جائے گی کیونکہ وہ توجہ سے سُنیں گے ہی نہیں انہیں تو جلدی

ہوگی تو یہ تھا مگر اب مجھے وہاں بھی اور یہاں بھی یہ انقلاب آنکھوں سے بحمد اللہ نظر آرہا ہے کہ مجمع میں ماشاء اللہ نوجوان اور جوان اور تعلیم یافتہ افراد کثرت سے ہوتے ہیں اور اب میں کہتا ہوں کہ اب اگر ہم ان کے کام کی باتیں نہ کریں تو روزِ قیامت ہم سے باز پرس ہوگی تو اب اس طبقہ کے لئے میں عرض کرتا ہوں اور اُنہیں توجہ دلاتا ہوں تو غور فرمایئے کہ یہ تصوّر ان حقیقتوں پر جو مذہب کی ہیں کہ ہم سوچیں کیوں یہ کہاں تک خاص اس دَور کے تقاضے کے مطابق ہے۔ ہماری یونیورسٹیوں کے موضوع دیکھیے جن پر ریسرچ ہوتی ہے جن پر سندیں ملتی ہیں جن پر کامیابی کا دار و مدار ہوتا ہے فلاں سمندر کی گہرائی کتنی ہے جس میں ہمیں کبھی نہیں اُترنا ہے۔ یہ ہمارے امتحانوں کے سوالات ہوتے ہیں، فلاں پہاڑ کی بلندی کتنی ہے جس پر ہمیں کبھی نہیں چڑھنا ہے ملک روم میں اتنے ہزار برس قبل تہذیب کیا تھی جبکہ نہ وہ برس اب واپس آنے والا ہے نہ اس تہذیب سے ہمارا واسطہ کبھی پڑنے والا ہے۔ اہرامِ مصر سے متعلق یہ تحقیق کر لیجئے کہ وہاں کے پتھر کہاں کہاں سے آئے تھے اور اتنی اُونچائی پر کس طرح پہنچائے گئے تھے جس نے کسی نئی بات کو معلوم کر لیا تو وہ بہت بڑے محقق اور بہت بڑے انعام کے مستحق ہو گئے۔ یہ ہیں ہمارے علوم کے موضوعات۔ اس میں کبھی کوئی نہیں سوچتا کہ اس سے کیا فائدہ ہے۔ اس میں تو یہی نقطۂ نظر ہے کہ علم کا مقصد علم ہے فائدہ نہیں ہے اور اب یہ ملاحظہ کیجئے کہ اس پہاڑ کی بلندی کتنی ہے کہ جس پر ہمیں چڑھنا نہیں اس دریا کی گہرائی کتنی ہے جس میں ہمیں اُترنا نہیں، اُس برِّ اعظم کی پہنائی کتنی ہے جسے ہمیں کبھی طے نہیں کرنا یہ سب تو گویا کار آمد علوم ہیں۔

اور ہم یہ سوچیں کہ ہمارا خالق کون ہے تو یہ دقیانوسی بات ہوگئی اور کہا جائے کہ اس کے جاننے سے فائدہ کیا، اہرامِ مصر کا بنانے والا کون فرعون تھا وہ آپ کا علمی مسئلہ ہے اور اس کائنات کا خالق کون ہے یہ آپ کے نزدیک بیکار بات ہے اُس ملک کی پیداوار کیا کیا ہے جہاں ہمیں نہیں جانا ہے بظاہر اسباب مگر وہ سوال ہے کہ وہاں کیا کیا چیزیں پیدا ہوتی ہیں وہ ہمارے علم کا ایک مسئلہ ہے لیکن خود ہمارا انجام کار کیا ہوگا ہمیں آئندہ کہاں جانا ہے اور وہاں کے کیا ضروریات ہیں یہ ہم کہیں تو دنیا کہے کہ بیکار بات۔ تو یہ تو وہی بات ہوگی کہ خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد۔ اب یہاں ذرا تبدیلی کر دوں کہ جو چاہے آپ کی عقل کرشمہ ساز کرے۔ تو اب وہ سوال شروع کر رہا ہوں کہ دین ایک ہوتا تو مان بھی لیتے لیکن یہ اتنے دین ہیں اس جھمیلے میں کون پڑے تو میں عرض کرتا ہوں کہ اصل میں دین تو ایک ہی ہے۔ وہ آیت ہی یہی ہے اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ۔ میرے نزدیک دین تو ایک ہی ہے۔ جب میرے اللہ کے نزدیک ایک ہی ہے تو دین تو اصل میں ایک ہی ہے بنام دین بہت سے۔ اب جو نام اس کا پرانا لے لیجئے مذہب مسلک طریقے چاہے نیا نام رکھ لیجئے ازم۔ تو بنام دین بہت سے چل رہے ہیں اب اس کی وجہ سے آپ پریشان ہیں کہ اتنے دین ہیں۔ تو خواہ مخواہ اس جھگڑے میں کون پڑے اس کے لئے مجھے کچھ زیادہ عقلی بحث نہیں کرنی ہے صرف آپکی فطرت آپ کے عادات آپ کے دستور اس کو میں پیش کروں گا کہ جو صاحب بھی کہہ رہے ہیں اگر ان کا اصول یہ ہو کہ جب بھی راستہ میں چوراہہ پڑے تو وہ گھر واپس آجایا کریں پھر آگے نہ جائیں کہ ایک راستہ

ہوتا تو چلے بھی جاتے اب یہ اتنے راستے ہیں تو کیا کریں جاکر گھر ہی واپس آجائیں کہیں جانا ہوا اسٹیشن جائیں ادھر ادھر پلیٹ فارم پر دو گاڑیاں کھڑی ہوں تو فوراً اسٹیشن سے واپس آجائیں کہ ایک گاڑی ہوتی تو چلے بھی جاتے اب یہ دو گاڑیاں کھڑی ہیں تو کیا کریں جاکر۔ کوئی مقدمہ ہو عدالت میں۔ کہیئے شہر میں ایک وکیل ہوتا تو کر بھی لیتے یہ اتنے وکیل ہیں تو کون اس جھمیلے میں پڑے بلا سے ہار جائیں مگر اس جھگڑے میں نہیں پڑیں گے کوئی بیمار ہو تو کہیئے کہ ایک ڈاکٹر ہوتا تو علاج کر بھی لیتے اِتنے ڈاکٹر ہیں اور پھر اتنے ڈاکٹر ہی نہیں ہیں اتنے طریقے ہیں علاج کے تو اس جھگڑے میں کون پڑے لہٰذا مرَ جائیں علاج نہ کریں گے اور یہی تھوڑی اختلاف کِس چیز میں نہیں ہے۔ مَیں کہتا ہوں ضروریاتِ حیات ایک ہی غذا دُنیا میں ہوتی تو کھا بھی لیتے اب اتنی قسم کی غذائیں ہیں اور پھر جب کبھی مہمان ہوں تو مصیبت ہے تو اب کچھ بھی نہ کھائیں گے اس جھگڑے میں کون پڑے کہ کیا کھائیں اور پھر غذاؤں میں وہ چاہے آپ کے ملک میں نہ ہو آپ کے ہاں بھی عادتوں میں تو ہوگا ہی فرق لیکن ہمارے پاس کے ملک کو ہی لے لیجئے ایک وقت میں تو جز ہی تھا ایک دُوسرے کا یہ تو اب سیاہی کرتبوں نے حد بندی کر دی ہے تو جناب وہ غذائیں فقط غذاؤں کا فرق تھوڑی ہے طریقوں کا بھی فرق ہے کوئی سبزی خور کوئی گوشت خور تو اب ایک غذا سب کھاتے تو خیر کھا بھی لیتے اب جب کوئی سبزی کھا رہا ہے کوئی گوشت کھا رہا ہے تو ہم اچھے ہیں کہ ہوا ہی کھائیں گے اب کچھ بھی نہیں کھائیں گے لباس ایک ہی طرح کا ہوتا تو پہن بھی لیتے وہ جناب مصیبت ہے کوئی،

وہ تنگ موری والا پہنے ہے کوئی وہ ڈھیلی شلوار پہنے ہے کوئی کچھ پہنے ہے لہٰذا کون اس جھمیلے میں پھنسے تو اگر کوئی اپنے تمام نظام حیات میں اس کا پابند ہو تو میں اُسے کتنا ہی غیر معتدل ذہن والا سمجھوں مگر مذہب میں بھی معاف کر دوں گا کہ بھئی اس کا طریقہ ہی یہی ہے یہ غیر متوازن انسان ہے تو اب یہ سوچ کر کہ مذہب اتنے ہیں میں کیا کروں اس نے سب کو چھوڑ دیا ہے تو اس بے چارے نے تو لباس بھی چھوڑ دیا ہے اس بے چارے نے تو کھانا بھی چھوڑ دیا ہے اور وہ رہے ہی گا کیوں جو میں اس پر کوئی فتویٰ لگاؤں وہ تو چند ہی دن میں بس ختم ہو جائے گا کیونکہ تمام ضروریاتِ حیات اس نے چھوڑ دیئے اس لئے کہ وہ ایک طریقہ نہیں بہت سے طریقے ہیں تو معلوم ہوا کہ یہ کوئی بھی عقل کے مطابق نہیں سمجھتا۔ جب عقل کے مطابق نہیں سمجھتا تو کرتا کیا ہے جہاں صرف عادتوں کا فرق ہے وہاں فقط اپنے ذوق کو دیکھتا ہے ارے بہت سے کھانے ہیں ہوا کریں میں دیکھوں مجھے کیا پسند ہے اور جہاں مسلک کا فرق ہے وہاں تو بہر حال اپنے ذہن سے سمجھنے کی کوشش کریگا کہ سبزی کھانا اچھا ہے یا گوشت کھانا بہتر ہے گوشت خوری پر جو جو اعتراضات ہیں انہیں جانچے گا کہ یہ اعتراضات درست ہیں یا نہیں ہیں اور وہاں اسٹیشن پر جائے گا دو گاڑیاں کھڑی ہیں تو جو واقفانِ راہ ہیں اُن سے پُوچھے گا جو ریلوے کے کارگزار ہیں ان سے دریافت کریگا۔ ان سے پُوچھنے پر اگر غلطی ہو جائے تو قسمت کی بات ہے پھر یہ موردِ الزام نہ بنے گا، لیکن اگر پُوچھا ہی نہ ہو اندھا دھند سوار ہو گیا یا بے پُوچھے گھر واپس آ گیا تو ہر صاحبِ عقل اُسے دیوانہ سمجھے گا۔ مریض ہے تو تحقیق کرے لوگوں سے جنہوں نے علاج کئے ہیں کہ کون ڈاکٹر

ایسا ہے کہ جس کے علاج سے زیادہ فائدہ ہوتا ہے یہ بہرحال کچھ نہ کچھ ہر شعبہ میں تحقیق کرے گا تو پھر سب جگہ یہی اصول ہے تو یہ دین بہت سے ہیں تو اس کی وجہ سے وہ دین حق کے اختیار کرنے کی ذمہ داری سے تو نہیں بچے گا لہٰذا اس کا فریضہ یہ ہے کہ بہت سے دین ہیں تو اس میں تحقیق کرے اللہ نے عقل اسی لئے دی ہے وہ سوچنا اسی کی خاطر ہے اگر دین بہت سے نہ ہوتے تو بھی پھر آگے سوچنے کی ضرورت نہ ہوتی جیسے شروع میں اصل ضرورت دین کے لئے سوچنے کی ضرورت ویسے ہی اب انتخاب دین کے لئے سوچنے کی ضرورت اور عقل سوچنے کی خاطر دی ہے اب عقل جن افراد کی طرف بتائے کہ ان سے پوچھو تو پتہ چلے گا ان افراد کی طرف رجوع کرنا وہ عقل کے فیصلہ سے ہے مثلاً کوئی بیمار ہوا اور عقل نے کہا کہ کسی حکیم کا علاج کرو ڈاکٹر کا علاج کرو اب ڈاکٹر کے پاس گیا ڈاکٹر نے نسخہ لکھا تو اس کے پاس عقل ہی کے کہنے سے تو آیا تھا اب اس کے نسخے میں چون وچرا کرنا بے عقلی ہوگی ویسے عقل اگر کسی رہنما کے ہاتھ میں ہاتھ دے دے کہ یہ سچا رہنما ہے اس کے پیچھے چلو تو اب اس رہنما کے ہدایات میں ہر منزل پر عقل سے کام لینا یہ خود عقل کے تقاضے کے خلاف ہے تحقیق اتنی ضروری چیز ہے کہ اصولِ دین میں تقلید حرام ہے یعنی دین کو اس لئے اختیار کرنا کہ ہم اسی مذہب والوں کے ہاں پیدا ہوئے ہیں یہ اللہ کے ہاں بری الذمہ نہیں بنائے گا دین کو اس لئے اختیار کرنا کہ ہمارے ماں باپ نے ہمیں یہی بتایا ہے یہ دیندار نہیں بنائے گا دین کے معاملے میں خود سمجھنے کی ضرورت ہے۔ کہ یہ حق ہے تحقیق واجب ہے تقلید حرام ہے اصولِ دین میں۔ اسلام نے یہ

نہیں کہا کہ قرآن کو مانتے کیوں نہیں۔ اس نے شکایت یہ کی کہ افلا یتدبرون القرآن
ام علی قلوب اقفالہا۔ ارے یہ قرآن میں غور کیوں نہیں کرتے ہاں وہ دوسرے
مذاہب ہیں مجھے معلوم ہے جنہوں نے اپنے پیروؤں سے کہا ہے کہ خبردار غور
نہ کرنا خبردار عقل سے کام نہ لینا مجھے یہ جملے یاد ہیں ایک رہنمائے مذہب کے
بنامِ مذہب جو تحریکیں چلی ہیں کہ اندھے بنو تو میرا جلوہ دیکھو، بہرے بنو تو میری
آواز سُنو تو یہ کوئی کہے اسلام کو تو شکایت یہ ہے کہ آنکھیں ہیں اور دیکھتے نہیں،
کان ہیں اور سُنتے نہیں، عقلیں ہیں اور غور نہیں کرتے۔ افلا یتدبرون القرآن
یہ قرآن میں غور کیوں نہیں کرتے کیا ان کے دلوں پر قفل لگے ہوئے ہیں اور
دلوں پر کیا مطلب یہ وہ دل نہیں ہے جو ڈاکٹری میں فیل ہو جاتا ہے۔ قرآنی
اصطلاح میں دل ذریعہ شعور کا نام ہے ذریعہ تعقل کا نام ہے تو وہ ان کے
پاس طاقتیں ہیں سمجھنے کی اور پھر بھی عقل سے کام نہیں لیتے سوچتے نہیں ہیں
اور اسلام کی راہ میں تقلید آباؤ اجداد سنگِ گراں بنی ہوئی تھی وہ لوگ یہی عذر
کرتے تھے کہتے تھے انّا وجدنا آباءَنا علی امۃ وانا علی آثارھم
مقتدون۔ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک راستہ پر چلتے دیکھا ہے، لہٰذا
ہم بھی اسی راستہ پر چلے جائیں گے یہی وہ عذر پیش کرتے تھے اس کے جواب
میں قرآن نے کیا کہا ہے کہا ہے اَوَلو کان آباؤھم لایعقلون شیئًا
ولا یھتدون۔ گویا خود ان کے خوابیدہ ضمیر کو بیدار کر کے یہ سوال کیا ہے
کہ کیا اپنے بزرگوں کے آباء و اجداد کے راستے پر چلے جاؤ گے چاہے اُنہوں نے
خود عقل سے کام نہ لیا ہو مطلب یہ کہ آباء و اجداد کا کہنا ضمانت نہیں ہے۔

مطابق عقل ہونے کی۔ ہو سکتا ہے کہ اللہ نے ان کو عقل دی ہو اور انہوں نے سوچا نہ ہو لہٰذا تمکو خود کا ہے کے لئے عقل دی ہے تم کو خود سوچنا چاہیئے کہ تمہارے آباؤ اجداد صحیح راستے پر تھے یا غلط راستہ پر تھے اور چونکہ دعوت دین تحقیق کی متقاضی ہے لہٰذا قرآن مجید نے اپنے ماننے والوں کے لئے اپنی جماعت کے لئے یہ نہیں کہا کہ اِدھر اُدھر کی صدائیں نہ سُنو یہ جنہیں کمزوری محسوس ہوتی ہے وہ ہدایت کرتے ہیں کہ دُوسرے کے مجمع میں نہ جاؤ، دُوسروں کی باتیں نہ سُنو۔ قرآن مجید کی آیت پڑھ رہا ہوں مدح کر رہا ہے صاحبانِ ایمان کی الذین یستمعون القول فیتبعون صنعًا۔ اہلِ ایمان کی یہ شان ہے کہ ہر ایک کی بات کو توجہ سے سُنتے ہیں یسمعون کے معنی ہیں سُنتے ہیں اور یستمعون کے معنی ہیں توجہ سے سُنتے ہیں الذین یستمعون القول وہ ہر ایک کی بات کو توجہ سے سُنتے ہیں پھر اس میں جو بہتر ہوتا ہے اُسے اختیار کرتے ہیں تو حضور والا دین آپ سے اس کا متقاضی نہیں ہے کہ بے سمجھے مان لیجئے اس لئے کہ راستے الگ الگ ہیں بنامِ دین اسی لئے تحقیق واجب ہے اسی لئے تقلید حرام ہے اسی لئے سوچنے اور سمجھنے کی طاقتوں کو بروئے کار لانے کی ضرورت ہے اور انبیاء و مرسلین آئے ہیں اسی لئے وہ شریعت میں تو احکام بتانے آئے ہیں اور اُصولِ دین میں عقل کے چھپے ہوئے فیصلوں کو سامنے لانے کے لئے آئے ہیں۔ چھپے ہوئے کیا مطلب یعنی عقل کے وہ بے لوث فیصلے جس پر روایات کی خاکستر جم گئی ہے جس پر تقلید آباؤ اجداد کا انبار لگ گیا ہے اس کو اُبھار کر سامنے لانے کے لئے۔ ایک جُملہ میں اس حقیقت کو حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب نے

ظاہر فرمایا ہے بڑا بلیغ جملہ ہے انبیاء و مرسلین کا مقصد بعثت کیا ہوتا ہے حضرت نے اُسے نہج البلاغہ میں ارشاد فرمایا ہے لیصیروا دفائن العقول ۔ دفینہ کون ہوتا ہے جو اُوپر سے نہیں دکھائی دیتا اس پر مٹّی کے انبار ہوتے ہیں لیکن جب کھودا جاتا ہے تو برآمد ہوتا ہے تو یہی لفظ امیر المومنین نے اپنے اس معیار بلاغت پر جو تحت کلام الخالق اور فوق کلام المخلوق ہے ۔اس کو پیش فرمایا ہے ارشاد فرماتے ہیں کہ انبیاء و مرسلین اس لئے آئے ہیں کہ دُنیا کے لئے عقل کے دفینوں کو برآمد کریں یہاں نہج البلاغہ کا ایک جُملہ مَیں نے پڑھا ہے اور میں نے عرض کیا کہ تحت کلام الخالق اور فوق کلام المخلوق یہاں پر مجھے ایک واقعہ یاد آگیا جناب سید ھبۃ الدین شہرستانی ان کا قیام کاظمین میں تھا اور وہ بہرحال علوم دُنیا میں بھی عالم کا درجہ رکھتے تھے، مگر اس کے علاوہ اُنہوں نے جدید ریاضی اور جدید فلسفہ ان سب پر معلومات حاصل فرما کر ایک کتاب الھیئۃ والاسلام لکھی جس کا ترجمہ مولانا محمد ہارون صاحب مرحوم نے اس دور میں البدر التمام کیا تھا اور جو آپ ہی کے ہاں اب اس وقت کے لحاظ سے آپ ہی کے ہاں یعنی پنجاب ہی میں البرہاں سے شائع ہوئی تھی البدر التمام . تو وہ بڑے جامع العلوم و فنون آدمی تھے ۔ اور حکومتِ عراق میں وزیر معارف بھی رہے تھے اب چونکہ وزیر معارف تھے تو جو مستشرقین آتے تھے باہر سے وہ ان سے ملاقات کے لئے آیا کرتے تھے تو ایک بڑا مستشرق آیا اُنہوں نے یہ واقعہ مجھ سے بیان کیا فرمایا تھا کہ ایک مستشرق آیا اور وہ ان کی ملاقات کو آیا ۔ عراق و ایران میں جو کوئی آتا ہے تو اسکو دید کہتے ہیں پھر جاتے ہیں تو باز دید اُسے کہا جاتا ہے۔

وہاں اصول یہ ہے کہ جو مسافر ہو اس کی دید کو لوگ آئیں اور وہ باز دید کے لئے جائے اَلْقَادِمُ یُزَارُ وَلَا یَزُوْرُ جو کہیں وارد ہوا ہو اس کے پاس لوگ آئیں پہلے۔ وہ پہلے نہیں جائے گا مگر آپ کو معلوم ہے کہ انگریزی تہذیب یہ ہے کہ جو آتا ہے وہی دید کرے اور پھر اس کی باز دید ہو غرض وہ اپنے طریقہ پر پہلے آیا اور یہ باز دید کے لئے اس کے ہاں تشریف لے گئے تو اس نے کہا میرا کتب خانہ چل کر دیکھئے عیسائی مستشرق تھا انہوں نے جا کے اس کا کتب خانہ دیکھتے دیکھتے دیکھا کہ ایک جگہ بہت جلی حروف میں سنہری حروف کے ساتھ نہج البلاغہ لکھا ہوا ہے تو انہوں نے اس سے کہا کہ یہ بھی آپ کے ہاں ہے نہج البلاغہ بھی ہے خوش ہو کر۔ اُسے جیسے جوش آ گیا اس نے کہا جی ہاں یہ میرے ہاں نہ ہوتی اس کے بعد اس نے یہ کہا کہ یہ تو ایسے دَور میں پیدا ہوئے تھے کہ جب لوگ ان کی بات سمجھنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے تھے اگر اس دَور میں ہوتے اور مسجد کوفہ میں خطبہ پڑھتے ہوتے تو کان یموج المسجد بشبقات۔ شبقیہ کہتے ہیں ہیٹ کو انگریزی ٹوپی تو اس کا مطلب یہ تھا کہ پھر زیرِ منبر یہ عمامے تھوڑی ہوتے ہیٹ ہی ہیٹ ہوتے یعنی دُنیا بھر کے پروفیسر تمام دُنیا کے اساتذہ علما وہ سب ان کے زیرِ منبر ہوتے فرماتے تھے کہ اس پر تو میں خوش ہوا اس نے تعریف کی مجھ میں بالیدگی پیدا ہوئی مگر اب اس نے ایک بات ایسی کہدی جو مجھ کو بہت بار ہو گئی اور اب مجھ پر ذمہ داری ہو گئی اس پر کچھ کہنے کی اس نے کہا یہ آپ لوگ مسلمان جو تھے آپ لوگوں نے قرآن مجید کو بطور معجزہ پیش کیا قرآن میں ہے یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

امام کے پاس آیا ہے اور امام سے پُوچھتا ہے کہ مجھ کو اللہ کا وجود سمجھا دیجئے تو اب اس کے سامنے گہری باتیں پیش کی جائیں تو وہ بے چارہ بجائے سمجھنے کے سمجھنے سے توبہ کر لے گا وہ پھر اُسی نقطہ پر آجائے گا کہ کون اس جھیلے میں پڑے لہٰذا اب وہ صحرائی عرب ہے اور اس کی زندگی اسی میں گزر رہی ہے تو جو اسکی زندگی ہے اسی کے ماحول سے دلیل۔ ان میں بعض علوم بھی تھے جواب نہیں ہیں حالانکہ دور جاہلیت تھا مگر بعض اُس وقت کے علوم اِس وقت اس نقطہ پر نہیں مثلاً فنِ قیافہ، آج کل لوگ قیافہ سمجھتے ہیں ناک نقشے سے کچھ سمجھنا۔ ذہین ہے یا کُند ذہن ہے اب ایک ہو گیا ہے۔ ہاتھ دیکھنا، اس سے حکم لگائے جاتے ہیں وہاں قیافہ۔ نقشِ قدم کو دیکھ کے یہ بتا دیتے تھے کہ یہ کس قبیلے کا آدمی ہے کس عمر کا آدمی ہے کس سِن کا آدمی ہے۔ جو کسی شے سے ناواقف ہو وہ پھر سمجھ ہی نہیں سکتا کہ یہ کیونکر ہو سکتا ہے مگر یہ ہوتا تھا اور ہماری تاریخ اسلام میں ہوا ہے شبِ ہجرت جب پیغمبرؐ تشریف لے گئے ہیں تو اُنہوں نے قیافہ شناسوں کے خدمات حاصل کئے تھے اب اس پُورے واقعہ کو تو عرض نہیں کرتا کچھ عرض کر چکا ہوں کسی مجلس میں کہ رات بھر تو پھنسے رہے اُلجھن میں سمجھتے رہے کہ رسُولؐ ہیں اب صبح کو جب راز کھُلا تو چلے تعاقب کے لئے کہ جلدی چلو معلوم نہیں کہ کِدھر گئے ہیں تو قیافہ شناسوں کے خدمات حاصل کئے ان کو اپنے ساتھ لے کر چلے اور انہوں نے خانۂ پیغمبرؐ خدا سے نقشِ قدم دیکھنا شروع کئے اور صحیح رہنمائی کرتے رہے کہ یہاں تک گئے یہاں تک گئے اِدھر گئے اُدھر گئے بالکل صحیح لے جا کر ایک منزل پر اُنہوں نے کہہ دیا کہ اب رسُولؐ تنہا نہیں ہیں کوئی ہمراہ بھی ہے

وہاں اصُول یہ ہے کہ جومسافر ہواس کی دید کو لوگ آئیں اور وہ باز دید کے
لئے جائے اَلْقَادِمُ یُزَارُ وَلَا یَزُوْرُ جو کہیں وارد ہوا ہواس کے پاس لوگ
آئیں پہلے۔ وہ پہلے نہیں جائے گا مگر آپ کو معلوم ہے کہ انگریزی تہذیب یہ
ہے کہ جو آتا ہے وہی دید کرے اور پھر اس کی باز دید ہو غرض وہ اپنے طریقہ
پر پہلے آیا اور یہ باز دید کے لئے اس کے ہاں تشریف لے گئے تو اس نے
کہا میرا کتب خانہ چل کر دیکھئے عیسائی مُستشرق تھا انہوں نے جا کے اس کا
کتُب خانہ دیکھتے دیکھتے دیکھا کہ ایک جگہ بہت جلی حروف میں سُنہری حروف
کے ساتھ نہج البلاغہ لکھا ہوا ہے تو اُنہوں نے اس سے کہا کہ یہ بھی آپ کے ہاں
ہے نہج البلاغہ بھی ہے خوش ہو کر۔ اُسے جیسے جوش آگیا اس نے کہا جی ہاں
یہ میرے ہاں نہ ہوتی اس کے بعد اس نے یہ کہا کہ یہ تو ایسے دَور میں پیدا
ہوئے تھے کہ جب لوگ ان کی بات سمجھنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے تھے
اگر اس دَور میں ہوتے اور مسجد کوفہ میں خطبہ پڑھتے ہوتے تو کان یموج
المسجد بشبقات. شبقیہ کہتے ہیں ہیٹ کو انگریزی ٹوپی تو اس کا مطلب یہ
تھا کہ پھر زیر منبر یہ عمامے تھوڑی ہوتے ہیٹ ہی ہیٹ ہوتے یعنی دُنیا بھر
کے پروفیسر تمام دُنیا کے اساتذہ علما وہ سب ان کے زیر منبر ہوتے فرماتے
تھے کہ اس پر تو میں خوش ہوا اس نے تعریف کی مجھ میں بالیدگی پیدا ہوئی مگر
اب اس نے ایک بات ایسی کہدی جو مجھ کو بہت بار ہوگئی اور اب مجھ پر
ذمہ داری ہوگئی اس پر کچھ کہنے کی اس نے کہا یہ آپ لوگ مسلمان جو تھے آپ
لوگوں نے قرآن مجید کو لطور معجزہ پیش کیا قرآن میں ہے یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا

امام کے پاس آیا ہے اور امام سے پُوچھتا ہے کہ مجھ کو اللہ کا وجود سمجھا دیجئے تو اب اس کے سامنے گہری باتیں پیش کی جائیں تو وہ بے چارہ بجائے سمجھنے کے سمجھنے سے توبہ کرلے گا وہ پھر اُسی نقطہ پر آجائے گا کہ کون اس جھمیلے میں پڑے لہٰذا اب وہ صحرائی عرب ہے اور اس کی زندگی اسی میں گزر رہی ہے تو جو اسکی زندگی ہے اسی کے ماحول سے دلیل۔ ان میں بعض علوم بھی تھے جواب نہیں ہیں حالانکہ دور جاہلیت تھا مگر بعض اُس وقت کے علوم اِس وقت اس نقطہ پر نہیں مثلاً فنِ قیافہ، آج کل لوگ قیافہ سمجھتے ہیں ناک نقشے سے کچھ سمجھنا۔ ذہین ہے یا کُند ذہن ہے اب ایک ہو گیا ہے۔ ہاتھ دیکھنا، اس سے حکم لگائے جاتے ہیں وہاں قیافہ نقشِ قدم کو دیکھ کے یہ بتا دیتے تھے کہ یہ کس قبیلے کا آدمی ہے کس عمر کا آدمی ہے کس سن کا آدمی ہے۔ جو کسی شے سے ناواقف ہو وہ پھر سمجھ ہی نہیں سکتا کہ یہ کیونکر ہو سکتا ہے مگر یہ ہوتا تھا اور ہماری تاریخ اسلام میں ہوا ہے شبِ ہجرت جب پیغمبرؐ تشریف لے گئے ہیں تو اُنہوں نے قیافہ شناسوں کے خدمات حاصل کئے تھے اب اس پُورے واقعہ کو تو عرض نہیں کرتا کچھ عرض کر چکا ہوں کسی مجلس میں کہ رات بھر تو پھنسے رہے اُلجھن میں سمجھتے رہے کہ رسُولؐ ہیں اب صبح کو جب راز کھُلا تو چلے تعاقب کے لئے کہ جلدی چلو معلوم نہیں کہ کدھر گئے ہیں تو قیافہ شناسوں کے خدمات حاصل کیئے ان کو اپنے ساتھ لے کر چلے اور اُنہوں نے خانۂ پیغمبرؐ خدا سے نقشِ قدم دیکھنا شروع کیئے اور صحیح رہنمائی کرتے رہے کہ یہاں تک گئے یہاں تک گئے اِدھر گئے اُدھر گئے بالکل صحیح لے جاکر ایک منزل پر اُنہوں نے کہہ دیا کہ اب رسُولؐ تنہا نہیں ہیں کوئی ہمراہ بھی ہے

مجھے اسوقت کوئی تبصرہ اس پر نہیں کرنا اور میری عادت بھی نہیں ہے کہ ایسی باتوں پر تبصرہ کروں تو جناب وہ دیکھتے ہوئے نقشِ قدم چلے گئے غار کے دروازے تک اور بالکل صیحح حکم لگا دیا کہ یہاں سے آگے نہیں گئے ہیں۔ دیکھا آپ نے ان کے فن کا کمال تو یہ بھتی ان کی زندگی تو جنابِ والا یہ ہے ان کا ماحول یہ ہیں ان کے علوم تو اب امام اس سے دلیل وجود خدا کی فرماتے ہیں ارشاد فرماتے ہیں البعرۃ تدل علی البعیر والروثۃ تدل علی الحمیر وآثار القدم تدل علی المسیر فرماتے ہیں ارے بھئی جس قسم کا جانور گیا ہو جانور تو تمہارے سامنے نہیں ہے لیکن اگر راستے میں مینگنیاں کسی جانور کی مل جاتی ہیں تو سمجھ لیتے ہو کہ وہ جانور گیا ہے آثار القدم تدل علی المسیر نقش قدم خبر دیتا ہے کہ ادھر سے کون گیا ہے اب اسکو میں علمی زبان میں کہتا ہوں تم روز اثر سے مؤثر کا پتہ لگایا کرتے ہو مگر یہ اثر اور موثر کہا جاتا تو وہ نہ سمجھتا فرمایا کہ وہ مینگنیاں اس جانور کا پتہ دیتی ہیں وہ نقش قدم راستہ چلنے والے کا پتہ دیتے ہیں تو یہ اتنا بڑا آسمان اتنی بڑی زمین اپنے بنانے والے کا پتہ کیوں نہیں دیں گے سطحی ذہن کا آدمی تھا اسکو اس طرح سمجھایا اور ہمارے دوسرے آئمہ نے اسی سطح زمین کی مثال دے کر فرمایا علیکم بدین العجائز تمہارا فریضہ اتنا ہی دین ہے جتنا بڑھیوں کا بھی ہو سکتا ہے بڑھیا عورتیں جاہل ظاہر ہے جن کے مرد ایسے جاہل ہوں ان کی خواتین کیسی ہونگی مگر وہ بھی اپنے لئے دلیل رکھتی ہیں ایک بڑھیا سے پوچھا گیا کہ اللہ کو تونے کیسے پہچانا اس نے کہا اپنے اس چرخہ سے میں جب تک اس چرخے کو چلاتی ہوں چلتا ہے جب ہاتھ روک دیتی ہوں رُک جاتا ہے تو ایک چرخہ بغیر کسی کے

ہو جاتی ہیں، علم ہو جاتا ہے ورنہ اصول علم ہمیشہ سے ہوتے ہیں۔ اب ایک آیا ماہرِ نفسیات اس نے پوچھا کہ اللہ کے وجود کی کیا دلیل ہے آپ نے فرمایا بس میرے کچھ سوالوں کا جواب دے دو۔ کبھی سمندر کا سفر تم نے کیا ہے اس نے کہا کہ جی ہاں کیا ہے سفر آپ نے فرمایا کبھی ایسا بھی ہُوا ہے کہ دریا میں طوفان آیا ہو کہا جی ہاں ایسا بھی ہوا کہا کبھی ایسا بھی ہوا کہ کشتی شکستہ ہو گئی ہو تختے الگ ہو گئے ہوں اس نے کہا کہ جی ہاں ایک دفعہ تو ایسا بھی ہوا آپ نے فرمایا کہ پھر تختے پر تم بیٹھے ہوئے چلے اب نہ کوئی ساحل ہے نہ سامنے کوئی دوسری کشتی ہے کوئی نہیں ہے سامنے کہا جی ایسا بھی ہوا ہے۔ آپ نے کہا بس سچ سچ بتاؤ اس وقت بھی دل کہتا تھا کہ اب بھی بچ سکتا ہوں اس نے کہا ہاں کچھ تو تھی کرن اُمید کی آپ نے فرمایا بس جو اس وقت بھی سہارا دیتا ہے اسی کو خدا کہتے ہیں۔ بس ایک جملہ کہہ کے آگے بڑھوں آپ نے دیکھا امام۔ آپ نے دیکھا رہنما۔ ایک سوال کیا ہر ایک نے جیسا اس کا ذہن ہے اس کے معیار ذہن کے مطابق جواب۔ مَیں کہتا ہوں کہ بس یہی بات قرآن سے نہیں ہو سکتی۔ بتا دیا کہ دلیل مختلف ذہن کے لحاظ سے مختلف ہوتی ہے تو میں کہتا ہوں کہ اب اگر کچھ شخصیتیں ہوں، جو دلیل وجود باری ہیں تو ان شخصیتوں کا ذکر عبادۃ نہ ہوگا ارے اب ایک شخصیت جو بحمد اللہ باوجود اختلاف فرقہ تمام مسلمانوں میں سرِ تسلیم خم کرانے کے لئے کافی ہے وہ ہستی اس کے لئے قرآن کی مثال پیش کردوں سورہ جمعہ ماشاء اللہ یہاں نماز جمعہ مختلف مقامات پر ہوتی ہوگی اور حضرات شرکت کرتے ہوں گے سورہ جمعہ میں تقریباً دوسری آیت ہے۔ ھوالذی بعث فی الامیین رسولاً

مجھے اسوقت کوئی تبصرہ اس پر نہیں کرنا اور میری عادت بھی نہیں ہے کہ ایسی باتوں پر تبصرہ کروں تو جناب وہ دیکھتے ہوئے نقشِ قدم چلے گئے غار کے دروازے تک اور بالکل صحیح حکم لگا دیا کہ یہاں سے آگے نہیں گئے ہیں۔ دیکھا آپ نے ان کے فن کا کمال تو یہ تھی ان کی زندگی تو جنابِ والا یہ ہے ان کا ماحول یہ ہیں ان کے علوم تو اب امام اس سے دلیل وجود خدا کی فرماتے ہیں ارشاد فرماتے ہیں البعرۃ تدل علی البعیر والروثۃ تدل علی الحمیر وآثار القدم تدل علی المسیر فرماتے ہیں ارے بھئی جس قسم کا جانور گیا ہو جانور تو تمہارے سامنے نہیں ہے لیکن اگر راستے میں مینگنیاں کسی جانور کی مل جاتی ہیں تو سمجھ لیتے ہو کہ وہ جانور گیا ہے آثار القدم تدل علی المسیر نقش قدم خبر دیتا ہے کہ ادھر سے کون گیا ہے اب اسکو میں علمی زبان میں کہتا ہوں تم روز اثر سے مؤثر کا پتہ لگایا کرتے ہو مگر یہ اثر اور مؤثر کہا جاتا تو وہ نہ سمجھتا فرمایا کہ وہ مینگنیاں اس جانور کا پتہ دیتی ہیں وہ نقش قدم راستہ چلنے والے کا پتہ دیتے ہیں تو یہ اتنا بڑا آسمان اتنی بڑی زمین اپنے بنانے والے کا پتہ کیوں نہیں دیں گے سطحی ذہن کا آدمی تھا اسکو اس طرح سمجھایا اور ہمارے دوسرے آئمہ نے اسی سطح زمین کی مثال دے کر فرمایا علیکم بدین العجائز تمہارا فریضہ اتنا ہی دین ہے جتنا بڑھیوں کا بھی ہو سکتا ہے بڑھیا عورتیں جاہل ظاہر ہے جن کے مرد ایسے جاہل ہوں ان کی خواتین کیسی ہونگی مگر وہ بھی اپنے لئے دلیل رکھتی ہیں ایک بڑھیا سے پوچھا گیا کہ اللہ کو تونے کیسے پہچانا اس نے کہا اپنے اس چرخہ سے میں جب تک اس چرخے کو چلاتی ہوں چلتا ہے جب ہاتھ روک دیتی ہوں رُک جاتا ہے تو ایک چرخہ بغیر کسی کے

ہو جاتی ہیں، علم ہو جاتا ہے ورنہ اصول علم ہمیشہ سے ہوتے ہیں۔ اب ایک آیا ماہرِ نفسیات اس نے پُوچھا کہ اللہ کے وجود کی کیا دلیل ہے آپ نے فرمایا بس میرے کچھ سوالوں کا جواب دے دو۔ کبھی سمندر کا سفر تم نے کیا ہے اس نے کہا کہ جی ہاں کیا ہے سفر آپ نے فرمایا کبھی ایسا بھی ہُوا ہے کہ دریا میں طوفان آیا ہو کہا جی ہاں ایسا بھی ہوا کہا کبھی ایسا بھی ہوا کہ کشتی شکستہ ہو گئی ہو تختے الگ ہو گئے ہوں اس نے کہا کہ جی ہاں ایک دفعہ تو ایسا بھی ہوا آپ نے فرمایا کہ پھر تختے پر تم بیٹھے ہوئے چلے اب نہ کوئی ساحل ہے نہ سامنے کوئی دُوسری کشتی ہے کوئی نہیں ہے سامنے کہا جی ایسا بھی ہوا ہے۔ آپ نے کہا بس سچ سچ بتاؤ اس وقت بھی دل کہتا تھا کہ اب بھی بچ سکتا ہوں اس نے کہا ہاں کچھ تو تھی کرن اُمید کی آپ نے فرمایا بس جو اس وقت بھی سہارا دیتا ہے اسی کو خدا کہتے ہیں۔ بس ایک جُملہ کہہ کے آگے بڑھوں آپ نے دیکھا امام۔ آپ نے دیکھا رہنما۔ ایک سوال کیا ہر ایک نے جیسا اس کا ذہن ہے اس کے معیار ذہن کے مطابق جواب۔ میں کہتا ہوں کہ بس یہی بات قرآن سے نہیں ہو سکتی۔ بتا دیا کہ دلیل مختلف ذہن کے لحاظ سے مختلف ہوتی ہے تو میں کہتا ہوں کہ اب اگر کچھ شخصیتیں ہوں، جو دلیل وجود باری ہیں تو ان شخصیتوں کا ذکر عبادۃ نہ ہو گا ارے اب ایک شخصیت ہو۔ بحمد اللہ باوجود اختلاف فرقہ تمام مسلمانوں میں سرِ تسلیم خم کرانے کے لئے کافی ہے وہ ہستی، اس کے لئے قرآن کی مثال پیش کر دوں سورہ جمعہ ماشاءاللہ یہاں نماز جُمعہ مختلف مقامات پر ہوتی ہوگی اور حضرات شرکت کرتے ہوں گے سُورہ جُمعہ میں تقریباً دوسری آیت ہے۔ ھوالذی بعث فی الامیین رسولاً

منہم ذرا آیت کا محل دیکھئے سورہ شروع ہوا ہے اللہ کے تعارف سے۔ یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الاَرضِ مَلِکِ القُدُّوسِ العَزِیزِ الحَکِیمِ۔ اللہ کی تسبیح کرتی ہے ہر شے جو آسمان پر ہے اور زمین پہ ہے کون جو سلطنت کا حقیقی مالک کون اللہ جو تمام نقائص و عیوب سے بری کون اللہ جو عزت و حکمت کا مالک اب اس سلسلہ میں ارشاد ہو رہا ہے کہ وہ وہ ہے جس نے اُمیّین میں ایسا رسُول بھیجا اس کے معنی یہ ہیں کہ رسُول کا تعارف نہیں کرایا جا رہا ہے کہ یہ وہ رسُول ہے جسے اللہ نے بھیجا اللہ کا تعارف کرایا جا رہا ہے کہ اللہ وہ ہے جس نے ایسا رسُول بھیجا یہ وہ تھیں کہ جن کی پہلی کڑی یہ ہے کہ ان کا وجود دلیل وجود خالق تھا انہیں دیکھ کر خالق کی ہستی کا پتہ چلتا تھا۔ شاعرِ انقلاب جوشؔ ملیح آبادی وہ چاہے ہوائے سیاست ان کے خلاف ہی ہو لیکن یہ کہ متعارف تو ان سے سبھی ہیں سب جانتے ہیں اور وہ مشہور بھی ہیں۔ ان کا کلام بہت سا ایسا ہے جس میں انکار خدا ہے میرے سامنے ایسے جملے اُنہوں نے کہے ہیں کہ جس کی وجہ سے میں انہیں مسلمان سمجھتا ہوں مجھے اُنہوں نے اپنے مسلمان ہونے کا گواہ بنا لیا ہے، لیکن یہ کہ ہے کلام ان کا بہت سا ایسا۔ اس میں مضحکہ ہے تمسخر ہے گستاخیاں ہیں سب کچھ ہے بحیثیت منکرِ خدا وہ مشہور و معروف ہیں بہت سوں کو ان کا وہ کلام حفظ ہو گا مگر اب اس سلسلے کی ایک فردِ کے لئے وہ کیا کہتے ہیں۔ وہ ان کا معرکۃ الآرا مسدس حسین اور انقلاب دیکھئے تو وہ اسمیں کیا کہہ رہے ہیں ہاں وہ حسین جس کا ابد آشنا ثبات کہتا ہے گاہ گاہ حکیموں سے بھی یہ بات۔ وہ ثبات قدم ہم حکیموں سے بھی یہ بات کہتا ہے۔ یعنی در دن

حسین کی دعائیں لینی ہیں تو نماز کو نہ بھولئے کیا کہنا اس نماز کا۔ ادھر نماز ہو رہی ہے ادھر دو جاں نثار سامنے کھڑے ہیں جو تیر آتا ہے اپنے اوپر رد کرتے ہیں ادھر نماز ہو رہی ہے اُدھر تیر کھائے جا رہے ہیں۔ یوں تو کربلا کا پورا جہاد شریعت کی خاطر ہوا ہے مگر یہ دو قربانیاں ہیں جو بلا شائبہ مجاز نماز کی خاطر ہوئی ہیں اب جس نماز پر حسین اپنے ایسے دو جاں نثاروں کو قربان کر دیں اس نماز کو ہم اپنے عمل سے پامال کر دیں تو حسین ہمکو اپنا ماتم دار، اپنا عزادار سمجھ سکتے ہیں صورتِ واقعہ یہ بتاتی ہے کہ اثنائے نماز ہی میں تیر اتنے کھالئے۔ کھڑے ہونے کی طاقت نہ تھی مگر میں تو یہ کہتا ہوں کہ یہ طے کر کے کھڑے ہوئے تھے کہ مولا نماز پڑھ لیں۔ تو جب تک امام نے سلام نہیں پھیرا سعید زمین پر نہیں گرے ادھر امام نے سلام پھیرا اور سعید زخموں سے چور ہو کر زمین پر گرے اور پوچھتے ہیں ادفیت یا ابا عبد اللہ کیوں مولا میں نے اپنا حق وفا ادا کر دیا فرماتے ہیں نعم وفیت جزاك الله خيرًا۔ تم نے حق وفا ادا کر دیا اللہ جزائے خیر عطا فرمائے ہو سکتا ہے اور حکمِ شرع کے مطابق میں سمجھتا ہوں کہ اس ظہر کے ساتھ عصر بھی ہو گئی ہو گی اس لئے کہ حالتِ خوف اور حالت سفر میں بہ اجماعِ اہل اسلام سب کے نزدیک جمع صحیح ہے تو یقیناً عصر کی نماز بھی ہو گئی ہو گی چونکہ عام وقت ظہر کا سمجھا جاتا تھا اس لئے تاریخ نے نام ظہر کا لیا ہے ورنہ حکم شرع یہی ہے کہ اسوقت عصر کو ہو جانا چاہیئے ان حالات میں یقیناً۔ مگر ایک حقیقت ہے کہ ہمارے آئمہ معصومین عموماً نمازوں کو اوقاتِ فضیلت میں پڑھتے تھے عام دستور یہی تھا اسے بیان کر دیا کہ وہ بھی جائز ہے مگر عام عمل یہی تھا کہ الگ الگ پڑھتے

منہاج ذرا آیت کا محل دیکھئے سورہ شروع ہوا ہے اللہ کے تعارف سے۔ یُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الارض ملك القدوس العزیز الحکیم۔ اللہ کی تسبیح کرتی ہے ہر شے جو آسمان پر ہے اور زمین پر ہے کون جو سلطنت کا حقیقی مالک کون اللہ جو تمام نقائص وعیوب سے بری کون اللہ جو عزت وحکمت کا مالک اب اس سلسلہ میں ارشاد ہو رہا ہے کہ وہ وہ ہے جس نے اُمیتین میں ایسا رسُول بھیجا اس کے معنی یہ ہیں کہ رسُول کا تعارف نہیں کرایا جا رہا ہے کہ یہ وہ رسُول ہے جسے اللہ نے بھیجا اللہ کا تعارف کرایا جا رہا ہے کہ اللہ وہ ہے جس نے ایسا رسُول بھیجا یہ وہ تھیں کہ جن کی پہلی کڑی یہ ہے کہ ان کا وجود دلیل وجود خالق تھا انہیں دیکھ کر خالق کی ہستی کا پتہ چلتا تھا۔ شاعر انقلاب جوش ملیح آبادی وہ چاہے ہوائے سیاست ان کے خلاف ہی ہو لیکن یہ کہ متعارف تو ان سے سبھی ہیں سب جانتے ہیں اور وہ مشہور بھی ہیں۔ ان کا کلام بہت سا ایسا ہے جس میں انکار خدا ہے میرے سامنے ایسے جملے اُنہوں نے کہے ہیں کہ جس کی وجہ سے میں انہیں مسلمان سمجھتا ہوں مجھے اُنہوں نے اپنے مسلمان ہونے کا گواہ بنالیا ہے، لیکن یہ کہ ہے کلام ان کا بہت سا ایسا۔ اس میں مضحکہ ہے تمسخر ہے گستاخیاں ہیں سب کچھ ہے بحیثیت منکر خدا وہ مشہور ومعروف ہیں بہت سوں کو ان کا وہ کلام حفظ ہوگا مگر اب اس سلسلے کی ایک فرد کے لئے وہ کیا کہتے ہیں۔ وہ ان کا معرکۃ آلارا مسدس حسین اور انقلاب دیکھئے تو وہ اسمیں کیا کہہ رہے ہیں ہاں وہ حسین جس کا ابد آشنا ثبات کہتا ہے گاہ گاہ حکیموں سے بھی یہ بات۔ وہ ثبات قدم ہم حکیموں سے بھی یہ بات کہتا ہے۔ یعنی دردن

حسین کی دُعایئں لینی ہیں تو نماز کو نہ بھُولئے کیا کہنا اس نماز کا۔ ادھر نماز ہو رہی ہے ادھر دو جاں نثار سامنے کھڑے ہیں جو تیر آتا ہے اپنے اوپر روکتے ہیں ادھر نماز ہو رہی ہے اُدھر تیر کھائے جا رہے ہیں۔ یوں تو کربلا کا پُورا جہاد شریعت کی خاطر ہوا ہے مگر یہ دو قربانیاں ہیں جو بلا شائبہ مجاز نماز کی خاطر ہوئی ہیں اب جس نماز پر حسین اپنے ایسے دو جاں نثاروں کو قربان کر دیں اس نماز کو ہم اپنے عمل سے پامال کر دیں تو حسین ہمکو اپنا ماتم دار، اپنا عزادار سمجھ سکتے ہیں صورتِ واقعہ یہ بتاتی ہے کہ اثنائے نماز ہی میں تیر اتنے کھالئے۔ کھڑے ہونے کی طاقت نہ تھی مگر میں تو یہ کہتا ہوں کہ یہ طے کر کے کھڑے ہوئے تھے کہ مولا نماز پڑھ لیں۔ تو جب تک امام نے سلام نہیں پھیرا سعید زمین پر نہیں گرے ادھر امام نے سلام پھیرا ادر سعید زخموں سے چُور ہو کر زمین پر گرے اور پُوچھتے ہیں اوفیت یا ابا عبد اللہ کیوں مولا میں نے اپنا حق وفا ادا کر دیا فرماتے ہیں نعم وفیت جزاك الله خیرًا۔ تم نے حق وفا ادا کر دیا اللہ جزائے خیر عطا فرمائے ہو سکتا ہے اور حکمِ شرع کے مطابق میں سمجھتا ہوں کہ اس ظہر کے ساتھ عصر بھی ہو گئی ہو گی اس لئے کہ حالتِ خوف اور حالت سفر میں یہ اجماعِ اہل اسلام سب کے نزدیک جمع صحیح ہے تو یقیناً عصر کی نماز بھی ہو گئی ہو گی چونکہ عام وقت ظہر کا سمجھا جاتا تھا اس لئے تاریخ نے نام ظہر کا لیا ہے ورنہ حکم شرعی یہی ہے کہ اسوقت عصر کو ہو جانا چاہیئے ان حالات میں یقیناً۔ مگر ایک حقیقت ہے کہ ہمارے آئمہ معصومین عموماً نمازوں کو اوقاتِ فضیلت میں پڑھتے تھے عام دستور یہی تھا اسے بیان کر دیا کہ وہ بھی جائز ہے مگر عام عمل یہی تھا کہ الگ الگ پڑھتے

تھے اس لئے اب تاریخ میں تو ذکر نہیں ہے مگر کتب مقاتل بتاتی ہیں کہ پھر ظہر کے بعد مولا نے حسبِ دستور نمازِ عصر بھی پڑھی ہے مگر اربابِ عزاء اب میں معذرت کا طلب گار ہوں میں سخت مصائب نہیں پڑھتا ہوں اب میں اس نماز کی پوری کیفیت نہیں بیان کر سکتا بس اتنا کہوں گا کہ اب راکبِ دوشِ رسولؐ پشتِ فرس پر نہ تھا ہاں ایک بات اور کہہ دوں کہ اب جماعت نہ تھی جماعت تو زمینِ گرمِ کربلا پر خاک و خون میں غلطاں پڑی ہوئی تھی، اب مولا نے یہ نماز فرادیٰ ادا کی اب اس کے بعد یہ نہیں کہہ سکتا کہ رکوع کس عالم میں ہوا قیام کس شان سے ہوا۔ بیٹھنا کس انداز سے ہوا بس سجدے کی خصوصیت عرض کروں گا تاریخِ اسلام میں ایک اور سجدہ یادگار ہے اور وہ ہمارے مولا امیر المومنین کا سجدہ ہے ۱۹ ر ماہِ رمضان کو، میں کہتا ہوں یہ تو باپ کی میراث تھی باپ کے سر پر بھی ضربت نماز میں لگی۔ بیٹے کے گلے پر بھی خنجر نماز میں چلا، مگر بارگاہِ امیر المومنین میں عرض کروں گا کہ اے میرے مولا آپ کی نماز بھی یادگار آپ کا سجدہ بھی یادگار مگر آپ کو سجدے سے سر اٹھانے کا موقع مل گیا اور حسین نے تو بس سر سجدے میں رکھ دیا بخدا پھر اُنھوں نے سر نہیں اُٹھایا۔ وہ کوئی اور تھا جس نے سر کو نوکِ نیزہ پر۔

اس لئے کہ دین کے نام پر تحریکیں اُٹھائی جاتی ہیں۔ کیوں۔ اِس لئے کہ شاطر سیاست داں جانتا ہے کہ دین میں جتنی جاذبیت ہے اتنی کسی اور چیز میں نہیں ہے تو اس بنا پر اپنی تحریکوں پر دین کا غلاف چڑھایا جاتا ہے اور جھنڈے پر دین کا نام لکھا جاتا ہے اور دین کا نعرہ لگایا جاتا ہے۔ بات کیا ہے؟ بات یہ ہے کہ ملمع اس چیز کا کیا جاتا ہے جو قیمتی ہو، لوہے کا ملمع نہیں کیا جاتا چونکہ سونے چاندی کی قیمت ہے اس لئے اس کا ملمع چڑھائیں گے شیشے کا امیٹیشن تیار نہیں کریں گے لعل ویاقوت چونکہ قیمت رکھتے ہیں لہٰذا اُن کا امیٹیشن تیار کیا جاتا ہے تو اب جو عرض کرتا ہوں اس کو عقل کی بارگاہ میں پیش کر کے دیکھئے کہ چونکہ سونے چاندی کا ملمع چڑھا کر بہت سے لوگوں کو دھوکا دیا جاتا ہے، لہٰذا دُنیا سے سونے چاندی کو ختم کر دیا جائے۔ چونکہ لعل و یاقوت کا امیٹیشن تیار کیا جاتا ہے بہت سے لوگوں کو ٹھگ لیا جاتا ہے لہٰذا لعل و یاقوت کو دُنیا سے نابُود کر دیا جائے تاکہ لوگوں کو دھوکہ نہ ہو چونکہ اصلی گھی کے نام پر لوگوں کے ہاتھ بناسپتی گھی فروخت کیا جاتا ہے لہٰذا بہتر یہ ہے کہ اصلی گھی کو دُنیا سے ختم ہی کر دیا جائے تو یاد رکھیئے ان ملمّعوں کی وجہ سے جو کسی کا نقصان ہوتا ہے تو اس میں قصور اُس اصل چیز کا نہیں ہے ریگستانوں میں بالو پانی کی طرح چمکتی ہے اُسے سراب کہتے ہیں بہت سے پیاسے دھوکہ کھا کر دوڑتے ہیں تو پیاس میں اور اضافہ ہو جاتا ہے قریب پہنچتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ پانی تھا ہی نہیں تو کیا دُنیا سے پانی فنا کر دینے کے قابل ہے اس لئے کہ سراب بہت سوں کو دھوکہ دیتا ہے اور اب میں ایک عام بات کہوں

تھے اس لئے اب تاریخ میں تو ذکر نہیں ہے مگر کتب مقاتل بتاتی ہیں کہ پھر ظہر کے بعد مولا نے حسبِ دستور نمازِ عصر بھی پڑھی ہے مگر ارباب عزاء اب میں معذرت کا طلب گار ہوں میں سخت مصائب نہیں پڑھتا ہوں اب میں اس نماز کی پوری کیفیت نہیں بیان کر سکتا بس اتنا کہوں گا کہ اب راکب دوش رسولؐ پشتِ فرس پر نہ تھا ہاں ایک بات اور کہہ دُوں کہ اب جماعت نہ تھی جماعت تو زمینِ گرمِ کربلا پر خاک وخون میں غلطاں پڑی ہوئی تھی، اب مولا نے یہ نماز فرادیٰ ادا کی اب اس کے بعد یہ نہیں کہہ سکتا کہ رکوع کس عالم میں ہوا قیام کس شان سے ہوا۔ بیٹھنا کس انداز سے ہوا بس سجدے کی خصوصیت عرض کروں گا تاریخِ اسلام میں ایک اور سجدہ یادگار ہے اور وہ ہمارے مولا امیر المومنین کا سجدہ ہے ۱۹ر ماہِ رمضان کو، میں کہتا ہوں یہ تو باپ کی میراث تھی باپ کے سر پر بھی ضربت نماز میں لگی۔ بیٹے کے گلے پر بھی خنجر نماز میں چلا، مگر بارگاہِ امیرالمومنین میں عرض کروں گا کہ اے میرے مولا آپ کی نماز بھی یادگار آپ کا سجدہ بھی یادگار مگر آپ کو سجدے سے سر اُٹھانے کا موقع مل گیا اور حسین نے تو بس سر سجدے میں رکھ دیا بخدا پھر اُنہوں نے سر نہیں اُٹھایا۔ وہ کوئی اور تھا جس نے سر کو نوکِ نیزہ پر۔

اس لئے کہ دین کے نام پر تحریکیں اُٹھائی جاتی ہیں۔ کیوں۔ اِس لئے کہ شاطر سیاست داں جانتا ہے کہ دین میں جتنی جاذبیت ہے اتنی کسی اور چیز میں نہیں ہے تو اس بنا پر اپنی تحریکوں پر دین کا غلاف چڑھایا جاتا ہے اور جھنڈے پر دین کا نام لکھا جاتا ہے اور دین کا نعرہ لگایا جاتا ہے۔ بات کیا ہے؟ بات یہ ہے کہ ملمع اس چیز کا کیا جاتا ہے جو قیمتی ہو، لوہے کا ملمع نہیں کیا جاتا چونکہ سونے چاندی کی قیمت ہے اس لئے اس کا ملمع چڑھائیں گے شیشے کا امیٹیشن تیار نہیں کریں گے لعل و یاقوت چونکہ قیمت رکھتے ہیں لہٰذا اُن کا امیٹیشن تیار کیا جاتا ہے تو اب جو عرض کرتا ہوں اس کو عقل کی بارگاہ میں پیش کر کے دیکھئے کہ چونکہ سونے چاندی کا ملمع چڑھا کر بہت سے لوگوں کو دھوکا دیا جاتا ہے، لہٰذا دُنیا سے سونے چاندی کو ختم کر دیا جائے۔ چونکہ لعل و یاقوت کا امیٹیشن تیار کیا جاتا ہے بہت سے لوگوں کو ٹھگ لیا جاتا ہے لہٰذا لعل و یاقوت کو دُنیا سے نابُود کر دیا جائے تاکہ لوگوں کو دھوکہ نہ ہو چونکہ اصلی گھی کے نام پر لوگوں کے ہاتھ بناسپتی گھی فروخت کیا جاتا ہے لہٰذا بہتر یہ ہے کہ اصلی گھی کو دُنیا سے ختم ہی کر دیا جائے تو یاد رکھیئے ان ملمّعوں کی وجہ سے جو کسی کا نقصان ہوتا ہے تو اس میں قصور اُس اصل چیز کا نہیں ہے ریگستانوں میں بالو پانی کی طرح چمکتی ہے اُسے سراب کہتے ہیں بہت سے پیاسے دھوکہ کھا کر دوڑتے ہیں تو پیاس میں اور اضافہ ہو جاتا ہے قریب پہنچتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ پانی تھا ہی نہیں تو کیا دُنیا سے پانی فنا کر دینے کے قابل ہے اس لئے کہ سراب بہت سوں کو دھوکہ دیتا ہے اور اب میں ایک عام بات کہوں

یاد رکھیئے کہ جھوٹ جھوٹ ہے ہی نہیں جب تک سچ کا لباس نہ پہنے ۔ اگر جھوٹ کہہ کر بولا جائے تو جھوٹ ہوگا ہی کہاں ۔ تو جھوٹ اس وقت تک جھوٹ ہے تو کیا دُنیا سے سچائی ختم کر دینے کے قابل ہے اس لئے کہ جھوٹ بہت سول کو دھوکہ دیتا ہے ۔ تو اگر یہ سب باتیں غیر معقول ہیں تو اسی طرح اگر مذہب کے نام پر بہت سے لوگ دھوکہ کھاتے ہیں تو اس میں اصل دین کا تو کوئی قصور نہیں ہے ۔ اب ان سب کا کیا علاج ہے ؟ ان سب کا علاج یہ ہے کہ نگاہِ امتیاز پیدا کیجیئے جو اصل اور نقل کا فرق محسوس کر سکے ۔ علامتوں پر نظر کیجیئے جو سراب اور آب میں فرق محسوس کر سکے ۔ عقل و شعور سے کام لیجیئے کہ سچ اور جھوٹ کا امتیاز کر سکے تو اسی طرح اگر دُنیا میں بنام مذہب فساد ہوتے ہیں تو اس کا علاج یہ نہیں ہے کہ دین کو فنا کر دیجیئے بلکہ اس کا علاج یہ ہے کہ قوتِ امتیاز پیدا کیجیئے دین کی معرفت زیادہ حاصل کیجیئے تاکہ کسی غلط نعرے سے دھوکہ میں نہ آجائیں اور یُوں تو انسان کا یہ ذوق خوں آشامی ۔ جب تک دنیا مذہب کے نام پر قبضے میں آتی تھی تب تک مذہب کے نام پر تحریکیں چلیں لڑائیاں ہوئیں، لیکن جب سے گویا دین کا تصوّر فیشن کے خلاف ہو گیا جب سے موجودہ دَور کی ہوا چلی کہ لوگوں کی نگاہ میں دین کی وہ جاذبیّت باقی نہ رہی تو اب دین نہ رہے ازم ہو گئے مختلف نظام ہائے حیات ہو گئے ۔ اب جو لوگ زیادہ معلومات رکھتے ہیں وہ اعداد و شمار سے ثابت کر سکتے ہیں جو عرض کر رہا ہوں میری عُمر کے آدمیوں کے سامنے تو دو عظیم جنگیں ہوئیں جس کو ہم لوگ جنگ ہفت اقلیم کہتے تھے ایک ۱۴ئہ کی جنگ جس میں ایک طرف حریف قیصر ولیم تھا ۔

اس وقت تک ہٹلر کا وجود نہیں تھا ایک جنگ وہ - ایک جنگ جو بہت سے مجھ سے کم عمر والوں کے سامنے کی بات ہے ہٹلر جس میں فریق تھا ہٹلر کا نام جسمیں آیا تو یہ جنگِ عظیم - تو اب اعداد و شمار سے دیکھئے کہ شروع سے بنام مذہب جو جو لڑائیاں ہوئی ہیں ان سب کے ملا کر مقتولین زیادہ ہیں یا ان عظیم جنگوں میں طرفین کے جتنے مقتول ہو گئے تو یہ خونریزی مذہب کے نام پر ہو رہی ہے؟ دونوں طرف ایک ہی مذہب کے لوگ اور ان میں جنگ ہو رہی ہے تو یہ معلوم ہوا کہ مذہب بہانہ ہوتا ہے اور جب مذہب نہیں ہوتا تو دوسرے بہانوں سے آدمی لڑتا ہے اور یہ ذوقِ جنگ آزمائی تو ایسا تھا جو فرشتوں نے اس وقت پیش کیا تھا جب انسان کے عالم وجود میں آنے کا اعلان ہوا تھا۔ اور عطائے منصب کا سوال تھا قرآن مجید میں اس کا تذکرہ ہے کہ ارشاد ہو رہا ہے اذ قال ربك لِلْمَلٰئكة انی جاعل فی الارض خلیفه - جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ مَیں زمین میں ایک جانشین مقرر کرنا چاہتا ہوں اب مستقل طور سے تو یہ آیت موضوع بیان ہے نہیں - مگر جتنا سمجھنے کیلئے ضروری ہے اتنا تو کہنا ضروری ہے کہ ہمارے مفسرین پہلے تو اسمیں اُلجھ گئے کہ جانشین کس کا، کیونکہ قرآن کے لفظوں میں فقط اتنا ہے کہ میں جانشین مقرر کرنا چاہتا ہوں اب یہ کِس کا جانشین یہ لفظوں کے اندر نہیں ہے تو اب مفسرین اُلجھے ہوئے ہیں میں کہتا ہوں ارے بھئی کیوں اُلجھے ہوئے ہو قرآن تو موجود ہے کافی ہے - تو کِس کا جانشین - تو اب قرآن کے حل کرنے کے لئے تاریخ عالم دیکھئے جو حدیثوں سے ثابت ہوتی ہے کہ انسانوں کے آنے

سے پہلے شیطان اور جنّات زمین میں بستے تھے۔ انہی میں سے تو یہ ابلیس تھا اس قوم کو جنّات و نسناس کہا جاتا ہے کتابوں میں تو جب ان جنّات و نسناس پر عذاب نازل ہوا۔ میں اپنی زبان میں کہہ رہا ہوں وہ بے دخل کئے گئے تو اب زمین ہوگئی خالی تو یہ ارشاد ہو رہا ہے گویا اب یہ مطلب نکلا ہے کہ خالق ارشاد کر رہا ہے کہ ان شیاطین و جنّات کی بجائے جو یہاں بستے تھے اب میں ایک دُوسرے کو پیدا کرنا چاہتا ہوں واہ۔ فکرِ ہر کس بقدرِ ہمت اوست۔ میں کہتا ہوں سُبحان اللہ، قرآن کی آیت کا مضمون آگے بھی تو پڑھیئے۔ جنّات و شیاطین کی جانشینی اور ملائکہ کا رشک کرنا کہ ہمیں کو کیوں نہیں مقرّر کر دیا جاتا۔ یہ تو ملائکہ کا سوال بتلا رہا ہے کہ یہ کوئی بہت اُونچا منصب ہے اور اب میرے اُوپر ذمّہ داری ہے کہ میں مفہوم اس کا بیان کروں۔ میں کہتا ہوں اس کے لئے کوئی اِدھر اُدھر جانے کی ضرورت نہیں ہے اپنے محاورات پر غور کیجئے۔ کسی دن آپ دھوپ میں آئے ہوں کسی اپنے دوست کے ہاں اور کہیں کہ بھئی بڑی پیاس لگی ہے وہ پُوچھے گا کس کو؟ کوئی صاحب ملے آپ نے کہا مثلاً بھائی صاحب ملتان سے آگئے وہ پُوچھے گا کِس کے؟ کوئی صاحبزادے ہیں اُنہوں نے کہا والد ماجد نے یہ فرمایا ہے آپ پوُچھیں گے کِس کے؟ معلوم ہوتا ہے جب کسی اور کا ذکر ہو تو متعلّق بیان کیا جاتا ہے کہ کس کا اور جب اپنے متعلّق بات ہو تو متعلّق نہیں بیان کیا جاتا کہ کس کا۔ تو کسی نے کہا کہ پیاس لگی تو آپ نہیں پُوچھتے کہ کِس کو کسی نے کہا بھوک لگی ہے آپ نہیں پُوچھتے کس کو کِسی نے کہا بھائی آگئے آپ نہیں پُوچھتے کس کے کسی نے کہا والد فرماتے ہیں

آپ نہیں پوچھتے کس کے اور اللہ فرماتا ہے کہ مَیں جانشین مقرر کرنا چاہتا ہوں
تو آپ کہتے ہیں کس کا۔ میں کہتا ہوں کہ اگر کسی اور کا ہوتا تو اس کا نام لیا جاتا کہ
کس کا جانشین جب یہ نہیں کہا گیا کہ کس کا تو سمجھئے کہ جو اعلان کر رہا ہے وہ
اپنی طرف نسبت دے رہا ہے کہ میں اپنا جانشین مقرر کرنا چاہتا ہوں مگر مجھ
سے اب اس عقلی سوال کا ہر ایک کو حق ہے کہ اللہ کے جانشین کے کیا معنی ہیں
جانشین وہ بنائے جس سے جگہ خالی ہو یا زمانہ خالی ہو اور وہ ذات جس کا
نقل وانتقال ممکن نہیں جو جسم وجسمانیات سے بری تو وہاں جانشینی کے کیا معنی۔
تو میں تو پہلے عرض کر چکا ہوں کہ اصل میں اس آیت کو تو بیان نہیں کر رہا ہوں،
لیکن مجمل طور سے اس کے دو پہلو عرض کروں گا۔ ایک بات خفی ہے جسے
ہر ایک آدمی بہت زیادہ غور کے بغیر سمجھ سکتا ہے دُوسرا نکتہ گہرا ہے پہلی
بات تو یہ کہ بے شک اللہ لامکان ہے، لیکن عالم اعلیٰ کا جو اسکی ذات کے
ساتھ تعلق مانا جاتا ہے وہ عالم ادنیٰ یعنی زمین کا نہیں مانا جاتا اسی لئے دُعائیں
ہاتھ اُٹھاتے ہیں جھکاتے نہیں، موسیٰ بھی کلام کے لئے طور کی بلندی ڈھونڈتے
تھے اور قرآن مجید کے محاوروں پر نظر کیجئے وہ آیتیں نہیں پڑھوں گا کیونکہ موضوع
مستقل نہیں ہے کہ جو جو چیزیں اُدھر کی ہیں ان کے لئے آتا ہے اتارنا بارش
اتاری لوہا اتارا تو جو چیز اُدھر سے آتی ہے اس کے لئے آتا ہے اتارنا ہے۔ جو
اِدھر سے چیز جاتی ہے اس کے لئے ہے چڑھنا عمل صالح بلند ہوتا ہے دُعائے
مومن بلند ہوتی ہے۔ نمازی کی پُر خلوص نماز بلند ہوتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ
بلند حصّہ کو جو تعلّق مقام نسبت میں ہے یعنی عرش جو پایہ تخت ہے اس کو

اسفل السافلین میں نہیں مانا گیا ہے اعلیٰ علیین میں مانا گیا ہے حالانکہ میں نہیں مانتا کہ وہاں اللہ سبحانہٗ بیٹھتا ہے یہ تو اس وقت ہو کہ جب مکان کا محتاج ہو اور اس کو ایک روزمرّہ کی مثال میں کہ یہاں بھی تو بیت اللہ ہے خانہ کعبہ اللہ کا گھر ہے جس کے حج کے لئے جاتے ہیں تو اس کا گھر ہے مگر کیا وہ کبھی رہا ہے تو جس کو رہنے کے لئے جگہ کی ضرورت نہیں اس کو بیٹھنے کے لئے بھی جگہ کی ضرورت نہیں۔ یہ بھی مقامِ شرف میں ایک نسبت ہے وہ بھی مقامِ اعزاز میں ایک نسبت ہے مگر جیسی نسبت ہوتی ہے اس کو اپنے عمل سے نبھایا جاتا ہے وہ ہے اللہ کا تختِ سلطنت، گھر کی نسبت کسی شخص کی طرف انفرادی و ذاتی یعنی نجی ہے اور تختِ سلطنت کی حیثیت منصبی ہوتی ہے تو جب گھریلو کام لینا ہوا زچہ خانہ بنانا تو اُسے منتخب کیا کسی کو سرکاری مہمان بنانا ہوا تو وہاں بلایا گیا۔ وہ کیوں کہ جس حیثیت سے عرش اس کا پایہ تخت ہے اس حیثیت سے زمین اس شرف سے محروم ہے اسی وجہ سے قرآن میں اِنی جاعل فی الارض ہے اب اس کو میں اپنے لفظوں میں کہتا ہوں گویا خالق فرشتوں سے کہہ رہا ہے کہ اے فرشتو یہاں تو میں ہوں، مگر جس حیثیت سے عرش میرا پایہ تخت ہے زمین اس شرف سے محروم ہے لہٰذا ایک ایسے کو میں پیدا کرتا ہوں کہ زمین سے اس کو وہی نسبت ہو جو عرش کو مجھ سے ہے جیسے یہ میرا پایۂ تخت ہے ویسے زمین اس کا پایۂ تخت ہو اور اب دوسرا پہلو جسے میں نے کہا تھا کہ ذرا تھوڑے سے غور کی ضرورت ہے تو میں کہتا ہوں کہ یہ بات ہی غلط ہے کہ جانشین وہ مقرر کرتا ہے جس سے جگہ خالی ہو یا زمانہ۔ نہیں ایک اور صورت ہے جانشین مقرر کرنے کی اسکی مثال

کہ کوئی معزز مہمان کسی جگہ جاتا ہے تو اس کے اعزاز میں جلسہ ہوتا ہے اس میں سپاسنامہ پیش کیا جاتا ہے اس مہمان کے لئے اخلاقی طور پر اور آئینی حیثیت سے اس سپاسنامہ کا جواب دینا خود اسی کا کام ہے کوئی خود سے کھڑا ہو جائے جواب دینے تو اس کا فریضہ نہیں پورا ہو گا مگر مشکل یہ ہے کہ وہاں کے لوگوں کی زبان اور ہے اور یہ جو مہمان آیا ہے اس کی زبان دوسری ہے اگر یہ اپنی زبان میں پڑھے تو وہ نہیں سمجھیں گے ان کی زبان سے یہ واقف نہیں ہے ان کی زبان میں یہ پیش نہیں کر سکتا جواب لہٰذا باوجودیکہ جلسہ میں وہ موجود ہے اپنی جانب سے کسی کو اپنا نائب مقرر کریگا، لیکن وہ بیچ والا ایسا ہو جو اس کی بھی زبان سے واقف ہو اور ان کی زبان سے بھی۔ ان کی زبان میں ان تک پہنچائے، تو بس یہاں جانشین کی ضرورت ہے کہ اس کا کمال براہِ راست ہم تک پہنچنے میں سدِ راہ ہے ہمارا نقص اس تک پہنچنے سے مانع ہے لہٰذا ضرورت ہے کہ کوئی بیچ والا ہو جو کچھ اس سے ملتا ہو اور کچھ ان سے ملتا ہو تو جناب والا اب یہ ہے اتنا بڑا منصب کہ ملک کی نگاہِ طلب جاتی ہے وہ ہیں جوارِ قدس میں رہنے والے عرش کے اِدھر اُدھر۔ مگر یاد رکھئے کہ منصب سے محروم رہ کر پاس رہنا وہ بلندی نہیں رکھتا جو منصب پاکر دور چلا جانا بلندی رکھتا ہے تو کیا کہتے ہیں اتجعل فیھا من یفسد فیھا ویسفک الدماء ونحن نقدس لک۔ بعض لوگ کہتے ہیں فرشتوں نے اعتراض کیا، مگر یہ بے سمجھی ہوئی لفظ ہے۔ یاد رکھئے فرشتہ ہے جس کے لئے خالق نے کہہ دیا ہے لا یسبقونہ بالقول وھم بامرہ یعملون۔ وہ اللہ پر بات کرنے میں سبقت نہیں کرتے وہ اس کے حکم پر

عامل ہیں۔ عصمت فطری کی منزل پر فائز تو یہ جو کہدیا کہ اعتراض کیا یہ ٹھیک نہیں میں کہتا ہوں کہ ملک نے سوال کیا ہے اور ملائکہ بارگاہِ قدس کے طالب علم ہیں اور طالب علم کو اپنی تسلّی کے لئے سوال کا حق ہے اور میرے نزدیک تو سوال ملک کسی مقصدِ الٰہی کی تکمیل کا ذریعہ ہے۔ اسی نے ان کے دل میں یہ تصور پیدا کیا کہ ہمیں سوال کرنا چاہیئے کوئی اللہ کا مطلب ان کے سوال میں مضمر ہے تو ابھی تو یہی سمجھ لیجئے جو مَیں نے عرض کیا کہ منصب کی بلندی کا اظہار ہے کہ دیکھو منصب اتنا بلند ہے کہ فرشتے کے بھی دل میں اس کی آرزو ہوتی ہے اب اسے کبھی ارزاں نہ بنالینا اور اب فرشتہ کرتا کیا ہے انسان کی زندگی کا ایک تاریک پہلو۔ جو ہے وہ بھی اُسے اللہ کے دیئے ہوئے علم سے معلوم ہے وہ خود کیا جانے اللہ جو بتاتا رہا ہے انہیں وہ انکو معلوم ہے تو وہ کہہ رہا ہے کہ اُسے پیدا کیا جائیگا جو خونریزی کرے اور فساد کرے تو اسی لئے میں نے اس موضوع میں سے عرض کیا یہ خونریزی تو گویا فطرت انسانی کا ایک تقاضا تھا جسے ملک نے اس وقت محسوس کیا اور اس کو پیش کیا سوال کے محل پر۔ تو انسان کی زندگی کا یہ پہلو لیا اور اپنی زندگی کا روشن پہلو کہ نحن نسبح بحمدك ونقدس لك۔ ہم تیری بارگاہ میں تسبیح و تقدیس کرتے ہیں اس میں کونسا جز غلط ہے۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ انسان خونریزی نہیں کرتا کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ ملک تسبیح و تقدیس نہیں کرتا۔ کون جز غلط ہے۔ بس ملا کے پُوچھ لیا کہ ہمیں نہیں مقرر کیا جاتا اور اس نوع میں سے مقرر کیا جاتا ہے تو ارشاد ہوتا ہے جواب میں کہ اِنّی اعلم ما لا تعلمون ۔ مَیں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے مجمع میں طالب علم بھی ہیں اُستاد بھی ہیں، کوئی طالب علم اُستاد

سے کچھ پُوچھے وہ کہے جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے تو یہ کوئی جواب ہوا حالانکہ خود
قرآن سے ثابت ہے کہ بعد میں جواب کا انتظام کیا جائے گا وہ تعلیم اسماء وہ سب
اس وقت تو عرض نہیں کرنا ہے کبھی انشاءاللہ مستقل طور سے اُسے عرض کیا جائیگا
تو جواب دیا جائے گا اس کا۔ مگر ابھی جواب نہیں دیا جاتا۔ اس کو جواب تو نہیں کہتے
سوال کا ٹھکرا دیا جانا کہتے ہیں تو میں کہتا ہوں بارالٰہ جب جواب آپ کو دیناہی
ہے تو اسی وقت ملک کے سوال کا جواب کیوں نہیں دے دیا جاتا مگر جو میری سمجھ
میں آیا وہ عرض کرتا ہوں میں کہتا ہوں ابھی خالق سمجھانے لگتا کہ یہ مصلحت ہے
یہ مصلحت ہے یہ مصلحت ہے تو ایک صورت شوریٰ قائم ہو جاتی سوال کے
جواب میں یہ کہا جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے اب اس کا مطلب میرے
لفظوں میں یہ ہے کہ منصب میرا۔ مقرر کرنا میرا کام تم کون۔ تو اب سوال ملک میں
ایک دوسرا راز سمجھ میں آیا کہ خالق نے دکھلا دیا کہ دیکھو یہ منصب وہ ہے جسمیں
ملک کے معصوم مشورہ کا بھی کوئی دخل نہیں ہوتا جو اصُول اس وقت واضح ہو
گیا تو اب طالب علموں کی تسلّی کے لئے جو فریضہ تعلیمی ہے اُسے بعد میں انجام
دے دیا جائیگا جلدی اسے ہوتی ہے جسے وقت کے نکلنے کا اندیشہ ہو لہٰذا وہ
تعلیم اسماء وہ سب امتحان ہوا اور ملک نے کہا کہ ہمیں تو اتنا معلوم ہے جتنا
تُونے بتا دیا ہے اس کے آگے نہیں معلوم اب اس سے جو نتائج نکلتے ہیں
وہ پھر انشاءاللہ جب اس کا بیان ہوگا۔ اب خالق نے اس دن کے سوال کا حوالہ دیکر
گویا اپنی فتح کا اعلان کیا ہے کہ الم اقل لکم کہ اب سمجھے میں نے نہیں کہا تھا کہ میں
وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے، مگر ظاہر ہے وہ خود اس نے کہا کہ جتنا تونے

ہمیں علم عطا کیا ہے اتنا ہمیں۔ جتنے جتنے اس کے سامنے نمونے زیادہ آتے گئے اور اللہ علم دیتا گیا اتنا اتنا اس کے علم میں اضافہ ہوتا گیا اور اب کہاں تو خونریزی کو کہا تھا ایسے کو جو خونریزی کرے گا کہاں ایک ایسی منزل آگئی کہ بدر میں خود سپاہی بن کر آگیا۔ اب کہاں وہ ملائکہ کہ معترض ہوئے تھے عرش پر کہاں میدان میں فوجیں ملائکہ کی تھیں (قرآن) فوجیں ان کی مدد کے لئے آئیں بدر میں اور فقط نمائشی طور پر نہیں آئے تھے قرآن میں ہے کہ انہیں اصُول جنگ بتائے گئے ارے وہ اسی مدرسہ کے طالب علم ہیں تو انہوں نے سپہ گری کہاں سیکھی تھی لہٰذا خالق نے انہیں اصُول بتائے (آیت) دیکھو ہم بتاتے ہیں کہ گردنوں پر تلوار لگانا قرآن مجید کی آیت ہے کہ اُنگلیوں پر ضرب لگانا۔ فنون جنگ سکھائے جا رہے ہیں ماشاءاللہ یہاں ایسے افراد ہوں گے جو فنِ سپہ گری کے قدیم طور پر یا جدید طور پر واقف ہوں گے تو میں کہتا ہوں کہ سر کے وار سکھائے گئے ہیں اور ہت کٹیاں سکھائی گئی ہیں اور اب یہ جنگ کر رہے ہیں۔ ممکن ہے میں قبل میں کہہ چکا ہوں کہ یہ سب آئے تھے بھیجے گئے تھے اور جنگ بھی اُنہوں نے کی کمزور دل والے مسلمانوں کی ڈھارس کے لئے۔ قرآن کہہ رہا ہے دیکھو کبھی اپنی قلت تعداد سے گھبرانا نہیں کبھی ہماری مصلحت ہو گی تو ہم فرشتے بھی بھیج سکتے ہیں۔ یہ نمونہ پیش کر کے دلوں کو ڈھارس دی گئی، مگر میں کہتا ہوں کہ دُوسروں کے دلوں کو تو ڈھارس ہوئی اور جو حقیقی مجاہد تھا اس کے ذوقِ شجاعت پر بار ہو گیا کہ میرے ہوتے ہوئے فرشتے آئے میری موجودگی میں فرشتے آئے اس کی طبیعت پر جیسے بار سا ہو گیا اور میں کہتا ہوں کہ اب یہ آیتیں جو آئی ہیں کہ ہم نے یہ بھیجے ہیں ایسے

لوگوں کی وجہ سے جو کمزور دل والے ہیں سب تو تمہارے جیسے نہیں ہیں۔ ان کے دلوں کی تسلّی کے لئے ہم نے بھیجے ورنہ ضرورت نہیں تھی اس میں یہ مضمر ہے کہ ضرورت تھی نہیں ہم نے ان کے دل کی تسلّی کے لئے ڈھارس دینے کے لئے بھیج دیئے ہیں، لیکن اچھا تمہاری طبیعت پہ بار ہے تو اب اس کے بعد جو جنگ ہو گی تو چاہے جو ہو جائے اب نہیں بھیجیں گے اور اس نے جس نے بار محسوس کیا تھا اس نے جنگ سر کر کے دکھلا دی بگڑی ہوئی جنگ بنا کر دکھا دی اور اب اس وقت تو آیا نہیں ملک۔ اب جب۔ اپنی زبان میں کہتا ہوں محاورہ ہے یوپی کا وارے نیارے ہو گئے تو اب جناب جبرئیل امین تشریف لائے ہیں شاہ عبدالحق محدّث دہلوی نے مدارج النبوّة میں تحریر فرمایا ہے فارسی زبان کی کتاب ہے بڑے جلیل القدر عالم ہیں اہلسنت والجماعت کے محدّث محقق انہوں نے مدارج النبوّة میں لکھا ہے کہ حضرتِ علی ابن ابی طالب علیہ السّلام نے اس فوج کو بھگایا اور آپ نے آکر رسول کے زخموں کو دھلایا اور آپ کو کھڑا کیا۔ اتنی دیر میں اِدھر اُدھر سے فوج آنی شروع ہو گئی۔ مختلف دستوں کی شکل میں گروہ در گروہ ادھر سے ادھر سے پیغمبر اشارہ فرما رہے ہیں کہ دیکھو یہ آرہے ہیں دیکھو یہ آرہے ہیں۔ دیکھو یہ آرہے ہیں اور علی ابن ابی طالب چاروں طرف گھوم کر اُن کو دفع کر رہے ہیں۔ تو اب جناب جبرئیل تعریف کر رہے ہیں ان ذی لھی المواسات۔ یہی جملہ ہے تاریخ کا یا رسُول اللہ ہمدردی تو اسے کہتے ہیں غم خواری تو اسے کہتے ہیں اور رسُول کہتے ہیں کیف لا ھو مِنی وانا منہ۔ کیونکر نہ ہو کہ وہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں اور

حضرت جبرئیل تو عجب دلچسپ ہیں وہ کہہ دیتے ہیں کہ انا منکما ۔میں آپ دونوں سے ہوں ۔ایک دن راولپنڈی میں کہہ چکا ہوں کہ مجھے فرشتوں سے باتیں کرنا تو آتی نہیں وہ لفظیں بھی نہیں آتیں، لیکن اپنی زبان میں جناب جبرئیل سے یہ کہوں گا کہ آپ بھی عجیب آدمی ہیں جب دو کی بات ہو رہی ہو تو آپ کہیں میں دونوں سے ہوں اور جب پانچوں آجائیں تو آپ کہیں کہ میں چھٹا کیوں نہ ہو جاؤں، مگر اس میں ایک بڑی حقیقت مضمر ہے کہ یہ انسان وہ ہیں کہ اُنہوں نے فرشتہ ہونے کی کبھی تمنّا نہیں کی ہے مگر یہ اتنے اُونچے ہیں کہ فرشتے ان میں شامل ہونے کی تمنّا کرتے ہیں اور یہ تو بدر کی باتیں ہیں آپس کی گفتگو تھی ۔یہی جبرئیل امین یا کوئی اور فرشتہ، وہ ایک دفعہ مَیں کہتا ہوں کہ منبر ہوا پر مابین زمین و آسماں بلندی پر جا کر اُس نے قصیدۂ منقبت پڑھا اور کہا لا فتیٰ اِلا علی لا سیف الا ذوالفقار ۔کوئی جواں نہیں سوائے علی کے اور کوئی تلوار نہیں سوائے ذوالفقار کے ۔مَیں کہتا ہوں اب وہاں کی بات مجھے یاد آئی کہ حضرت آپ کو تو خونریزی سے نفرت ہے ۔انیس اعلی اللہ مقامہ تلوار کی تعریف کریں تو ٹھیک ہمارے مرزا دبیر صاحب مرحوم تلوار کی تعریف کریں تو ٹھیک، لیکن یہ آپ اور تلوار کی تعریف ارے سپر کی تعریف کرتے کہ اس کا کام رد کنا ہوتا ہے تلوار کا تو کام ہی خون بہانا ہے یہ آپ تلوار کی تعریف کر رہے ہیں تو شاید جبرئیل امین یا جو فرشتہ یہ صدا بلند کر رہا ہو وہ مجھ سے کہے کہ خاموش ناسمجھی کا سوال نہیں ۔تلوار خطا کاروں کے ہاتھ میں آکر خطا کار ہوتی ہے معصوم کے ہاتھ میں آکر معصوم ہوتی ہے تو معلوم ہوا کہ آنکھ بند

کرکے نہ خونریزی کو اچھا سمجھا جا سکتا ہے نہ خونریزی کو بُرا سمجھا جا سکتا ہے۔ چند مہینے ادھر کی بات ہے الہ آباد گیا۔ اکثر لوگ موضوع کا اعلان میرے پہنچنے سے پہلے کر دیتے ہیں جیسے آپ کے ہاں اعلان ہو گیا تھا۔ جب آیا تو پتہ چلا پہلی مجلس کا اعلان تھا اسلام خونریزی کا حامی نہیں ہے میرے ذہن میں یہ سوال تھا کہ یہ موضوع رکھا کیوں گیا ہے۔ پہلے تو مَیں نے ان سے جنہوں نے موضوع رکھا تھا کہا کہ یہ موضوع غلط عنوان سے ہے۔ ماشاءاللہ یہاں تعلیم یافتہ لوگ ہیں ایک ہوتا ہے ڈیبیٹ۔ مکالمہ اس میں اس طرح کا موضوع ہوتا ہے ایک رُخ اس میں ہوتا ہے اور پھر کوئی موافق تقریر ہوتی ہے کوئی مخالف تقریر ہوتی ہے۔ لیکن کسی جلسہ میں کسی مقرر کو جو موضوع دیا جائے وہ جُملہ ناتمام ہونا چاہیئے مثلاً اسلام اور خونریزی۔ اب یہ اس کا کام ہے کہ وہ کہے کہ اسلام حامی ہے یا مخالف ہے مَیں نے کہا کہ جن صاحب نے یہ موضوع رکھا ہے وہ خود ہی تقریر بھی کر لیں۔ بہر حال وہ پُورا بیان مَیں نے کیا۔ اس میں مَیں نے یہ کہا کہ اگر ذرا سی اصلاح اس موضوع میں دی جائے تو وہ صحیح ہو جائے کہ اسلام ناحق خونریزی کا حامی نہیں ہے۔ تو یہ انسان کا ذوق خوں آشامی ہے کبھی غلط راستوں سے خونریزی ہوتی ہے کبھی حق کی حفاظت کے لئے خونریزی ہوتی ہے۔ وہ وہاں اس موضوع میں جہاد میں پیش کر چکا قتال کے لئے شرطیں کیا ہیں ابتدائے جنگ ہے۔ اُس کے بعد اجازت دی گئی ہے قتال کرنے کی۔ تو اب دُوسرا خونریزی کئے جاتا ہے تو اب ادھر والا خونریزی نہ کرے تو کیا کرے یا یہ فرض کیجئے کہ کوئی ہزاروں کی جانیں لے چکا ہے اب اس کی جان لی جائے اور آپ

کو رحم آئے تو ان ہزار دل پر رحم نہ آیا اس ایک پر رحم آ رہا ہے اس میں کوئی معقولیت نہیں ہے۔ کلیہ کوئی نہیں ہو سکتا خونریزی کے بارے میں۔ تو یہ انسان مذہب کے نام کو لے کر اگر خونریزی کرے تو اصل دین پر اس سے کوئی حرف نہیں آتا اور کتنی چیزیں ہیں جن کا غلط استعمال ہوتا ہے۔ کتنے مقدس نعرے ہیں جو آپ لوگ لگاتے ہیں، لیکن یہ نعرے کیا ہمیشہ مقدّس رہتے ہیں۔ ۲۵ برس ادھر کی بات ہے جب وہ کلوکیم ہوا تھا۔ لاہور میں دُنیا بھر کے پروفیسر آئے تھے تو اس میں مَیں بحیثیّت شرکار کے مدعو تھا تقریر میری نہیں تھی اس میں۔ وہاں کا ایک موضوع تھا تمدّنِ اسلام۔ ماشاء اللہ بڑے بڑے پروفیسر وہاں تھے انہوں نے جو جو کہا کہ وہ محرابیں جو ہیں وہ اسلامک کلچر ہیں اور یہ گنبد جو ہیں یہ اسلامی کلچر ہیں اور وہاں کی چیزیں سن کر میرا دل پک گیا تھا۔ یہاں ایک تقریر برکت علی ہال میں ہوئی تو میں نے اسی موضوع پر وہاں تقریر کی۔ وہ تقریر امامیہ مشن پاکستان سے چھپ بھی گئی ہے تو ایک جز اس کا مَیں کہتا ہوں کہ یاد رکھئے کہ اسلامی کلچر شکل و صورت سے نہیں ہوتا اصل اسلامی کلچر للہیت سے ہوتا ہے گنبد لے جا کر آپ بتکدے میں بنا دیجئے تو وہ گنبد بھی اسلامی کلچر ہے؟ نہیں جو مسجد کا گنبد ہو وہ ہوگا اسلامک کلچر۔ اس کے محل استعمال سے ہوتا ہے۔ یہ اللہ اکبر کا نعرہ بھی صحیح محل پر لگے تو اسلامک کلچر ہوگا۔ اگر بے گناہوں کے گھر جلانے میں اللہ اکبر کے نعرے لگیں تو وہ اللہ اکبر کا نعرہ بھی اسلامک کلچر نہیں ہوگا تو مقصد کا صحیح ہونا شرط ہے۔ ظاہری شکل سے نہیں ہوتا بس اب بابِ مصائب ہے کہ کہاں کہاں ہم نے اللہ اکبر کے نعرے سُنے ہیں۔ بس ایک شاعرِ عرب کا شعر پڑھتا ہوا حضرت

امام حسین کو مخاطب کر کے اس نے شعر کہا ہے ؎

وَیُکَبِّرُوْنَ بِاَنْ قُتِلْتَ وَاِنَّمَا — قَتَلُوْا بِکَ التَّکْبِیْرَا وَتَہْلِیْلًا

ارے یہ آپ کو شہید کر کے تکبیر کے نعرے لگا رہے ہیں حالانکہ آپ کے ساتھ اُنھوں نے تکبیر و تحلیل کے گلے پر چھُری چلائی ہے۔

اور یاد رکھئے کہ یہی کام امام حسین نے کربلا کے جہاد میں سب سے بڑا کیا اور اس کو مختصر طور پر یوں میں عرض کروں گا کہ بدنصیبی سے ادھر کی جماعت بھی اپنے کو مسلمان کہتی تھی اور جس جس چیز کو سمجھ لیجئے اسلامک کلچر ظاہری طور پر اس سب کو وہ اختیار کئے ہُوئے تھی۔ اور اتنی بڑی جماعت جہاں کی نمائندہ تھی وہاں اُونچے اُونچے محل تھے۔ اُونچے اُونچے عالیشان مینارے تھے قصرابیض و قصرحمرا و قصرخضرا وہ سب وہاں تھے۔ مجھے بہت باتیں ڈاکٹر اقبال کی پسند ہیں مگر جہاں اُنھوں نے ان قصروں کو یاد کیا ہے۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ وہاں وہ جاہ و جلال دُنیا سے مرعوب ہیں۔ ارے مسجدِ مدینہ کو نہیں یاد رکھتے اور قصرحمرا و قصرخضرا پر فخر کرتے ہو مگر جو عرض کر رہا ہوں اس پر غور کیجئے کہ اگر کوئی غیر مُسلم واقعی تحقیق کی غرض سے بھی تاریخ کی دُوربین لگا کر اسلامی تہذیب کا پتا لگانا چاہتا تو وہ قصرخضرا جاتا قصرحمرا جاتا دمشق کے عالی شان محل میں جاتا اور جب وہاں جاتا تو حریر و دیبا کے پردے نظر آتے۔ سونے چاندی کے برتن کھنکتے ہُوئے نظر آتے غلام سنہری ڈاہیں طلائی پٹکے کمر پر باندھے ہوئے نظر آتے اور پھر اور آگے بڑھتا تو شراب کے جام کھنکتے نظر آتے تو وہ اسلامک کلچر اسی کو سمجھتا کہاں وہ جاتا محلہ بنی ہاشم میں اُس نیچی دیواروں والے مکان میں جس کے دروازے پر ٹاٹ کا پردہ بھی نہیں۔ حضرت امام حسینؑ نے کربلا میں

یہ کہا کہ میں ان کے اسلام کے مقابلے میں ایک اسلام کا نمونہ دُنیا کے سامنے پیش کردُوں اور آفتاب کی روشنی میں انکو سچّے مسلمانوں کا ایک گروہ دکھلا دوں اور اپنے کردار کو اتنا اُونچا لے جاؤں کہ دمشق کے مینارے دب جائیں اور میرے اللہ اکبر کی صدا وہ دُنیا کے دِل میں گھر کرے اس کے لئے حضرت امام حُسینؑ نے اسلحہ جنگ لئے۔ اگر فوجی عسکری فتح حاصل کرنی ہوتی تو قدآور جوان ساتھ لیتے بلند و بالا قامت والے سورما ساتھ لیتے، مگر ان کو اس طرح کی جنگ لڑنا نہیں تھی۔ جنگ کے کتنے نمونے آپ کے سامنے ہوں گے فوج میں عمر کی حدیں مقرر ہیں اس سے کم عُمر کا نہیں لیا جائے گا۔ اس سے زیادہ عُمر کا نہیں لیا جائے گا۔ قد ناپا جاتا ہے سینہ ناپا جاتا ہے تب فوج میں لیا جاتا ہے اور امام حسینؑ کے سپاہیوں میں نہ کم عمر کی قید نہ زیادہ عُمر کی قید۔ یہاں ۷۰ برس کا حبیب ابن مظاہر بھی فوج کا سپاہی ہے اور نابالغ بچہ قاسم بھی فوج کا سپاہی ہے اور کہنے دیجئے کہ ۶ مہینے کا بچہ بھی ان کے مقصد کا بہت بڑا سپاہی ہے تو اسی سے سمجھ میں آتا ہے کہ وہ جنگ انہیں نہیں لڑنا ہے۔ اب ان کی فتح و شکست کو اس پیمانے پر نہ ناپیئے انہوں نے بھی انتخاب کیا سپاہیوں کا اب زیادہ تفصیل سے نہیں عرض کرنا ہے کہ سپاہی وہ لئے جو انسانیت اور اسلام کی کسوٹی بن سکیں انہیں قدآور سپاہی نہیں چاہیئے۔ سپاہی انہیں ایسے چاہیں کہ کوئی حافظِ قرآں ہے کوئی عابدِ شب زندہ دار ہے حبیب ابن مظاہر وہ ہیں کہ جن کے بارے میں روایت ہے کہ ایک سجدہ میں ختمِ قرآن کرتے تھے بریر ہمدانی وہ ہیں جو کوفے کے بچّوں کو حفظِ قران کراتے تھے۔ سیّد القراء ان کا خطاب تھا ایسے ایسے سپاہی لائے ہیں کیوں تاکہ مسلمانوں کی

آنکھیں کُھلیں کہ اسلام پر کیا وقت پڑ گیا ہے کہ ایسے لوگ تلواریں لے کر آ گئے ہیں اور اس کے بعد ار باب عزا خاندان رسالت کا پورا سرمایہ ہے میں نے دو لفظیں کہی تھیں انسانیت اور اسلام کی کسوٹی ۔ میں کہتا ہوں انسان مختلف ہیں کسی کو جوان پر رحم آتا ہے کسی کو بچے پر رحم آتا ہے کسی کو کسی خاتون پر ترس آجاتا ہے امام اپنے ساتھ ہر نمونہ لائے تھے کہ اگر ان میں انسانیت کا کوئی شائبہ ہو گا تو کبھی جوان کے مقابلے میں ہاتھ رُکے گا کبھی بچے کے مقابلے میں ہاتھ رُکے گا کبھی کسی خاتون پر رحم آئے گا اور جب یہ نہیں ہوا تو دُنیا سمجھ لے کہ اس اسلام کے برقع کے پیچھے کیسے لوگ چھپے ہوئے ہیں اس اسلام کی نقاب کے پیچھے کون سے مسلمان ہیں اور اسی کا نتیجہ یہ ہے کہ کربلا کے جہاد کی نوعیت بالکل مختلف ہو گئی ہمارے ہاں ہندوستان میں اب بھی جلسوں میں کثرت سے غیر مسلم شریک ہوتے ہیں غیر مسلم شاعر بھی ہیں مداح اہلبیت بھی ہیں تو جناب ایک مشترک جلسہ تھا ایک ہندو شاعر نے حضرت امام حسینؑ کو مخاطب کر کے کہہ دیا کہ ہم بیشک غیر مسلم ہیں مگر ہم میں آپ کا قاتل کوئی نہیں ہے ۔ مجمع نے تو بہت داد دی مگر مجھ پر بارِ خاطر ہو گیا کہ یہ بالواسطہ اسلام پر ضرب لگ گئی اب آخر میں مجھے تقریر کا موقع تھا میں نے اپنی تقریر میں چند جملے کہے ۔ خلاصہ اُن کا عرض کر رہا ہوں جسے انہوں نے بھی تسلیم کیا میں نے پہلے اُن کی تعریف کی ۔ اُن کی شاعرانہ بلندی کی تصورات کی ۔ خلوص کی اور اس کے بعد میں نے کہا کہ بیشک ہمارا سر شرم سے جھک جاتا ہے جو ہمارے دوست نے یہ نظم کیا ہے مگر یہ کہ میں یہ کہتا ہوں کہ یہی تو حسینؑ نے کارِ نمایاں انجام دیا ہے کہ ایسے بہتر پیش کئے ہیں کہ ہمارے دوست کو بھی ماننا پڑے گا کہ ہم میں اگر حسینؑ کا قاتل کوئی نہیں ہے

توانہیں یہ بھی ماننا پڑیگا کہ ہم میں حبیب بھی کوئی نہیں ہے ہم میں مسلم ابن عوسجہ بھی کوئی نہیں ہے ہم میں بریر ہمدانی بھی کوئی نہیں ہے۔ حسینؑ نے بہتر نمونے ایسے پیش کر دیئے کہ جب اُدھر کا تاریک مرقع پیش ہو تو یہ روشن مرقع فوراً اسلام کی عظمت کا گواہ بن جائے تو بس اربابِ عزا آپ کی توجہ تو ہے مگر زیادہ عرض نہیں کرنا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ حسینؑ نے کربلا میں۔ وقت جتنا سخت ہو اتنا مؤثر ہتھیار لایا جاتا ہے تو کربلا میں ظاہری نگاہوں میں یہاں تک تو میں ارتقاء دکھا سکتا ہوں کہ شروع میں اصحاب گئے بعد میں عزیز گئے پہلے عون و محمد چلے گئے پہلے فرزندانِ عقیل چلے گئے اسکے بعد بھتیجوں کی نوبت آئی عباس بعد میں گئے علی اکبر بروایتِ مشہور کی بناء پر بعد میں گئے مگر یہاں تک میں ارتقاء دکھا سکا میں کہتا ہوں کہ یہیں سے مقصدِ حسینؑ سمجھیے کہ عباس کے بھی بعد اور علی اکبر کے بھی بعد یہ چھ مہینے کی جان یہ شش ماہا مجاہد تو جسے حسینؑ نے اپنا پیش خیمہ رکھا۔ یہ کیا ہے یہ ہے اس اُصول کے مطابق کہ جتنا وقت سخت ہو جائے اتنا ہی مؤثر ہتھیار پیش کرو۔ جبتک علی اکبر میدان میں آئے دُنیا کہہ سکتی تھی کہ تلوار لیکر میدان میں آئے، اگر جنگ نہ کرتے تو کیا کرتے جبتک عباس آئے کہہ سکتے تھے ارے تلوار نہ سہی نیزہ ہاتھ میں سہی مگر نیزہ لائے تھے جنگ نہ کرتے تو کیا کرتے ارے قاسم کمسن سہی مگر گئے تو وہ بھی تھے تلوار لے کر مگر جب علی اصغر آئے تو اب دُشمن کی زبان بند ہو گئی اب بے گناہی حسین پر علی اصغر کے خون نے مہر تصدیق ثبت کر دی اب یہ وہ ہستی ہے کہ حسینؑ تو دین کی زبان میں معصوم تھے اور یہ بچہ تمام دُنیا کی زبان میں معصوم ہے ہر مذہب و ملت کی زبان میں معصوم ہے اور بس اربابِ عزا ایک جملہ عرض کر کے اسی پر ختم کر دوں گا کہ ہاتھوں پر بے شیر۔ تیر سہ شعبہ اور بچے کی گردن اُدھر بچے نے حسینؑ کے ہاتھوں پر دم توڑا اور مولا نے گویا قیامت تک کے انسانوں کو پکار کر پوچھا کہ کیوں بتاؤ ایسوں کی بیعت کر لیتا۔ مقصدِ حسینؑ میں رُوح پڑ گئی جان پیدا ہو گئی۔

مجلس چہارم

دینِ اسلام

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؕ

اِنَّ الدِّیۡنَ عِنۡدَ اللّٰہِ الۡاِسۡلَامُ ۔

کل اس پر گفتگو تھی کہ کہا جاتا ہے کہ دین آزادی سلب کرتا ہے اب میں اسوقت ایک پہلو کی طرف اس سلسلے میں توجہ دلاتا ہوں کہ یہ لوگ کہہ رہے ہیں کہ آزادی انسان کا حق ہے میں کہتا ہوں انسان ایک آدمی کا تو نام نہیں ہے انسان ایک پوری نوع ہے جس میں ہر فرد آدمی ہے ہر فرد انسان ہے اور آزادی کا مطلب آپ یہ سمجھ رہے ہیں کہ جو چاہیں وہ کریں جو دل چاہے وہ عمل میں لے آئیں یہ ہیں آپ کے نزدیک آزادی کے معنی جس کا مطالبہ کر رہے ہیں تو یاد رکھنا چاہیئے کہ انسان کی خواہشیں ہیں لامحدود کسی نقطے کے اوپر انسان کی خواہش ٹھہرتی نہیں اس کو میں روزمرہ کی دو تین مثالوں سے واضح کروں گا جو ماشاءاللہ سن رسیدہ افراد ہیں میں خود الحمدللہ اسی جماعت میں داخل ہوں تو اس جماعت پر طنز و تعریض میرا نصب العین تو ہو نہیں سکتا، مگر یہ ایک نفسیاتی حقیقت ہے کہ کچھ دن بڑے بوڑھوں کے پاس رہیئے اور ان کی بات چیت سنیے تو اکثر یہ کہتے ہوئے وہ آپ کو ملیں گے کہ خدا نے سب

حسرتیں پُوری کر دیں بس یہ ایک حسرت اور ہے اب مثلاً کوئی صاجزادے ابھی کمسن ہیں آخری عمر کی اولاد تھی اس لئے ابھی وہ چھوٹے ہی ہیں کہتے یہ سُنا کہ الحمدللہ سب حسرتیں پُوری ہوگئیں بس اس بچے کو اب یہ ہمارے ہاں کی اُردو ہے کہ ہاتھ مُنہ کا دیکھ لیں یعنی خود مُکتفی ہو جائے ۔ اچھا خدا کا شکر اللہ نے عمر میں برکت عطا کی یہ حسرت پُوری ہوگئی مگر اب ہم نے سُنا کہ سب حسرتیں پُوری ہوگئیں بس اب اس کے سر پر سہرا بھی دیکھ لیں الحمدللہ تھوڑے دنوں میں سہرا بھی بندھ گیا تو اب یہ کہتے سُنا کہ الحمدللہ اللہ نے ساری حسرتیں پُوری کر دیں بس اب سہرا تو بندھ ہی چکا ہے شادی ہو چکی ہے تو بس اللہ اس کا ہنستا کھیلتا بچّہ دکھا دے اب یاد رکھئے کہ یہ حسرت اگر پُوری ہوگئی تو اس بچّے میں وہی سلسلہ شروع ہوگا غرض پوری عمر گزر جائیگی اور یہ ایک عدد حسرت رہ جائے گی اسی کو معاشیات کے دائرے میں لے جائیں تو وہ کلرک جسکو کسی زمانے میں ۵۰ روپلے مہینے تنخواہ ملتی تھی اور اس زمانے میں ۵۰ روپلے اچھی تنخواہ ہوتی تھی تو اسکو ہم نے کہتے سُنا کہ خدا کا شکر ہے گزر بسر ہو جاتی ہے مگر ایک دس روپلے اور بڑھ جائیں تو آرام سے گزر ہونے لگے اب ظاہر ہے دفتروں میں ترقیاں ہوتی ہیں کچھ دن میں وہ دس۱۰ روپلے بڑھ گئے تو پھر یہی سُنا کہ خدا کا شکر ہے گزر بسر ہو جاتی ہے بس ایک دس روپلے اور بڑھ جائیں غرض کتنی دفعہ ۱۰ روپلے بڑھے مگر وہ دس۱۰ روپلے کی کمی باقی رہی اب جن کی آمدنی دسوں کے لحاظ سے ہے ان کو دس۱۰ کی کمی محسوس ہوتی ہے اور جن کی آمدنی سینکڑوں کے لحاظ سے ہے ان کو پُورے سَو۱۰۰ کی کمی محسوس ہوتی ہے اور جہاں بحمداللہ ہزاروں کے وارے نیارے ہیں وہاں پُورے ایک ہزار کی کمی

محسوس ہوتی ہے غرض یہ وہ پیاس ہے جو جتنی بجھتی ہے اتنی بھڑکتی ہے یہی چیز جب اُونچے حلقوں میں جاتی ہے تو فتح ممالک کے جذبے کے تحت ابھرتی ہے جس کے پاس ایک ملک ہے، اب وہ یہ کیا کہے کہ میری ضروریات کے لئے ناکافی ہے وہ کہتا ہے کہ میری رعایا کے لئے یہ ناکافی ہے خواہ خود کتنا رعایا کا خون چوس لے۔ اس وقت رعایا کی ہمدردی پر زور ہوتا ہے تو اس لئے اب وہ اپنی رعایا کی خاطر پاس والے ملک پر حملہ کرتا ہے پھر جب ایک حصہ لے لیتا ہے تو اتنی ہی کمی اور محسوس ہوتی ہے نتیجہ یہ ہے کہ جہاں میں جہاں تک جگہ پائیے عمارت بناتے چلے جائے اور وہ بڑی طاقتیں جن کا اس دُنیا میں کسی نہ کسی طرح سے اثر ہر طرف چھا گیا معاہدوں سے سہی میثاقوں سے سہی کسی صورت سے یہاں ہر طرف اثر چھا گیا تو اب نگاہ گئی کہ چاند میں بھی آبادی ہے یا نہیں، مریخ میں بھی آبادی ہے یا نہیں کوئی کہے کہ یہ تو بیچارے تحقیقات کے لئے جا رہے ہیں اس میں فتح کے جذبے کا کیا سوال ہے میں کہتا ہوں کہ یہ تو سابق زمانے کا غیر سیاستداں حملہ آور ہوتا تھا جو حملہ حملے کے نام سے کرتا تھا فتح کے نام سے کرتا تھا آج کی سیاست تو کسی نہ کسی بھیس میں اپنے اقتدار کو بڑھاتی ہے ہمیں اور اس ہم میں دونوں ملکوں کے عوام داخل ہیں کیونکہ اس وقت تو سب ہی ایک تھا ہمیں اس کا پُورا تجربہ ہے صاحب بہادر آئے تھے تجارت کرنے مگر تجارت کرنے آئے اور یہاں کی مخلوق نابالغ نظر آئی ولی بننے کا شوق ہوا اور یہ لاکھ کہیں ہمیں ضرورت نہیں وہ کہتے ہیں ہم سمجھتے ہیں تمہیں ہماری ضرورت ہے جب اس لائق ہو جاؤ گے تو چلے جائیں گے حالانکہ جب تک رہے ممکن ہے یہ کام

کیا ہو کہ چلے بھی جائیں تو بغیر ہمارے یہ حکومت نہ کر سکیں ہمارے ہمیشہ محتاج رہیں یہ ہے اس دنیا کا سیاستدان تو اگر عالم بالا پر گیا تو میں کہتا ہوں کہ جیسے شاعر نے اسی دن کے لئے یہ شعر کہا تھا کہ ؎

تو کار زمیں را نکو ساختی　　　　کہ با آسماں نیز پرداختی

اس دُنیا میں آپ نے امن کے بادل خوب برسائے ہیں جو اب عالم بالا پر آپ جائیے اور وہاں سے خیر و برکت کی بارش کی اُمید کریں تو غرض یہ کہ انسانی خواہشیں لامحدود ہیں اور آزادی کے معنی یہ آپ سمجھتے ہیں کہ ہر ایک کی خواہش پوری ہو تو اب یا تو ایک کو آزاد کر دیا جائے اور باقی سب کو قید تو یہ تو وہ کریگا جس کی اس ایک سے کوئی رشتہ داری ہو اور یا پھر یہی صورت ہے کہ آزادی کے حق کو تقسیم کر دیا جائے یعنی ہر ایک اس حد تک آزاد جہاں تک دوسروں کے حقوق کو صدمہ نہ پہنچے اور جہاں سے دوسروں کے حقوق کو صدمہ پہنچے وہیں سے مقید۔ یہ قید فرد کے لئے قید ہے مگر تمام نوع کے لئے آزادی ہے۔ یہ تمام نوع کو جنس آزادی سے بہرہ ور بنانے کا ذریعہ ہے مگر یہ حقوق آزادی کو تقسیم کون کرے یاد رکھئے کہ اگر اس تقسیم کا مرکز کوئی مادی ہوا یعنی کسی خاندان کا آدمی کسی نسل کا آدمی کسی ملک کا آدمی تو ایک، تو جو اس سے قریب ہیں اُن کی ضرورتوں کا احساس زیادہ ہوگا دوسروں کے ضروریات کی اس کو خبر نہ ہوگی دُوسرے اسکو ہمدردی بھی ایک سے زیادہ ہوگی دُوسروں سے وہ ہمدردی نہ ہوگی لہٰذا عدل کلی قائم نہیں ہو سکتا۔ تو ضرورت ہے کہ مرکز تقسیم آزادی ایک ایسی ذات ہو جو خود کسی ملک کا نہیں ہے جو خود کسی خاندان کا نہیں ہے جو خود کسی نسل کا نہیں ہے۔

جب اس کی طرف سے حقوق آزادی کا قانون بنے گا تو ہر ایک کا ضمیر مطمئن ہو سکے گا کہ میرے ساتھ انصاف ہوا ہے اور یاد رکھئے کہ مذہب وہی قانون پیش کرتا ہے کہ جس سے تمام نوع انسانی کو اطمینان پیدا ہو کہ یہ اس کی طرف سے ہے جو ہم سب کا خالق ہے، ہم سب کا پیدا کرنے والا ہے اس لئے اس میں کسی کے ساتھ ناانصافی کا سوال نہیں اور ظاہر ہے یہ موضوع ایسا ہے جو مشترک مجمعوں میں بیان ہوتا ہے کیونکہ مذہب وملت کا سوال نہیں ہے مذہب کی جنگ ہر طبقے میں ہے تو وہاں میں یہ چیز پیش کرتا ہوں غور کیجئے میں کہتا ہوں کہ تمام دُنیا کی قوموں کو مسلمانوں کے تجربے سے فائدہ اُٹھانا چاہیئے کہ جس جس چیز کو خدا کی طرف سے مان لیا پھر اس میں اختلاف نہیں ہوا۔ قبلے کو خدا کی طرف سے مان لیا تو دو کعبے تو نہیں ہوئے۔ کتاب کو خدا کی طرف سے مان لیا تو دو قرآن تو نہیں ہوئے۔ رسُول کو خدا کی طرف سے مان لیا تو دو پیغمبر تو نہیں ہوئے جس جس چیز کو خدا کی طرف سے مان لیا اس میں اختلاف نہیں ہوا جہاں سے انسانوں نے اپنا اختیار صرف کر دیا۔ صلواۃ۔

اور اس کی طرف سے جو قانون پیش ہوتا ہے اسی کا نام شریعتِ اسلام ہے اور میں نے پہلے کہا تھا کہ کچھ دن دین اور کچھ دن اسلام۔ اب کتاب سے تقریباً برابر کی تقسیم۔ آج پانچویں مجلس ہے تو پانچ دن تک دین ہی دین رہا اور آج پانچویں دن سے اسلام شروع ہوا۔ تو جب اس کی طرف سے کوئی قانون ہو گا تو ہر ایک کا ضمیر مطمئن ہو سکتا ہے اور یاد رکھیئے کہ بے چینیاں سب ضمیر کے عدمِ اطمینان سے پیدا ہوتی ہیں گھر والوں میں ہر ایک کو اطمینان ہو کہ ہمارے ساتھ انصاف

ہوگا تو آپس میں کوئی رنجش نہیں ہوگی۔ محلے والوں کو سب کو اطمینان ہو کہ ہمارے ساتھ انصاف ہوگا تو محلے کے اندر کوئی کشمکش نہیں ہوسکتی اب قرآن مجید کو دیکھیں وہ کیا کہہ رہا ہے الا بذکر اللہ تطمئن القلوب۔ صلوٰۃ۔

یاد رکھو کہ اللہ کو یاد رکھنے سے دلوں میں سکون ہوتا ہے جب تک اس ایک کو یہ نہ مانیں گے اس وقت تک اس مرکز کا تصور نہیں ہوگا جس سے سب کو رشتہ ہے۔ میں نے کہا کہ مرکز اگر کوئی محدود ہوا کسی ایک سے قریب ایک سے دور تو عدلِ کلی قائم نہیں ہوسکتا آج کل تو اسکول اور کالج میں ابتدائی درجوں میں بھی کچھ نہ کچھ ریاضی پڑھائی جاتی ہے ریاضی کے بہت سے شعبے ہیں کچھ گنتی سے متعلق ہیں کچھ مقدار سے متعلق ہیں ہر ایک کے الگ الگ نام ہیں۔ تو ریاضی کا ابتدائی مسئلہ کہ مختلف شکلیں ہوتی ہیں کوئی مثلث کوئی مربع کوئی مسدس، جتنی بھی شکلیں ہوتی ہیں ان میں جو نکتہ مانیئے گا وہ کسی طرف سے قریب ہوگا ایک طرف سے دور ہوگا۔ بس ایک شکل ہے دنیا میں کہ جس میں ایک نکتہ ایسا مانا جاسکتا ہے کہ جتنے خطوط کھینچے جائیں وہ سب برابر ہوں اس میں کوئی فرق نہ ہو وہ شکل دائرہ کی ہے اس جسم کو کرہ کہتے ہیں اور اس نقطہ کو جس سے سب خط برابر ہوں مرکز کہتے ہیں اب یہاں بچے بھی جتنی تھوڑی سی ریاضی پڑھے ہوئے ہیں اور بڑے بھی اپنے معیار پر جنہوں نے ریاضی پڑھی ہے سمجھ سکتے ہیں کہ یاد رکھیئے مرکز سے ہٹے ہوئے نقطے بے شمار ہوسکتے ہیں مگر مرکز دائرہ کا ایک سے زیادہ نہیں ہوسکتا اگر مرکز کئی ہوں تو دائرے کئی ہوں گے ایک دائرہ کا مرکز ایک سے زیادہ نہیں ہوسکتا۔ اب یہیں ایک اور حقیقت پر توجہ کیجئے اور وہ کیا ہے کہ مرکز ایک اور

ہوتا ہے اور ایسا ایک جو ناقابلِ تقسیم ہو واحد غیر منقسم اس لئے کہ اگر اس کے اجزاء
ہوئے تو کوئی جز کِسی طرف سے قریب ہوگا کِسی طرف سے دُور ہوگا تو وہ مرکز
نہ بن سکے گا لہٰذا مرکز ہوتا ہے وہ نقطہ جو واحد غیر منقسم ہو اور اب اسی کا ایک اور
نتیجہ اور وہ یہ کہ مرکز آنکھ سے نہیں دکھائی دیتا اس لئے کہ میری اور آپ کی باریک
سے باریک نب سے جو نقطہ بنے وہ نقطہ نہیں ہوتا جسم ہوتا ہے اس میں اجزاء
ہوتے ہیں اور مرکز وہ نقطہ ہے جسمیں اجزاء نہ ہوں، لہٰذا یہ نقطہ مرکزی کبھی آنکھ
سے نہیں دکھائی دیتا مگر دائرہ کا وجود بے دیکھے مرکز کو منواتا ہے اب میں یہ
کہتا ہوں یہ چھوٹا سا دائرہ جو میرے، یا آپ کے پرکار سے بن جائے اس کا مرکز
بھی دکھائی نہ دے مگر بے دیکھے اُسے ماننا پڑے اور اس دائرہ کائنات کے
لئے مطالبہ ہے کہ مرکز کو آنکھ سے دیکھیں گے تو مانیں گے۔ دنیا میں امن کے
جھنڈے بلند رہتے ہیں اور ہر ایک امن عالم کا علم بلند کئے رہتا ہے آج دُنیا
میں کوئی ایک نہیں جو بدامنی کا داعی ہو جتنے ہیں سب امن کے علمبردار اور
امن کے داعی۔ اس کے لئے امن کانفرنس ہوتی ہیں اس کے لئے بڑے بڑے
افراد کی گفتگوئیں ہوتی ہیں۔ مجھے بھی دیکھتے دیکھتے اخباروں سے بہت سی لفظیں
یاد ہوگئی ہیں دو طاقتی کانفرنس، سہ طاقتی کانفرنس، چار طاقتی کانفرنس اور ایک
محاورہ یہ کچھ عرصہ سے نکلا کہ چوٹی کانفرنس اور اس کے بعد گول میز کانفرنس۔ کوئی
کہے بھلا یہ گول میز کیا ہوتی ہے یہ بھی اسی لئے ہوتی ہے کہ اگر میز گول نہ ہوگی تو
سوال اوّل و آخر کا پیدا ہوگا کہ کون پہلے بیٹھا ہے کون بعد کو جب گول میز ہوگی
تو ہر اوّل آخر ہے جہاں سے خط چلے گا وہیں گھوم کر آئے گا اس کے معنی ہیں کہ

ضرورت مرکز کی سب کے ذہن میں ہے مگر میں کہتا ہوں کہ جسمانی طور پر میز گول بنالی مگر ذہن میں مرکز کا تصوّر نہیں ہے اور اسی کا نتیجہ یہ ہے کہ زیادہ تر گفتگوئیں ناکام ہوتی ہیں بلکہ میں تو دیکھتا ہوں جہاں تک میرے تجربہ ہیں ایسی کانفرنسوں کے زمانے کے کہ ہر کوشش امن تمہید جنگ ہوتی ہے۔ یہ کیوں تمہید جنگ بنتی ہے یہ صرف اس لئے کہ جو لوگ گفتگو میں شریک ہوتے ہیں وہ چاہے گول میز پر بیٹھے ہوں ان کے پہلو سے پہلو ملے ہوئے ہوں کاندھے سے کاندھا جڑا ہوا ہے مگر دل و دماغ سب کے الگ ہیں کاغذ پر امن ہے ماشاءاللہ اُردو زبان ہے میں تجربہ کر لیا کرتا ہوں یہاں کا مجمع واقف ہے کہ زبان پر امن ہے کاغذ پر امن ہے تقریر میں امن ہے تحریر میں امن ہے اور دل میں ہر ایک کے من ہے یہ جو امن کی کوشش ہوتی ہے امن کی گفتگو ہوتی ہے عموماً یہ بھی ایک نوعیت کی جنگ ہوتی ہے کوئی کہے یہ جنگ کاہے کی ہے۔ یہ جنگ اس کی ہے کہ کون اتنا بڑا سیاست دان ہے کہ اپنی ذاتی قومی اپنی پارٹی کے مفاد پر اتنا گہرا ملمع چڑھا سکے کہ دوسرے بے وقوف بن کر مان لیں اور جناب جب تک گفتگوئیں ہوتی رہیں تو اتنی دفعہ یہ لفظیں اخباروں میں دیکھی ہیں کہ مجھے حفظ ہو گئی ہیں۔ یہ اطلاع آتی رہی کہ معاملات ترقی پذیر ہیں فلاں صاحب نکلے تو مسکرا رہے تھے فلاں صاحب نکلے تو ہنس رہے تھے اخبار نویسوں کے جواب میں انہوں نے کہا کہ ارے ابھی جلدی کیا ہے بتائیں گے انہوں نے ہنس کے کہا تھا یہ سب قرائن ہیں اور کچھ عرصہ میں یہ آیا کہ اب ایک فریق نے دوسرے کے معاملے کو باتوں کو سمجھ لیا ہے غنیمت ہوئی کہ اتنی دیر میں بھی سمجھا۔ جب تک ہوتی رہی

کانفرنس یہ خبریں آتی رہیں اور اس کے بعد اگر کوئی ایسا شاطر سیاستدان ثابت ہوا کہ اس نے بڑا گہرا ملمع چڑھا دیا تو یہ ہوا کہ ہو گیا ہو گیا ہو گیا، مگر ملمع کتنے دن رہے گا۔ تھوڑے عرصہ میں دوسرے کو محسوس ہوا کہ ارے اس سے تو ایک زیادہ فائدہ اُٹھا لے گیا۔ بس اب وہیں سے معاہدہ شکنی کی فکر ہوئی، مگر اس طرح کہ الزام دوسرے پر آئے ہمارے اوپر الزام نہ آئے اور اگر فرض کیجئے کہ دونوں شاطر سیاستدان ہوئے برابر کی جوڑی ہوئی تو اعلان ہوا کہ کچھ طے نہیں پایا پھر ملیں گے پھر گفتگو ہوگی۔ اب یہ سُنی سنائی کُشتی کی ایک لفظ مجھے یاد ہے حالانکہ میں نے تمام عمر میں دنگل ایک دفعہ بھی نہیں دیکھا کہ یہ جو اعلان ہو گیا کہ کچھ نہیں طے ہوا اس کے معنی یہ ہیں کہ کُشتی برابر کی چھوٹی۔ کوئی ایک دوسرے کو مغلوب نہیں کر سکا یہ کیوں ہے اس لئے کہ کوئی مشترک مقصد سامنے نہیں ہے۔ بہبودیٔ خلق کا کوئی نقطہ نظر سامنے ہو تو سب اس نقطہ پر جمع ہو سکیں ہر ایک کو اپنے مقاصد کی فکر ہے لہٰذا کوئی کوشش بار آور نہیں ہوتی۔ لہٰذا امنِ عالم کا پیغام لیکر جو اسلام آیا تھا اور ہمارے نزدیک تو اسلام شروع ہی سے تھا آدم بھی جسے لیکر آئے تھے وہ اسلام ہی تھا نوح بھی جسے لیکر آئے تھے وہ اسلام ہی تھا حضرتِ ابراہیمؑ اور تمام انبیاء اسلام ہی کی دعوت دیتے رہے یہ اور بات ہے کہ قرآن مجید نے کہا ہے کہ نام اسلام تھا حضرت ابراہیمؑ کے وقت سے شروع ہوا۔ ھُوَ سَمّٰکُمُ المُسلِمِین مگر یہ کہ حقیقتِ اسلام ہر ایک نبی کے دور میں تھی شریعتیں بدلتی رہیں۔ دین تبدیل نہیں ہوتا۔ دین سب کے دور میں ایک ہی تھا اور وہ اسلام تھا۔ سب سے آخر میں اس کی تکمیل کے لئے اس کو پورے طور سے قوت

کے ساتھ دُنیا کے سامنے پیش کرنے کے لئے حضرت پیغمبر اسلام محمد مصطفیٰ تشریف
لائے اب آپ نے دنیا کے سامنے آکر یہ پیغام جو پہنچایا تو اس کے بنیادی اصول
کیا تھے ہر ایک مسلمان کو میں دعوت دیتا ہوں کہ آپ نے کھڑے ہو کر جو کلمہ
پڑھوایا وہ محمد رسول اللہ نہیں تھا یہ نہیں کہہ رہے تھے کہ قولوا محمد رسول
اللہ ۔ وہ تو ان کے کہنے سے جب اسے پڑھ لیں گے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ
مان لیا مگر انہوں نے یہ نہیں کیا ان کی آواز تو یہ تھی کہ قولوا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ تفلحوا
بالکل جیسے ایک نصیحت کرنے والے کی صدا ہوتی ہے کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کہو تمہارا
بھلا ہوگا اور کہو کے یہ معنی تھوڑی ہیں کہ زبان سے کسی وقت کھڑے ہو کر نعرہ لگا
لو نہیں۔ یہ کہو وہ ہے کہ جیسے آپ کہتے ہیں کہ میرا قول یہ ہے میں تو اس کا
قائل ہوں یعنی تمہارا نقطۂ نظر یہ ہونا چاہیئے کہ کوئی خدا نہیں سوائے اللہ کے۔
اگر عرب سے یہ کلمہ پڑھوالتے کہ اللہ اِلٰہُ اللہ خدا ہے تو پورا عرب کلمہ پڑھ
لیتا اس لئے کہ اللہ کو تو وہ مانتے تھے خود قرآن کہہ رہا ہے مگر اللہ کے سوا بھی بہت
سوں کو مانتے تھے تو یہاں یہ نہیں کہا جا رہا ہے کہ کلمہ پڑھو اللہ الٰہ ہے یعنی فقط
اللہ کی دعوت نہیں دی جا رہی ہے یہ نہیں کہا جا رہا کہ کہو اللہ خدا ہے کہا جا
رہا ہے کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کوئی خدا نہیں ہے سوائے اللہ کے تفلحوا تمہارا بھلا ہو
گا اب اس وقت کے جاہل عرب کیا سمجھتے کہ اللہ کو ایک کہیں تو ہمارا بھلا ہو وہ
سمجھتے تھے کہ بھلا ہوگا تو اس کا ہوگا جس کے رقیبوں کا خاتمہ کریں گے مگر رسول فرما
رہے تھے کہ اللہ کو ایک کہو تو تمہارا بھلا ہوگا تو اس وقت کے جاہل عرب نہ
سمجھے اب نئی روشنی والے تو سمجھیں اب بجلی کی روشنی والے تو سمجھیں کہ نوعِ انسانی

کا کیا بھلا ہے یاد رکھئے کہ اس وقت دنیا تڑپ رہی ہے. دو چیزوں کے لئے ایک اخوت اور ایک مساوات - اخوت کے معنی برادری اور مساوات کے معنی برابری تمام دنیا ان دو چیزوں کے لئے تڑپ رہی ہے اور اس لئے مختلف ازم چل رہے ہیں - یہ دولت کی برابر سے تقسیم کا ہے کے لئے - اسی لئے کہ دولت مند غریب کو دباتا ہے لہٰذا برابر سے تقسیم کر دو کہ نہ غریب رہے نہ فقیر نہ دولت مند رہے نہ غریب تو سب ایک ہو جائیں سب برابر ہو جائیں، مگر ماشاء اللہ صاحبان فہم ہیں تعلیم یافتہ افراد ہیں میں کہتا ہوں کہ یہ جو علاج تجویز کیا جا رہا ہے کیا یہ واقعی مرض کا صحیح علاج ہے یاد رکھئے کہ نوع انسانی میں تفرقہ اگر دولت اور غربت کا ہوتا تو آپ دولت کو برابر سے تقسیم کر کے سمجھ لیتے کہ مساوات قائم ہو گئی مگر نوع انسانی میں تفرقہ فقط دولت کا تو نہیں ہے بازو ول کی طاقت میں بھی فرق ہے ایک قوی ہیکل ہوتا ہے دوسرے لوگ ناتواں ہوتے ہیں وجاہت اور اثر میں بھی فرق ہوتا ہے ایک با اثر ہوتا ہے دوسرے لوگ بے اثر ہوتے ہیں، قوم و قبیلے کی کثرت میں بھی فرق ہوتا ہے ایک کا خاندان بڑا ہے اس کی آواز پر بہت لوگ کھڑے ہو جاتے ہیں ایک بے چارہ یوسف بے کارواں ہے اس کا ساتھ دینے والا کوئی نہیں ہوتا اور دماغی فوقیت میں بھی فرق ہوتا ہے ایک آدمی ذہین ہوتا ہے باقی لوگ کُند ذہن ہوتے ہیں جس طرح دولت مند اپنی دولت سے غریبوں کو دباتا ہے اسی طرح سے صاحب طاقت اپنے بازوؤں کی قوت سے دُوسرے کمزوروں کو دباتا ہے کسی محلہ میں اگر کوئی پہلوان صاحب ہوں تو دیکھئے کہ سب ان کے رحم و کرم پر ہو جاتے ہیں کہ نہیں اور ایک صاحب

قوم و قبیلہ اپنے قبیلے کی کثرت سے دُوسروں کو دباتا ہے۔ ارے کسی زمانے میں خاندان و قبیلہ ہوتا تھا اب پارٹی سہی جس کی پارٹی بڑی ہوتی ہے وہ ان کو دباتا ہے جن کی پارٹی چھوٹی ہے اور دماغی فوقیّت۔ ذہین افراد ایسی اسکیمیں بناتے ہیں کہ دُوسرے لوگ بے وقوف بن کر ان کے قبضہ میں آجائیں وہ اپنا مطلب پُورا کریں تو حضور دولت تو ہے باہر کی چیز اسے آپ چھین کر برابر سے تقسیم کر دیں۔ وہ تو دولت کی تصویر حضرت امیرالمومنین علی ابن ابی طالبؑ فرما چکے ہیں ان کان یبقی لک فلا تبقی لھا۔ اگر یہ تمہارے لئے رہ بھی جائے تو تم اس کے لئے نہیں رہو گے یہ دولت تو چور لے جاتے ہیں ڈاکو لے جاتے ہیں ہم آپ اگر قانون بنا کر چھین لیں گے تو کارنامہ کیا ہوگا۔ لیکن بازوؤں کی طاقت کا کیا کیجئے گا اسے بھی کیا طاقتوروں کے بازوؤں سے کھینچ کر کمزوروں کے جسم پر تقسیم کیجئے گا اور خاندان اور قبیلے کا کیا کیجئے گا کیا افراد خاندان کو بھی تقسیم کیجئے گا کہ کسی کے حصہ میں باپ چلا جائے کسی کے حصہ میں بیٹا دماغی فوقیّت کو کیا کیجئے گا کیا اُسے بھی ذہین افراد کے دماغوں سے نکال کر سادہ لوحوں پر بھولے بھالوں پر تقسیم کیجئے گا آپ سمجھئے گا کہ برابر سے سب عقلمند ہو گئے اور میں سمجھوں گا کہ سب برابر کے بے وقوف ہو گئے جب یہ سب نہیں ہو سکتا تو دولت کو برابر سے تقسیم کر کے یہ سمجھ لینا کہ مساوات ہو گئی اور عدالت قائم ہو گئی یہ طفل تسلّی نہیں تو کیا ہے اسلام جو نباض فطرت بشر تھا اور کیوں نہ ہوتا جبکہ خالق بشر کی طرف کا پیغام تھا اس نے محسوس کیا کہ بیرونی مساوات تو قائم نہیں ہو سکتی ارے زمینیں سب برابر نہیں ہو سکتیں کوئی سخت ہے کوئی نرم۔ پہاڑ سب برابر نہیں ہیں کوئی اُونچا کوئی نیچا۔ درخت سب برابر

نہیں ہیں دریا سب برابر نہیں ہیں کوئی گہرا ہے کوئی اتھلا تو اسی طرح سے انسانوں میں صلاحیتیں مختلف ہیں قابلیتیں مختلف ہیں اور انہی صلاحیتوں کا اختلاف ہے جو دولت و غربت کی شکل میں اُبھرا ہے تو خارجی مساوات تو قائم نہیں ہوسکتی لیکن ذہنیت کی تعمیر ایسی کرو کہ ایک بازوؤں کی طاقت والا اپنے بازوؤں کی طاقت کو دُوسروں کو دبانے میں صرف نہ کرے بلکہ کمزوروں کا محافظ بن جائے ایک صاحب قوم و قبیلہ اپنے قبیلے کی کثرت یا پارٹی کی کثرت سے دُوسرے بے نوا افراد کو دبانے کا کام نہ لے بلکہ ان کا پاسبان بن جائے ان کا حامی بن جائے اور ایک ذہین فرد اپنے ذہن کو تعمیری کاموں میں صرف کرے تخریبی کاموں میں صرف نہ کرے اگر یہ بات ہو جائے تو ایک فرد کو دی ہوئی اللہ کی نعمت پوری قوم کا سرمایہ بن جائے اور پھر دولت مندی بھی لعنت نہ رہے اور اگر اس ذہنیت کی تعمیر نہیں ہوتی تو لاکھ دفعہ دولت کو برابر سے تقسیم کر دیجیئے عدل کلّی قائم نہیں ہوگا اور ظلم کا خاتمہ نہیں ہوگا لہٰذا یہ ذہنیت بننے کی ضرورت ہے اب یہ ذہنیت کیونکر بنے اس ذہنیت کے بنانے کی صورت اخوّت ہے۔ دنیا مساوات قائم کرکے اخوّت لانا چاہتی ہے۔ ذہن میں اخوّت پیدا کرو۔ احساس اخوت۔ پھر مساوات کے لئے قانون کے دباؤ کی ضرورت نہ ہوگی خود ذہنیت تعمیر پسند ہو جائے گی۔ تو اب اخوت کیونکر ہو۔ اب جناب یہ اخوّت عربی کا لفظ ہے ماشاء اللہ آپ اتنی عربی جانتے ہیں، مگر اب اسکو اُردو میں کہیں تو بھائی چارہ فارسی میں لے جائیں تو برادری۔ کتنی دفعہ یہ زبانوں سے۔ آپ کہیں زبانوں پہ آیکی آئے یہ تقریر کے لئے کھڑے ہوئے ارے روزمرہ کی گفتگو میں بھائی بھیّا بھائی صاحب اور پھر تقریر کے لئے کھڑے

ہوئے تو وہاں بھی کہا کرتا ہوں کہ بھائیو بہنو۔ آج کل کے دستور کے مطابق بہنو بھائیو
چاہے وہ ہو چاہے یہ مجھے اس وقت اس سے بحث نہیں تو یہ بھائی کی لفظ اتنی دفعہ
زبان پر آتی ہے، لیکن کبھی آپ نے سوچا بھی ہے کہ یہ بھائی ہوتا کیونکر ہے جو
میں کہتا ہوں دیکھئے اور فرصت کے لمحات میں غور کیجئے مجلس کا مقصد یہ نہیں ہے
کہ بس خوش ہوئے چلے گئے اپنی جگہ بھی سوچئے دیکھئے کہ بھائی آخر کیونکر ہوتے ہیں
ایک کلیہ میں کہتا ہوں ابھی شاید عربی کی لفظیں اکثریت نہ سمجھے، لیکن جب تشریح
کروں گا تو سمجھیں گے کہ جب کوئی کثرت وحدت سے منسوب ہو تو اُس کے اجزاء
میں برادری بھی پیدا ہو جائے گی برابری بھی پیدا ہو جائے گی۔ کثرت کے معنی ایک
سے زیادہ ہونا۔ وحدت کے معنی ایک ہونا۔ جب کوئی کثرت کسی وحدت سے
منسوب ہو۔ اب مثالوں سے واضح ہو جائے گا۔ یہ سگے بھائی بہن کیوں بھائی
بہن ہیں کیونکہ ایک ماں باپ کی اولاد ہیں تو ایک ماں باپ کی اولاد دس ہوئی تو
دس بھائی بہن پچاس ہوئی تو پچاس بھائی بہن اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ نہ
دیکھئے کہ کثرت کتنی بڑی ہے یہ دیکھئے کہ وحدت نے کتنوں کو سمویا ہے اب
ہمارے ہندوستان کے دیہاتوں میں یہ محاورہ ہے شاید یہاں بھی یاد ہو کہ
کہا جاتا ہے کہ یہ ہماری برادری کے ہیں تو برادری کا کیا مطلب ہے یعنی اپنا
اپنا باپ تو الگ مگر پانچ پشت پر چھ پشت پر جا کر کوئی ایک مورثِ اعلیٰ ہے
جس کی اولاد میں ہم بھی ہیں اور آپ بھی مثلاً ماشاء اللہ خواجگان نارووال سب
ایک برادری تو اب محسوس کیجئے کہ کتنی ہی دُور جا کر ایک کا تصور پیدا ہو وہیں
سے برادری قائم ہوتی ہے اور اب جناب دنیا نے اور ترقی کی اب یہ خیال پیدا

ہوا یہ ہمارے ہم وطن ہیں۔ ہم وطن کے کیا معنی ایک دیس کے باشندے اسمیں
کتنا جذب ہوتا ہے کہ پردیس میں کبھی اپنے ہم وطن کو دیکھ لیا تو جب وہاں تھے
تو کبھی صاحب سلامت نہ تھی اب دُوسرے ملک میں دیکھا تو دل چاہا کہ جائیں
کچھ اپنی کہیں کچھ اس کی سُنیں یہ ہوتا ہے جذب ہم وطن ہونے کا ہم وطن ایک
معلوم ہوا ایک کا قدم آیا اور اُلفت پیدا ہوئی اب دنیا نے اور ترقی کی،
احساس ہوا سمتوں کا یہ ایشیا ہے وہ یورپ ہے یہ مشرق ہے وہ مغرب ہے
اب مسائل پر یوں غور ہونے لگا کہ کون مغرب کے لئے زیادہ مفید اور کون مشرق
کے لئے زیادہ مفید حالانکہ ملک اپنے الگ الگ، لیکن چونکہ سمت آفتاب
کے لحاظ سے ایک لہٰذا سب کے مفادات ایک معلوم ہوتا ہے جیسے دُنیا
تڑپ رہی ہے اس ایک کے لئے جو زیادہ سے زیادہ افراد کو ایک بنا سکے
مگر یاد رکھیے کہ ہر اتحاد افتراق کا پیش خیمہ ہوتا ہے کیونکہ جب ایک باپ کی
اولاد میں ایکا ہوگا تو دوسرے باپ کی اولاد کے مقابلے میں محاذ ہوگا جب ایک
برادری میں ایکا ہوگا تو دُوسری برادری کے مقابلے میں محاذ ہوگا جب ایک ملک
والوں میں ایکا ہوگا تو دُوسرے ملک والوں کے مقابلے میں محاذ ہوگا جب ایک
سمت والوں میں اتحاد ہوگا تو دوسری سمت والوں کے مقابلے میں محاذ ہوگا۔
کیوں اس لئے کہ اتحاد کی دیواریں عالمِ انسانیت کے بیچ میں سے اُٹھائی جارہی
ہیں لہٰذا ہر دیوار اِدھر والوں کو ایک کرتی ہے اُدھر والوں سے جدا کرتی ہے۔
اسلام جو کہ عالمگیر برادری کا پیغام لیکر آیا تھا۔ اس نے یہ کام کیا کہ درمیان کی
اتحاد کی دیواروں کو ڈھاکر اور ڈھاکر نہیں تو بلند مقاصد کے لئے نظر انداز کر کے

ایک ایسا احاطہ اتحاد قائم کیا جائے جس میں نہ نسل کی تفریق ہو نہ رنگ کی تفریق ہو نہ ملک کی تفریق ہو اور آخر میں جس میں سمت کی تفریق بھی نہ ہو اور وہ خدائے واحد کا ایکا ہے اب کسی بھی مذہب و ملت کا آدمی ہو میں اس کے سامنے کہتا ہوں کہ کونسی منطق ہے کہ ایک باپ کی اولاد بھائی بھائی ہوگئی ایک مورثِ اعلیٰ کی نسل کے آدمی بھائی بھائی ہو گئے، ایک دیس کے باشندے بھائی بھائی ہو گئے۔ ایک سمت کے رہنے والے بھائی بھائی ہو گئے تو ایک خدا کے پیدا کئے ہوئے بھائی بھائی کیوں نہ ہوئے، مگر یاد رکھئے بھائی کے حقوق فقط وہی سمجھے گا جو باپ کو یاد رکھے جو باپ کو بھول جائے تو بھائی کے حقوق کیسے۔ اب سمجھ میں آیا کہ اسلام نے پوری طاقت اس پر کیوں صرف کر دی کہ اللہ کو ایک مانو اور یاد رکھئے کہ یہ مقصد صرف اللہ کے ماننے سے پورا نہیں ہو سکتا جب تک کہ اُسے ایک بھی نہ مانا جائے اس لئے یہ کہا کہ قولوا لا الٰہ الّا اللہ کہو کہ کوئی خدا نہیں سوائے اللہ کے بس ایک جملہ کہہ کر آگے بڑھوں گا صرف اس جملے کو یاد رکھئے تو پورا بیان یاد رہے گا میں کہتا ہوں یہ توحید خالق کا پیغام اتحاد خلائق کا سنگِ بنیاد ہے اور اب اس کے ذیل میں اشارۃً کہہ چکا کہ اگر کلمہ پڑھوایا جاتا اللہ اِلٰہٌ اللہ خدا ہے تو پورا عرب کلمہ پڑھ لیتا مگر یہاں اللہ کو اِلٰہ کہنے سے مسلمان نہیں ہوتا یہاں تو یہ ہے کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ۔ وہ اللہ کو مانتے تھے قرآن میں ہے اور ان سے عام طور سے میں کہہ دوں جو تین سو ساٹھ کو مانتے تھے ان کے لئے تین سو اکسٹھویں کو ماننے میں کیا عذر تھا۔ یہاں ایک سادہ سا اُردو کا جملہ کہتا ہوں، الٹ پھیر سے مطلب میں فرق ہوتا ہے۔ میں کہتا ہوں

کہ ایک خدا کے ماننے میں عذر نہ تھا خدا کو ایک ماننے میں عذر تھا۔ یہی قرآن کہہ رہا
ہے۔ اَجَعَلَ اٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ۔ انہوں نے
بہت سے خداؤں کو ایک کر دیا یہ عجیب بات ہے بس وہ نفی ان کے لئے بہت
دشوار تھی تو اب میں ایک حقیقت کی طرف توجہ دلاؤں گا کہ قربانیاں جو رسول
نے اتنی پیش کیں وہ الّا کے بعد جو اللہ ہے اس کی راہ میں نہیں ہیں بلکہ اِلّا
کے پہلے جو الٰہ ہے اس کی راہ میں تمام قربانیاں ہیں پورا جہاد پیغمبر کا اس کے
لئے ہے اور آپ خواجہ غریب نواز کے ایک شعر کے معنی سمجھ میں آتے ہیں۔
انہوں نے کہا۔ حقا کہ بنائے لا الہ است حسینؑ۔ آجکل لوگ ہر ایک بات پر
اعتراض کر دیتے ہیں کہ انہوں نے لا الہ کیا کہا۔ لا الہ اکیلا تو کلمہ کفر ہے لا الہ
کی بنیاد بنا دیا حالانکہ ان بے چارے نے فقط تو نہیں کہا تھا ڈاکٹر اقبال صاحب
نے بھی تو کہا پس بنائے لا الہ گردیدہ است۔ انہوں نے بھی تو آدھا لیا پس
بنائے لا الہ گردیدہ است تو وہ تو چھ صدی پہلے تھے یہ تو ابھی کل تھے اور زندہ
گویا اپنی نیک نامی کے لحاظ سے زندہ شاعر ہیں تو جناب ان کے ہاں ہیں یہ
الفاظ۔ پس بنائے لا الہ گردیدہ است۔ تو لوگ یوں بھی کہہ دیتے ہیں کہ
صاحب وہ تو شعر کی مجبوری تھی کہ پورا کلمہ موزوں نہیں ہوتا تھا تو کسی صاحب
نے کہا کہ ضرورت شعری سے میں نے کہا ہے کسی نے کہا کہ شعر کہنے کی ضرورت
ہی کیا تھی تو میں نہیں مانتا۔ ہاں ضرورتِ شعر بھی ہے، لیکن ضرورت شعر کفر
کو ایمان نہیں بنا سکتی، ایک کلمہ کفر کو کلمہ ہدایت تھوڑی بنا سکتی ہے تو یہ نہیں
ہے میں کہتا ہوں کہ ۶۰ھ میں بھی لا الہ خطرہ میں نہیں تھا اس کا ثبوت یہ ہے کہ

مسجدیں تو آباد تھیں اذانیں ہو رہی تھیں خانہ کعبہ میں حج تو ہو رہے تھے وہی لا الٰہ جس کے لئے رسُول نے قربانیاں پیش کیں وہی لا الٰہ خطرہ میں تھا۔ جب دنیا پتھر کے بتوں کو پوج رہی تھی اب گوشت و پوست سے بنا ہوا یزید حکمِ الٰہی کے خلاف لوگوں سے اپنی اطاعت لے رہا تھا حقیقت میں وہی لا الٰہ خطرہ میں تھا اور حضرت امام حسینؑ نے بھی جو اتنی قربانیاں پیش کیں وہ اسی لا الٰہ کی خاطر تھیں اب کوئی کہتا ہے کہ قربانیوں کا نتیجہ کیا ہوا میں آنکھوں سے دکھا سکتا ہوں اور آپ کے موچی دروازے کے باہر وہ شاندار حسین ڈے ہوا تھا جو دونوں حکومتوں کے اہتمام سے ہوا تھا حکومتِ ہند نے بھی اس میں حصّہ لیا تھا اور حکومت پاکستان نے بھی اور دونوں ملکوں کے تعلقات قریب لانے کے لئے ہوا تھا کاش اس نسخے کو چھوڑا نہ گیا ہوتا تو مستقل طور پر تعلقات خوشگوار ہو جاتے۔ تو اس میں مَیں نے۔ بعض حضرات ایسے ہوں گے کہ جو اس میں موجود تھے۔ اس میں ہر مکتبِ خیال کے علما موجود تھے اور آپ کو تو یاد ہو گا کہ اسٹیج اس کا اتنا بڑا تھا جتنا یہ ہمارا ھال ہے۔ اسمیں تمام مذاہب کے علما موجود تھے اور جب علماء ہر مذہب کے موجود تھے تو ہر نقطہ نظر کے مسلمان موجود تھے تو میں نے اس پورے مجمع سے پُوچھا تھا کہ بتاؤ آج یزید جیسا کوئی شخص جانشین رسول ہونے کا دعویٰ کرے تو مانو گے اور حدِ نظر کے سامنے جتنا مجمع تھا سب چیخ اُٹھا تھا کہ ہرگز نہیں مانیں گے میں نے کہا تھا کہ سنہ ۶۰ھ میں مان رہے تھے میں نے سب علما کو گواہ کیا ان سے پُوچھ لیجیے سنہ ۶۰ھ میں تمام مسلمان مان رہے تھے اگر نہ مان رہے ہوتے تو تاریخ شمار کرکے کیوں بتاتی کہ کس کس نے نہیں مانا یہ تاریخ کا شمار کر لینا بتاتا ہے

کہ رسول کے اتنے بعد سنہ ۶۰ ہجری میں صرف پچاس برس بعد سب مان رہے تھے یزید جیسے شخص کو اور آج تیرہ سو برس گزرنے کے بعد آپ نہیں مان رہے تو ماننا پڑے گا کہ حسین نے اپنے خونِ ناحق سے بے ہوش احساسات اسلامی پر جو چھینٹا ڈالا تھا وہ مٹنے پر بھی آج تک اس طرح باقی ہے اور اس طرح بس ایک جملہ کہوں وہ بھی یاد رکھنے کا ہے اور اس کے بعد آگے بڑھوں گا مصائب کی طرف آؤں گا کہ حضور والا حضرت امام حسینؑ نے صرف اس یزید کے مقابلے میں فتح حاصل نہیں کی جو ایک خاص باپ کا بیٹا تھا جو ایک خاص شہر کے تخت پر متمکن تھا اس یزید کے مقابلے میں فتح حاصل نہیں کی ہے بلکہ قیامت تک ہر یزید کے مقابلے میں۔ بس ارباب عزا مقصد اتنا عظیم تھا جبھی تو ایسی قربانیاں پیش کیں اور اب اس کو مجلسی زبان میں پیش کروں کہ عباس کی وفادار اخوت ایسی نہ تھی کہ معمولی مقصد کی خاطر دے دی جائے قاسم جیسا یتیم بھتیجا ایسا نہ تھا کہ معمولی مقصد کی خاطر دے دیا جائے علی اکبر جیسا بیٹا ایسا نہ تھا کہ جو کسی معمولی مقصد کی خاطر قربان کر دیا جائے اور سب سے آخر میں کہوں کہ زینب کی چادر ایسی نہ تھی کہ معمولی مقصد کی خاطر دے دی جائے اور کربلا میں اگر کوئی جنگ مغلوبہ ہوتی تو سب ایک ساتھ شہید ہو گئے ہوتے تو ہمارے لئے رونے کے واسطے تو قیامت تک کے لئے کافی تھا، لیکن یہ جوہر اختیار صبر کا نمودار نہ ہوتا جو کربلا کے تدریجی رفتار مصائب میں ہے دیکھو اصحاب سب چلے گئے عزیز ابھی سب موجود ہیں حسین ابھی اقرار بیعت کر کے علی اکبر کو بچا سکتے ہیں عباس کو بچا سکتے ہیں قاسم کو بچا سکتے ہیں، لیکن حضرت امام حسینؑ نے اپنے عمل سے دکھلا دیا کہ جس راستے میں حبیب کی

پیری گئی اسی راستے میں علی اکبر کی جوانی بھی جائے گی اور بس اہل عزا۔ دُنیا میں ہر کارنامے کی انتہا سمجھی جاتی ہے نفس کی آمد و رفت محاورہ ہمارا یہ ہے کہ آخری دم تک ساتھ دوں گا آخری سانس تک قدم نہیں ہٹاؤں گا مگر جو ہمارے محاورات کی انتہا ہے وہ حسین کے عمل کی عبوری منزل ہے اگر دم کے سانس کے آنے جانے تک قربانی پیش کرنی ہوتی تو یہ جماعت کافی تھی جو خیموں کے باہر ہے مگر حسین انتظام کر کے آئے تھے کہ میرے سانس کا سلسلہ ختم ہو جائے میری قربانیوں کا سلسلہ قطع نہ ہو اس وجہ سے کربلا کے جہاد کے دو حصے ہو گئے ایک جہاد عصر عاشور تک اور ایک جہاد عصر عاشور کے بعد۔ وہ جہاد جو عصر عاشور تک تھا اس کے سرگردہ حسین ابن علی اور وہ جہاد جو عصر عاشور کے بعد تھا اس کی سرگروہ زینب بنت فاطمہ میری کیا مجال کہ میں مولا کے کارناموں پر کسی کے کارنامے کو بڑھاؤں لیکن جو واقعاتی فرق ہے وہ کیونکر نظر انداز کروں کہ جو مصائب حضرت امام حسینؑ نے اُٹھائے ہر منزل میں زینب ساتھ ساتھ تھیں۔ ایک جملہ ماشاءاللہ آپ کے لئے کافی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ قربانی کے راستے میں بھائی چلا گیا بہن رہ گئی۔ اب زینب کی جتنی قربانیاں ہیں۔ اور سب مصیبتیں ایک طرف ارے پیاس ہی کو لے لیجئے جہاں ساتویں سے پانی بند ہو جو جتنا زندہ رہا اتنا زیادہ پیاسا رہا اور اس لئے ۲، سب پیاسے تھے، مگر مرثیہ جب پڑھا گیا حسینؑ کی پیاس کا سید سجاد نے بھی کہا کہ میرا باپ پیاسا رہا زینب نے کہا میرا بھائی پیاسا گیا مگر میں کہتا ہوں کہ ذرا غور کیجئے کہ مولا کی بھی حد عطش عصر عاشور۔ جس کے بعد ہم لوگ فاقہ شکنی کرتے ہیں مگر زینب کب تک پیاسی رہی وہ ایک روایت

پڑھی جاتی ہے شامِ غریباں کی مجالس میں مگر میں کیا کروں کتابوں میں تو پتہ نہیں ہے۔ حُر تو راستے سے آیا تھا اس کے ساتھ بیوی بچے کہاں۔ کسی کتاب میں نہیں ہے میری جو سمجھ میں آیا ہے عرض کرتا ہوں ارے کیا اُن کے ظرف شرافت میں اتنی گنجائش تھی کہ فتح کے باجے بجانے کی بجائے وہ پانی بھیجتے ارے جو پیاسوں کی طرف آگ بھیجیں وہ بھلا پانی بھیجیں گے میری سمجھ میں جو آیا ہے وہ میں عرض کرتا ہوں کہ وہ پہرا جو ساتویں سے بیٹھا تھا وہ عصر کے بعد اُٹھ گیا اس لئے کہ وہ شیر نہیں رہے جن کا ڈر تھا اب فرات بہہ رہی ہے جس پیاسے کا دل چاہے جاکر پانی پی لے مگر میں آپ سے محبتِ حسینؑ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ عصرِ عاشور جب آپ فاقہ شکنی کرتے ہیں تو کیا واقعی پانی پینے کو دل چاہتا ہے اب فرات پر پہرا نہیں بیٹھا ہے جس کا جی چاہے جاکر پانی پی لے مگر ذرا سوچیئے کہ کیا علی اکبر کے بعد لیلیٰ کا دل چاہا ہو گا کہ پانی پیئے کیا قاسم کے بعد بیوہ حسن کا دل چاہا ہو گا کہ پانی پیئں کیا حسینؑ کے بعد زینب کا دل چاہا ہو گا کہ پانی پیئں اور بات تو بظاہر انتہا تک پہنچ گئی میں کہتا ہوں کہ کیا علی اصغر کے بعد سکینہ کا دل چاہا ہو گا کہ پانی پیئے میں تو سمجھتا ہوں فرات بہہ رہی ہو گی پیاسے مُنہ پھیرے بیٹھے ہوں گے کہ ہمیں اس پانی کی ضرورت نہیں۔

مجلس پنجم

دینِ اسلام

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ؕ

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ ۔

میں نے عرض کیا کہ آزادی کا مطالبہ جو ہو رہا ہے کہا جاتا ہے کہ انسان آزاد پیدا ہوا ہے لہٰذا آزاد رہنا چاہتا ہے اور اسے آزاد رہنا چاہیئے تو انسان کسی ایک فرد کا نام تو ہے نہیں، انسان ایک پُوری نوع ہے جس میں سے ہر ایک انسان ہے اور آزادی کا مطلب یہ سمجھا جا رہا ہے کہ جو دل چاہے وہ کر سکیں تو یاد رکھنا چاہیئے کہ خواہشیں انسان کی لامحدود ہیں اُسے میں نے مثالوں سے عرض کیا اب آزادی کِسے دی جائے یا تو ایک کو آزاد کر دیا جائے بس اور سب کو مقیّد تو یہ اُس ایک کے ساتھ جس کی رشتہ داری ہو وہ کریگا یا پھر یہی شکل ہے کہ آزادی کی جنس کو حصہ رسدی تقسیم کیا جائے یعنی ہر ایک اس حد تک آزاد جس حد تک دوسروں کے حقوق کو صدمہ نہ پہنچے اور جہاں سے دوسروں کے حقوق کو صدمہ پہنچے وہاں سے مقیّد۔ یہ قید ہر ہر فرد کے لئے قید ہے مگر تمام نوعِ انسانی کو آزادی کے حقوق سے بہرہ ور کرنے کا ذریعہ ہے مگر ان حقوق آزادی کو تقسیم کون

کرے اگر مرکز اس تقسیم کا کوئی مادی ہوا تو وہ کسی نسل کا ہوگا کسی ملک کا ہوگا کسی
زبان کا بولنے والا ہوگا تو سب کی ضرورتوں کا اُسے احساس بھی نہیں ہوگا اور سبکو
اس پر اعتماد بھی نہیں ہوگا لہٰذا اطمینانِ قلب ہر ایک کو حاصل نہیں ہوسکتا اور
بے اطمینانی ہی تصادم کا پیش خیمہ ہوتی ہے لہٰذا مرکز تقسیم حقوق ایسی ذات ہونی
چاہیئے جو خود کسی ملک کی نہیں خود کسی نسل کی نہیں خود کسی رنگ کی نہیں کسی سمت
کی نہیں جب اس کی طرف سے تقسیم حقوق ہوگی تو ہر ایک کا ضمیر مطمئن ہوسکتا ہے
کہ میرے ساتھ انصاف ہوا ہے میرے ساتھ عدل ہوا ہے اور یہ ان لوگوں کے
لئے جو اتفاق سے کل نہ شریک ہوں مختصر خلاصہ ربط کے لئے بیان کیا جاتا ہے
اور۔ تو میں نے کہا کہ اس کا تجربہ خود مسلمانوں کو ہے اور وہ مشاہدہ خود دُنیا کے
لئے مثال ہے کہ جس جس چیز کو مسلمانوں نے خدا کی طرف سے مان لیا پھر اسمیں
اختلاف نہیں ہوا کعبہ کو خدا کی طرف سے مان لیا تو دو قبلے نہیں ہوئے جس جس
چیز کو خدا کی طرف سے سب نے مان لیا اس میں اختلاف نہیں ہوا جہاں سے
ایک طبقہ نے اپنے اختیار کو صرف کردیا وہیں سے اختلاف ہوگیا۔ اب اس کی
طرف سے جو حقوق تقسیم ہوتے ہیں اسمیں پھر کسی کو احساس ہی نہیں ہوتا کہ ہمارے
ساتھ ناانصافی ہوئی مثلاً پابند شرع گھرانوں میں جہاں شرع کے اعتبار سے میراثیں
تقسیم ہوتی ہیں وہاں کبھی کسی لڑکی کو شکایت نہیں ہوتی کہ ہمیں آدھا ملا اور
ہمارے بھائی کو دگنا ملا اس لئے کہ وہ جانتی ہے کہ میرا حصّہ اللہ کی طرف سے
یہی ہے لہٰذا اُسے کوئی ناانصافی کا شکوہ نہیں ہوگا ہاں جو حصّہ مقرر ہے اللہ کی
طرف سے وہ نہ دیا جائے تو پھر وہ ظلم ہوگا جیسے ایک وقت کا حال مجھے معلوم ہے

کہ پنجاب میں لڑکی کو حصہ نہیں دیا جاتا تھا عدالتوں میں پوچھا جاتا تھا کہ تم شریعت کے مطابق فیصلہ چاہتے ہو یا رواج کے مطابق اس کے معنی یہ ہیں کہ شریعت الگ ہے رواج الگ ہے اور بہت سے ایسے ہوتے تھے جو یہ کہہ دیتے تھے کہ ہمیں رواج کے مطابق فیصلہ چاہیے تو میں کہتا ہوں کہ گو وسعت شرع میں کفر کا فتویٰ جاری نہ ہو مگر حقیقت کے لحاظ سے جب شریعت کے مقابلے میں آپ نے اعلان کر دیا کہ ہم رواج کے پابند ہیں تو اس شعبہ میں غیر مسلم ہونے کا اعلان کر دیا تو کبھی جہاں شریعت کے مطابق فیصلہ ہو اس میں لڑکی کو یہ شکوہ نہیں ہو گا کہ مجھے آدھا کیوں ملا ہاں آجکل کے نئی روشنی والے وہ بلا وجہ لڑکی کے ہمدرد بن کے کہتے ہیں کہ اسلام نے دیکھو مرد اور عورت میں کتنی تفریق کر دی ہے لڑکے کو دہرا دیا ہے اور لڑکی کو اکہرا دیا ہے میں اس وقت اصُولی طور پر اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتا مگر میں ایک نئے رُخ سے دُنیا کو سمجھانا چاہتا ہوں میں کہتا ہوں ذرا غور کیجیے جو عرض کر رہا ہوں کہ اسلام اور کُفر میں فرق کیا ہے یہ ہے کہ اسلام قانون کو اللہ کی طرف سے مانتا ہے کُفر جو ہے وہ پیغمبر کا ساختہ مانتا ہے جو شخص پیغمبر کا ساختہ مانتا ہے ارے یہی قرآن میں فرق ہے جو کلامِ خدا مانتا ہے وہ مسلمان ہے جو کلام بشر مانتا ہے رسولؐ کا کلام مانتا ہے وہ کافر ہے تو ویسے ہی جو مسلمان ہے وہ مانے گا کہ اصل قانون بنایا ہوا صرف اللہ کا ہے یہ صرف اس کے مبلّغ تھے اور جو اللہ کی طرف کا نہیں مانتا وہ یہ کہتا ہے کہ یہ قانون آپ نے بنایا میں یہ کہتا ہوں کہ جو کافر ہے وہ مجھ سے پہلے اپنے ہی مسلّمے کو سامنے رکھ کر بات کرے کہ اس میں اصُول کے سوا کیا کسی جذبہ کا دخل ہے قانون وہ نافذ کر رہا

ہے کہ جسے خدا نے بیٹی ہی دی ہے ارے کوئی ایسا نبی ہوتا جسے اللہ نے بیٹا کرامت فرمایا ہوتا اور بیٹی اس کے ہاں نہ ہوتی تو کہنے کو ہوتا کہ انہیں بیٹی کی قدر کیا تھی۔ ارے جناب وہ رسول جسکا اللہ نے بیٹا آخر حیات تک زندہ رکھا ہی نہیں بیٹے تھے جناب خدیجہ کے، لیکن یہ کہ پھر بیٹا آپ کے نہیں تھا ایک بیٹا آخر میں ہوا جناب ماریہ کے بطن سے وہ بھی باقی نہیں رہا، بیٹی ہی کرامت فرمائی تھی ہاں بیٹے بھی پھر اسی کے ذریعہ سے عطا کر دیئے تو اللہ نے اسے بیٹی ہی عطا فرمائی تو اب کوئی کیا کہہ سکتا ہے کہ انہیں بیٹی کی قدر کیا اور میں کہتا ہوں کہ بیٹی کی قدر تو ایسی کی کہ دُنیا میں کسی باپ نے نہیں کی، کوئی باپ بیٹی کی تعظیم کے لئے کھڑا نہیں ہوا، لیکن پیغمبر خدا بیٹی کی تعظیم کے لئے کھڑے ہوتے تھے حالانکہ وہ تعظیم میں غلط سمجھتا ہوں یہ کہنا کہ وہ بیٹی ہونے کی وجہ سے تھی، بیٹی ہونے کی وجہ سے وہ تعظیم نہیں تھی وہ بیٹی کچھ ایسی تھی اور اس کا میرے پاس ثبوت ہے یہ مسلّمہ اصُول اسلامی ہے کہ جو عمل رسول ہے اس کی پیروی یا واجب ہو گی یا مستحب ہو گی بہر حال جزو سنّت ہو گی اور یہ عمل رسول تمام کتابوں میں موجود ہے صحاح ستہ کا جز ہے صحیح ترمذی اور اس میں یہ حدیث موجود ہے کہ کوئی فرقہ اسلامی اس کا انکار نہیں کر سکتا ایک عمل رسول متفقہ موجود ہے لیکن کسی مکتب اسلامی کی فقہ میں میں نے نہیں دیکھا کہ باپ کے لئے سنّت ہے کہ بیٹی کی تعظیم کے لئے کھڑا ہو ایک عمل رسول مسلّمہ موجود اور چودہ سو برس کے علما کوئی نہیں لکھ رہا کہ یہ سُنّت ہے کسی تحفۃ العوام میں آپ نے دیکھا کہیں نہیں اچھا آج کل تو ریسرچ کا دَور ہے ریسرچ کے معنی ہیں ایک نئی بات کوئی کہے کہ ان علماءٔ

نے نہیں لکھا بھول گئے ہم اب سے لکھیں گے میں کہتا ہوں اچھا قلم آپ کے ہاتھ
میں ہے جب چاہیے لکھ دیجئے گا، لیکن اب میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ صحابہ
رسولؐ میں سے کسی نے اس سنّت پر عمل کیوں نہ کیا کئی کئی ہزار صفحہ کی کتابیں
حالات صحابہ میں موجود ہیں، لیکن کسی نے کسی صحابی کے حالات میں نہیں لکھا کہ
وہ اپنی صاحبزادی کی تعظیم کو کھڑے ہو جاتے ہوں یہاں تک کہ ایسی صاحبزادیاں
جو کسی حیثیت سے واجب التعظیم بھی ہوگئی ہوں ان کی تعظیم کو کھڑے نہیں ہوتے
اچھا اب کوئی کہہ دے ۔ ہم میں سے تو ہر فرد بے تکلّف کہہ دے گی کہ صحابہ
معصوم تھوڑی تھے ۔ اب دُنیا چاہے یوں نہ کہے مگر پھنسنے پر تو کہے گی کیونکہ
مانتا کوئی نہیں معصوم ۔ تو یہاں کہہ دے کہ معصوم تھوڑی تھے اچھا مان لیجئے
مگر اب ہم تو بحمد اللہ رسولؐ کے بعد بھی بقائے رسالت کے قائل نہیں بقائے
عصمت کے قائل ہیں نبوّت و رسالت ختم ہو گئی عصمت ختم نہیں ہوئی تو اب
ہمارے ہاں جو معصومین ہیں اور جن کے گھر کی روایت تھی جن کے گھر کی بات تھی
ان میں سے کسی کے حال میں نہیں ملتا کہ کوئی اپنی بیٹی کی تعظیم کو کھڑا ہوتا ہو کیسی
کیسی صاحب صفات بیٹیاں حضرت زینب سلام اللہ علیہا کے لئے ممکن ہے
کہ بعض ذاکرین سے آپ نے سنا ہو میں سمجھتا ہوں کہ کبھی آپ نے سنا ہو گا،
اگرچہ دیکھا میں نے بھی اسے کسی کتاب میں نہیں ہے لیکن آپ نے سنا ہو گا کہ
امام حسینؑ تعظیم کو کھڑے ہوتے تھے یہ ہو تو بھی بڑی بات ہے مگر وہ بات تو نہ
ہوئی بہن بھائی کا رشتہ تو برابر کا ہوتا ہے خواہ عمر کا فرق ہو ۔ حضرت امیرالمومنین
کیوں نہیں تعظیم کو کھڑے ہوتے تھے جن کی سیرت ہمارے نزدیک جزو سیرت

رسولؐ تھی۔ تو وہ تعظیم کو نہیں کھڑے ہوتے تھے تو اب تو یہ ماننا پڑے گا کہ چودہ سو برس کے علما میں سے کوئی یہ نہیں لکھتا کہ یہ سنّت ہے صحابہ میں سے کوئی اسکی پیروی نہیں کرتا ان کی اولاد طاہرہ میں سے کوئی ان کی پیروی اس بارے میں کرتا ہوا نظر نہیں آتا تو بس اس معمّہ کا حل میرے نزدیک صرف یہ ہے کہ چودہ سو برس کے علما صرف یہی سمجھے صحابہ یہی سمجھے آئمہ معصومین یہی جانتے تھے کہ یہ تعظیم بیٹی ہونے کی وجہ سے نہیں ہے شخصیت فاطمہ کی وجہ سے ہے لہٰذا اصول اپنی جگہ قائم۔ بحیثیت بیٹی کے ہوتی تو مجھے بھی وہ تعظیم مستحب ہوتی اپنی بیٹی کے لئے کم سے کم، لیکن وہ تو خصوصی حیثیت سے شخصیت فاطمہ زہرا کے لئے تھی تعظیم لہٰذا وہ پیروی واجب اور اس کے نتیجے میں قیامت تک کے لئے تعظیم فاطمہ واجب ہوگی۔ اپنی بیٹی کی تعظیم کر کے اتباع رسول نہیں ہوگا تو ایسی بیٹی جس کی ہو وہ یہ حکم نافذ کر رہا ہے کہ بیٹی کا حِصّہ اکہرا اور بیٹے کا حِصّہ دوہرا تو اب تو غیر مسلم بھی ماننے پر مجبور ہے کہ اس میں صرف کوئی اصول ہے جذبات کا دخل نہیں ہے اور ایک بہت بڑا معرکۃ الآرا مسئلہ جو اس زمانے میں ہوتا ہے فرمائشیں ہوتی ہیں کہ رسالہ اس موضوع پر لکھئے حالانکہ میں نے اسی لئے ایک رسالہ اسلامی قانون وراثت لکھا ہے جو امامیہ مشن پاکستان سے بھی کبھی شائع ہوا ہے تو وہ کیا ہے بیٹے کے ہوتے ہوئے پوتے کا محروم ہونا اس قدر واویلا ہے بڑی بے چینی ہے ارے صاحب پوتا بچارا ایک تو اس کے سر سے باپ کا سایہ اٹھ گیا اور اس کے بعد وہ اپنی خاندانی جائیداد سے بھی محروم ہو جائے تو معاذ اللہ یہ کتنی بڑی بے انصافی ہے۔ ہمارے ہاں جو آجکل صدر جمہوریہ

صاحب ہیں۔صدر نہیں نائب صدر جمہوریہ جسٹس عبید اللہ اُنہوں نے ایک دفعہ
کھل کے ایک سوال ہے نا پرسنل لا کی ترمیم کا۔میری ایک کتاب کئی سو صفحہ کی
چھپ چکی ہے کہ اسلامی پرسنل لا قابل تبدیلی نہیں اس موضوع پر دس دن کا بیان
ہے وہ کتابی شکل میں شائع ہو چکا ہے تو اس میں اس سے متعلق جتنے موضوعات
ہیں تفصیل سے آئے ہیں اور یہ بھی جز آیا ہے اس میں تفصیل سے اور اسلامی قانون
وراثت میں اس کا اُصول درج ہے تو کہتے ہیں بیچارہ میں کہتا ہوں ادھر بیچارہ
آپ نے کہا اور جذبات کا دخل ہو گیا اور اب ظاہر ہے اس کتاب میں تفصیل سے
لکھا ہے اس وقت اس تفصیل سے عرض تھوڑی کرنا ہے ادھر آپ نے کہا بیچارہ
اور اس بے چارے کی لفظ سے جذبات کا تعلق ہو گیا قانون میراث بیچارے
پن سے نہیں ہے بے چارہ پن سے زکوٰۃ ملتی ہے خمس ملتا ہے بے چارہ پن
سے میراث نہیں ملتی اگر بے چارہ بھائی فاقہ کش ہو اور بیٹا لکھ پتی ہو تو یہ
نہیں ہو گا کہ میراث بھائی کو دیدی جائے اس لئے کہ بے چارہ مفلوک الحال ہے
اور لڑکے کو نہ دی جائے اس لئے کہ لکھ پتی ہے تو میراث میں معلوم ہوا کہ بیچارے
کا دخل نہیں ہے قرابت کی قربت کا دخل ہے اور اگر بیچارے پن کو دخل دیجئے
تو یہیں پر کیوں بالکل برابر کا رشتہ ہے بیٹا اور پوتا اور باپ اور دادا یہ ادھر سے بلا واسطہ
اور بیک واسطہ وہ ادھر سے بلا واسطہ اور بیک واسطہ تو اگر آپ کی منطق بیچارے
پن کی یہاں درست ہو تو یہاں بھی کہیئے کہ باپ تو بہر حال ممکن ہے کہ ابھی برسر کار
ہو اور دادا تو بے چارہ ریٹائرڈ ہو گا ہی لہٰذا یہ کیا کہ باپ کے ہوتے ہوئے دادا
کو نہ ملے اگر آپ وہاں بے چارے کے فلسفے کے قائل نہیں ہیں تو وہی نسبت ہے

بیٹے اور پوتے کی یہاں آپ کیوں بے چارے پن کو دخل دیتے ہیں تو یہ اصل اصُول تھے جو میں نے ایک لمحہ فکریہ پیدا کر دیا۔ آپ اپنی جگہ چاہے جتنا غور کیجئے اتنے سمجھ میں آتے جائیںگے تمام اصُول میراث قانون وراثت رسالہ بھی ہے جس میں قرابتوں کی گویا پیمائش کی گئی ہے کہ کون کتنا قریب ہے اور کون کتنا دُور ہے اور کسطرح سے جو قریب ہے اس کے ہوتے ہوئے بعید کو محروم کیا گیا ہے تو اصُول اس قرب و بعد کا رشتہ داری پر ہے اس کی بنیاد بے چارہ پن پر ہے ہی نہیں لہٰذا آپ بے چارہ پن کو دخل دے کر بے اصُولی کیوں کر رہے ہیں اور اس کے بعد جو میں نے بیٹی کے بارے میں کہا تھا کہ ابھی میں ایک غیر مسلم کے سامنے کہوں گا کیوں کہ جس رسول نے یہ قانون نافذ کیا ہے وہ خود اس قسم میں داخل رہا ہے۔ کہ اس کے باپ کا انتقال دادا کے سامنے ہوگیا تو اس سے بڑھ کر کون اس بیچارے کی مجبوریوں سے واقف ہوسکتا ہے لہٰذا اصُول میراث میں حق نہ قائم کیجئے ہاں باپ نہیں رہا تو دادا پوتے کے ساتھ وہ کرے جو جناب عبدالمطلب نے جناب رسُول اکرم کے ساتھ کیا اور اسی طرح سے ہر ایک چچا اپنے بھتیجے کے ساتھ وہ کرے جو ابو طالب نے اپنے فرزند برادر کے ساتھ کیا اور کس شان سے پرورش کی کہ یہ روزمرہ کی باتیں ہیں مگر جب تک کوئی غیر معمولی کیفیت نہ ہو اس وقت تک تاریخ کا جز نہیں بنتی اور اب میں کہتا ہوں جو چیز ہے ابھی عرض کروں گا جناب ابو طالب سے زیادہ اس میں جناب فاطمہ بنت اسد کا دخل ہے یہ معاملے عورتوں سے زیادہ متعلّق ہوتے ہیں طبری سے زیادہ مقدم تاریخ ہمارے ہاتھ میں موجود ہے طبقات ابن سعد وہ تقریباً طبری سے ایک صدی مقدم ہے اور ہمارے اپنے

مسلمان مطابع نے اُسے نہیں چھاپا ہے ہالینڈ کے شہر لیڈن میں اور جرمنی میں شائع ہوئی ہے تو اسی طبقات ابن سعد میں ہے دیکھئے میں نے کہا کہ روزمرہ کی باتیں ہیں مگر انوکھا پن پیدا نہ ہو تو جزو تاریخ نہیں بنتی اس میں ہے (ترجمہ عربی) ابوطالب کے بچے نظر آئے ہیں کہ بال بکھرے ہوئے ہیں چہرہ گرد آلود ہے جیسے بچے اندر گھر کے کھیلتے ہوئے نظر آتے ہیں ابوطالب کے بچے تو اس شان سے کبھی کبھی نظر آئے ہیں مگر محمدؐ کو جب دیکھا تو آنکھوں میں سُرمہ لگا ہوا اور بال آراستہ کیے ہوئے میں کہتا ہوں یہ ایسی ہی شکلیں ہوتی ہیں۔ خود ابوطالب کی اولاد اگر بال پریشاں ہوتی تو کوئی نہ کہتا کہ بے چارے کی صورت سے یتیمی ٹپک رہی ہے لیکن ایک دفعہ بھی اس طرح نظر آتے تو دنیا کہتی کہ بیچارہ یتیم ہے ابوطالب اور فاطمہ بنت اسد نے دنیا کو احساسِ یتیمی نہیں ہونے دیا مگر خالق یتیم کے درجہ کو اتنا اونچا جانتا تھا کہ اس نے قرآن جیسی ادبی کتاب میں اُس یتیمی کو یاد کیا۔ الم یجدك یتیماً فاوىٰ اپنے احساسات میں کہا جا رہا ہے کہ کیا ایسا نہیں ہوا کہ ہم نے آپ کو یتیم پایا تو پناہ کا انتظام کر دیا یہاں ہر نقطہ نظر کا مُفسر لکھنے کو تیار ہے مجبور ہے تیار چاہے دل سے نہ ہو آیت کے تحت میں کوئی مُفسر ماں کا نام نہیں لیتا ارے خالق کی طرف کا انتظام جسے احسان میں پیش کرے اور چھ برس کی عمر میں اُٹھ جائے اس کا سایہ۔ کوئی نہیں لکھتا ماں کا نام۔ چھ برس تک تو ماں بھی موجود تھی۔ کوئی نہیں لکھتا دادا کا نام دادا بھی تو آٹھویں برس دنیا سے اُٹھ گئے ہر مُفسر یہاں مجبور ہے اور لکھتا ہے **بعمہ ابی طالب**۔ اللہ نے پناہ کا انتظام کیا ان کے چچا ابوطالب کے ذریعے سے۔ اب جناب میں نے بہت ہی توقف کر کے ترجمہ

کیا اور پھر بھی ترجمہ پورا نہیں کیا لفظی معنی ہیں آوٰی کے پناہ دی لوگ ترجمہ کرتے ہیں پناہ دلوائی میں کہتا ہوں پناہ دلوائی لفظی معنی نہیں ہیں معنی یہ ہیں کہ آپ کو یتیم پایا تو پناہ دی لفظی معنی یہی ہیں اب میں ایک جملہ کہہ کر آگے بڑھوں گا کہ یہ بڑی بلند منزل ہے کہ کسی کے کام کو اللہ اپنا کام کہے ارشاد ہے وما رمیت اذ رمیت ولٰکن اللہ رمٰی وہ آپ نے سنگریزے نہیں پھینکے اللہ نے پھینکے یعنی رسُول کے کام کو اپنا کام کہا تو یہ ایسی منقبت ہے جو رسول کی شان کے لائق ہے اور اب آپ یہاں دیکھ لیجئے پناہ دینا کس کا کام ہے ابوطالب نے پناہ دی اللہ کہہ رہا ہے ہم نے پناہ دی تو بہر حال اصل محل گفتگو یہ ہے کہ جب خدا کی طرف سے کوئی قانون ہو جائے تو پھر اس میں جذبات کا کوئی دخل نہیں ہوتا پھر وہ حق ماننا پڑتا ہے غیر مسلم معترض ہوں پوتے کی میراث پر یا فرض کیجئے کہ آجکل کی نئی روشنی والے اعتراض کریں وہ بہت سے حقائق اسلام پر معترض ہیں، لیکن کوئی پابند شریعت پوتا ہو تو وہ احساس نہیں کریگا کہ میرے ساتھ ظلم ہوا ہے کوئی لڑکی یہ احساس نہیں کرے گی کہ مجھے آدھا مِلا تو مجھ پر ظلم ہوا اس لئے کہ اللہ کی طرف کا قانون ہے اور یہ خصوصیت اسلام کی یعنی اسکا اللہ کی طرف کا دین ہونا یہ ایسی خصوصیت ہے جو اس کے نام سے ظاہر ہے دُنیا کے مذاہب کا نام دیکھئے کوئی دین کسی کی شخصیت کی طرف منسوب کوئی دین کسی قطعہ ارض کی طرف زمین کے حصّے کی طرف منسوب مثلاً جو بڑے بڑے آجکل ادیان ہیں غیر اسلام انہیں دیکھئے کہ خود اپنے کو مثلاً عیسائی کہیں مسیحی کہیں یعنی شخصیت کی طرف نسبت حضرت عیسیٰ کی طرف نسبت ارے وہ نصرانی کہیں جو قدیم اصطلاح تھی تو ناصرہ ایک مقام تھا وہاں پیدائش

ہوئی تھی۔ ناصرہ۔ اس جگہ کی طرف نسبت کرسچین یعنی کرسٹ حضرت مسیح کی طرف
نسبت تو غرض جس زبان میں بھی اس دین کا نام پوچھیئے کسی آدمی کا تعلق نمایاں
ہوگا تو اب جسے اس آدمی سے کوئی خاص تعلق نہ ہو وہ بلاتکلف کہہ سکتا ہے کہ
میں اس دین سے منحرف ہوں مجھ کو اس سے کیا مطلب اب وہ تو قرآن نے
ان کی سچائی مان لی ورنہ عیسائی اپنی پوری طاقت صرف کر دیتے تب بھی مسلمانوں
سے حضرت عیسٰی کی رسالت نہیں منوا سکتے تھے اور جتنے معجزات کہیں گے وہ
سب ہمارے ساتھ کہاں ہیں۔ اسی کے بیان کئے ہوئے ہیں مُردے اس وقت
وہ کب زندہ کر رہے ہیں۔ کور مادرزاد کو اس وقت وہ شفا دے رہے ہیں!
معجزات سب وقتی تھے جو وقت کے ساتھ چلے گئے دیکھنے والوں کے لئے وہ قطعی
تھے بعد والوں کے لئے وہ روایت بن گئے۔ دین کی بناء روایات پر نہیں ہوتی۔
قطعی باتوں پر ہوتی ہے وہ تو ہمارے قرآن نے تصدیق کر دی ان کی رسالت کی
اور ان کے معجزات کو محفوظ کر دیا تو ہم بر بنائے ایمان بالقرآن مجبور ہو گئے حضرت
عیسٰی پر ایمان لانے پر اور ان کے معجزات کو بھی ماننے پر مجبور ہو گئے۔ یہود کی
جماعت پوری طاقت اگر صرف کر دے تو وہ حضرت موسیٰ کی رسالت ہم سے
نہیں منوا سکتی۔ عیسائی یہودیوں سے کب منوا سکے آج تک جو ہم سے منوا لیتے
اب عیسٰی نے بھی چونکہ توریت کی تصدیق کر دی اس لئے بے چارے عیسائی بھی
حضرت موسیٰ کو مانتے ہیں تو ہم سے یہودی نہیں منوا سکتے تھے حضرت موسیٰ کی رسالت
قرآن نے منوائی اور مجھے یاد ہے جس کسی کی کوئی بات ہو اس کا نام لے کے میں پابند
ہوں۔ وہ صاحب یادگار حسینی میں میرے ساتھ اکثر جلسوں میں ہوتے تھے۔

کلجگانند اچھوت لیڈر بڑی پرزور تقریر وہ کرتے تھے اور یادگار حسینی کے جلسوں میں بڑی پُرزور تقریریں انہوں نے کیں۔ وہ اچھوٹ لیڈر تھے سال گذشتہ کراچی میں مجھے ملے تھے بہت ہی ضعیف ہو گئے تھے اب کے نہیں ملے تو معلوم ہوا کہ وہ رخصت ہو گئے تو وہ اچھوٹ لیڈر پہلے بھی تھے اب بھی ہیں۔ لطف یہ ہے کہ پاکستان میں بھی وہ اچھوت لیڈر ہی رہے، مگر ایک جملہ اُنہوں نے کہا جو اُن سے پہلے تقریروں میں نہیں سنا تھا پہلے تو اس ضعیف العمری میں اپنا ایک پمفلٹ مجھے دیا پھر زبانی مجھ سے کہا کہ یہودیوں کا آج تک اعتراض ہے پاکدامانیٔ حضرت مریم پر اور حضرت عیسےٰ کے ساتھ انتہائی گستاخی وہ کرتے ہیں یہ اور بات ہے کہ سیاست کی ستم ظریفی ہے کہ اب عیسائیت ان کی ناز بردار بن گئی ہے وہ جناب عیسےٰ کے ساتھ شدید ترین گُستاخی روا رکھتے ہیں ان کے فرزند جائز ہونے کو معرض بحث میں لاتے ہیں اس کا جواب دُنیائے عیسائیت کے پاس نہیں ہے۔ وہ انجیل جوان کی کتاب ہے میں نے دیکھی ہے اُنہوں نے نسب نامہ حضرت علیٰ کا حضرت آدم تک پہنچایا ہے یوسف نجار کے ذریعہ سے جن سے منگنی ہوئی تھی شادی نہیں ہوئی تھی یوسف نجار کی ولدیت قرار دے کر رشتہ پہنچایا ہے جناب آدم تک پورا شجرہ لکھ دیا ہے اب جو انہوں نے کہا ہے وہ میں بعد میں کہوں گا اب اپنی طرف سے یہ میں بیان کر دیتا ہوں جب نصارائے نجران آئے ہیں پیغمبر سے بحث کے لئے سب باتوں کے قائل ہو گئے آخر میں اُنہوں نے کہا کہ آپ اللہ کا بیٹا مانتے ہیں یا نہیں تو مجبوراً رسول نے یہی فرمایا اُصول کی بات تھی کہ نہیں مانتے۔ بڑے درجہ کا رسُول مانتے ہیں بہت بڑا نبی مانتے ہیں صاحب معجزات مانتے ہیں۔ یہ

نہیں مانتے۔ توانہوں نے فوراً یہ کہا کہ جب اللہ کا بیٹا نہیں مانتے تو پھر وہ کس کے بیٹے تھے۔ اب جو جواب قرآن میں آیا ہے وہ آپ میں سے کچھ حضرات تو جانتے ہی ہیں پھر میں بھی بیان کروں گا وہ تو جواب ہے قرآن کا اور اب حضرت عیسیٰ کی بات جان لیجئے کہ اس سوال کی غیر منطقیت کا ذرا اندازہ کیجئے اللہ کے بیٹے نہیں تو پھر کس کے بیٹے ہیں یعنی جس کے باپ کا پتہ نہ ہو اُسے اللہ کا بیٹا مان لو۔ تو اگر رسول کو انہیں مناظرانہ طور پر چپ کرنا ہوتا صرف لاجواب بنانا تو مجھے معلوم ہے رسول بائیبل کو پیش کرتے کہتے مجھ سے کیا پوچھتے ہو شجرہ تمہارے ہاں موجود ہے توان کے پاس کچھ جواب تھا؟ مگر یاد رکھئے کہ داعی حق کا کام نہیں ہے کہ وہ غیر کی باطل بات کو فائدہ اُٹھانے کے لئے استعمال کرے وہ خاموش رہتے مگر اصل حقیقت تو چھپی رہتی اور ایک رسول الٰہی کا دامن مجروح رہتا لہٰذا ان کے جواب میں یہ نہیں کہا گیا جو اصل بات تھی وہ کہہ کر انہیں سمجھایا گیا ان مثل عیسٰی عند اللہ کمثل اٰدم خلقه من تراب فقال له کن فیکون۔ ان کے باپ فقط نہیں ہے مگر آدم کے تو ماں بھی نہیں تھی باپ بھی نہیں پھر انہیں تم اللہ کا بیٹا کیوں نہیں مانتے یہ تو اللہ کی قدرت ہے جسے چاہتا ہے بغیر ماں باپ کے پیدا کرتا ہے جسے چاہتا ہے بغیر باپ کے پیدا کرتا ہے جسے چاہتا ہے عام نظام فطرت کے ماتحت پیدا کرتا ہے یہ تو اس کی قدرت کی نشانی ہے اب وہ آیت اس وقت عرض نہیں کرنا ہے وہ جملہ جو بھول نہیں گیا ہوں وہ کہنا ہے اُنہوں نے مجھ سے کہا پہلے زبانی پھر مختصر پمفلٹ بھی دیا جس میں انہوں نے لسے چھاپا ہے کہ یورپ کا ایک قومی کردار ہے کہ رومال گر گیا آپ نے اُٹھایا انہوں نے کہا تھینک یو شکریہ بہت

ارزاں ہے یہ جملہ بس ذراسی بات کر دیجئے چاہے آپ کی نظر میں کوئی قیمت اسکی نہ ہو لیکن وہ فوراً کہیں گے شکریہ۔ رومال اٹھادیں آپ تو تھینک یو کہنا ضروری سمجھیں اور قرآن نے اور اسلام نے ان کے نبی کے دامن کو اتنے بڑے الزام سے بچا دیا۔ انھوں نے کہا کہ چودہ سو برس سے عیسائیوں نے تھینک یو نہیں کہا تو غرض یہ کہ جتنے دین ہیں دنیا میں۔ عیسائیت تو میں نے بتایا۔ یہودیت۔ یہودا جناب یعقوب کے ایک بیٹے تھے ان کی طرف نسبت ہے یہودیت کی اسرائیلی کہہ لیجئے تو وہ اسرائیل جناب یعقوب کا لقب تھا اس کی طرف نسبت ہے جیسے قرآن میں بنی اسرائیل ہے۔ وہ اسرائیلی کہے جانے لگے اور ان کا کیا نام ہے آخر کوئی بتائے نام کیا ہے ان کا۔ شخصیت کی طرف نسبت ہے ارے ہمارے ملک کا اکثریتی کیش جو ہے حالانکہ حقیقت ہے سیاست کی بات تو ہے نہیں جو اس کے کہنے میں کوئی عذر کروں کہ قرآن مجید نے بُت پرستی کو کوئی دین تسلیم نہیں کیا ہے، لیکن خیر دین کے طور پر مانا جارہا ہے اور پھر یہ کہ کسی حیثیت سے کتاب کا بھی دعویٰ ہے اور وہ کتاب جو کتابیں ہم مانتے ہیں وہ کب اصلی حالت میں ہیں جو ہم سمجھیں کہ وہ کتابیں نہیں ہیں کیونکہ ان میں ایسا ایسا ہے ان کتابوں میں کیسا کیسا ہے پھر بھی ہم مانتے ہیں کہ اصل میں تھی بعد میں تبدیلی ہوگئی تو پھر ہو سکتا ہے کہ جو نام لئے جاتے ہیں وہ واقعی اللہ کی طرف سے رسول ہوں جب ہمارے قرآن نے کہہ دیا کہ ہر ملک میں ہر قوم میں ایک رہنما ہم نے بھیجا ہے تو ہمیں نفی کا حق اپنے پیغمبر سے پہلے نہیں ہے اگر پیغمبر کے بعد کوئی دعویٰ کرے تو دعویٰ ہی خود دلیل جھوٹے ہونے کی ہے چونکہ ختم نبوت کا اعلان ہو چکا ہے، لیکن اس سے پہلے کسی ملک والا کسی

پرانے کا نام لے تو ہو سکتا ہے کہ وہ نبی ہو اس لئے کہ ایک مسلمان کی شان نہیں ہے کہ ان کا نام سُن کر کوئی گستاخی کرے۔ بس کہہ دے گا کہ ہم پر نبوّت ثابت نہیں ہم پر رسالت ثابت نہیں ورنہ اس کے آگے ہم نفی نہیں کر سکتے تو اب بہر حال اس کا مذہب جو اس دیس کا اس دھرم کا جو نام ہے ہندو تو وہ بھی ایک ملک کی طرف نسبت رکھتا ہے ہند کی طرف تو جو مذہب ہے دنیا کا وہ کسی شخصیت محدود کی طرف نسبت رکھتا ہے یا کسی مکان کی طرف یا کسی مکین کی طرف اور جب شخصیت محدود ہو گئی تو دین لامحدود نہیں ہو سکتا جو شخصیت سے تعلّق نہ رکھے وہ بلاتکلّف کہنے کا حق رکھتا ہے کہ ہم اس دین کو نہیں مانتے جو اس سرزمین سے کوئی دلچسپی نہ رکھے وہ بلاتکلّف کہہ سکتا ہے کہ ہم کو اس دین سے کوئی دلچسپی نہیں کوئی تعلّق نہیں۔ دنیا کا ہر دین کسی شخصیّت سے منسوب ہے۔ ایک غلط فہمی دُور کردوں اب ہمارے اسلام کو بھی غیروں نے اپنے دین کے ردیف قافیے پر لاکر دین محمدی کہنا شروع کیا جس سے دھوکے میں آکر کچھ معزب زدہ مسلمان بھی اس لفظ کو استعمال کرنے لگے یہ غیروں کا طلسم تھا ورنہ رسول صؐ نے کبھی اس دین کا بحیثیتِ دین محمدی تعارف نہیں کرایا آلِ رسول نے کبھی اس دین کا بحیثیت دین محمدی تعارف نہیں کرایا۔ یہ دین کیا ہے اسلام اور اسلام کس کے لئے اللہ کے لئے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ دین کسی محدود شخصیّت سے وابستہ نہیں ہے بلکہ یہ نام اس ذات کی طرف منسوب ہے جو میں نے کہا تھا کہ مرکزِ تقسیم حقوق لامحدود ذات ہونی چاہیئے تو یہ نام بھی اسی لامحدود ذات کی طرف نسبت رکھتا ہے اب میں کہتا ہوں کہ کسی خطۂ ارض میں اتنی وسعت سمجھئے کہ وہاں ایک پُورا مجمع ہو جو صرف خدا کی

مخلوق کا ہے اور ہزاروں مذاہب و ملّت پر تقسیم ہو اور اس کے سامنے میں کہوں
کہ تم میں سے کون جماعت ہے جو اللہ کے قانون کو نہ مانے تو اس مجمع میں سے
کسی میں دم ہے اگر اللہ کو مانتا ہے کہ وہ کہے کہ ہم نہیں مانتے کیونکہ ذات وہ
پیش ہو گئی جو کسی ایک جماعت سے تعلّق نہیں رکھتی کسی ایک گروہ سے تعلّق
نہیں رکھتی لہٰذا اس کی طرف جس دین کی نسبت ہو اُس سے انحراف صرف وہی
کرے گا جو اس حقیقت سے واقف نہ ہو میں نے ان لفظوں میں کہا تھا کہ کون
ہے تم میں سے جو اس قانون کو نہ مانے ارے چاہے عمل نہ کرتا ہو ، لیکن کہے
گا کوئی نہیں کہ ہم اس کے قانون کو نہیں مانتے معلوم ہوا اسلام کی جو حقیقت ہے
اس کی سرتابی کی ہمت کوئی خدا کا ماننے والا نہیں کر سکتا اس لئے کہ اس کا تعلّق
اس اللہ کے ساتھ ہے اور اسلام کے معنی ہی ہیں اللہ کے قانون کے سامنے سر جھکانا
اسلام کے لغت میں دو معنی ہیں ایک سر نہادن بہ طاعت اور دوسرے سپردن
اطاعت کے لئے سر جھکانا اور اپنے کو سپرد کر دینا اسلام خواہ اس معنی سے
اصطلاح ہو خواہ اس معنی سے اگر وہ معنی ہیں تو سر اطاعت جُھکانا مکمل اطاعت
اور اگر یہ معنی ہیں تو اس کے یہ معنی ہیں اپنے آپ کو سپُرد کر دینا ۔ سپُرد کر دینے کے
معنی ہیں کہ اپنی مرضی کچھ رہی نہیں یہ خود اقرار اطاعت کا اور اُونچا درجہ ہے کہ اپنی
مرضی کچھ رہی نہیں دُوسرے کے حوالے ہو گئے اور اسی لئے قرآن کہہ رہا ہے کہ
اسلام دین کائنات لَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔ اس کے لئے
اسلام لاتے ہیں جتنے آسمان میں ہیں اور زمین میں ہیں یعنی ہر مخلوق کا عالم اعلیٰ اور
ہر مخلوق کا عالم اسفل ۔ عالم بالا سے لے کر عالم پست تک سب اسلام لائے

ہوتے ہیں اور اسلام کا مکمل اظہار عمل سے سجدہ ہے لِلّٰہِ یَسْجُدُ اللہ کے لئے سجدہ ریز ہے ہر چیز جو آسمان میں ہے اور جو زمین میں ہے۔ یہ کیا اطاعت ہے اس کے قانون کی پابندی۔ دُنیا کی ہر گاڑی لیٹ ہوتی ہے، لیکن کبھی سُورج اور چاند کی گاڑیوں کو دیکھا کہ لیٹ ہوجائیں جس وقت پر انہیں جس نقطہ پر پہنچنا ہے اسی نقطہ پر جائیں گی۔ ستاروں کا طلوع و غروب کبھی اپنے نقطے سے ہٹ نہیں سکتا یہ کیا ہے یہ سب اطاعت کی زنجیروں میں مسخر ہیں انسان بھی جب پیدا ہوتا ہے تو اسی کی اطاعت کرتا ہوا۔ ورنہ دُنیا کی تمام طاقتیں صرف ہو جاتیں۔ اور ایک بچے کو غذا حاصل کرنا نہ سکھا سکتیں اس لئے کہ سکھایا جاتا ہے یا لفظوں میں یا اشاروں میں لفظوں کے معنی وہی سمجھتا ہے کہ جو موضوع لہٗ سے واقف ہو یعنی یہ لفظ کس کے لئے ہے اشاروں کو وہی سمجھتا ہے کہ جو قرار داد سے واقف ہو وہ بچہ جس نے مکتب وجود میں پہلی دفعہ قدم رکھا ہو وہ نہ کسی لفظ کے معنی سے واقف نہ کسی اشارہ سے واقف تو اس کی زندگی ختم ہو جاتی اور دُنیا کی طاقتیں ختم ہو جاتیں مگر غذا حاصل کرنا اُسے نہ سکھا سکتیں تھیں اس کے لئے اس حاکم کی ضرورت تھی جو براہِ راست دل و دماغ سے رابطہ قائم کرے جس کے لئے کسی زبان کی ضرورت نہ ہو اور وہ اس کی طرف کا الہام ہے اس کی طرف کا القا ہے اس کی طرف کی تعلیم ہے جس کی بناء پر بچہ اپنی غذائے فطری حاصل کرتا ہے تو یہ کیا ہے یہ اس کے قانون پر چلنا ہے اور اسی لئے ابھی تک اس قانون پر چلنے میں کسی گھرانے کسی جماعت کسی گروہ کا دخل نہیں ہے عیسائی کا بچہ ہو تو اسی طرح غذا حاصل کرے گا یہودی کا بچہ ہو ایک ہی طرح غذا حاصل کرے گا مسلمان کا بچہ ہو تو اسی

طرح غذا حاصل کریگا معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب تفرقے بعد میں قائم ہوئے ہیں۔ شروع میں سب کا دین ایک ہے اب آپ سمجھے۔ کل مولود یولد علی فطرۃ الاسلام ہر مولود فطرتِ اسلام پر پیدا ہوتا ہے پتھر اسی کی اطاعت کر رہے ہیں درخت اسی کی اطاعت کر رہے ہیں، حیوان اسی کی اطاعت کر رہے ہیں، انسان بھی جس وقت پیدا ہوتا ہے اسی کی اطاعت کرتا ہوا اب اگر اسے صرف پتھروں درختوں اور حیوانوں ہی کے درجہ پر رکھنا ہوتا تو بس یہی اطاعت عمر بھر لی جاتی رہتی یہ اطاعت ہے تسخیری یعنی اللہ کی قوت قاہرہ خود اطاعت کراتی ہے ایسی عمر بھر یہ اطاعت کرتا رہتا تو بس درختوں کے برابر ہوتا پتھروں کے برابر ہوتا اشرف المخلوقات نہ ہوتا مگر پھر اس کے پیدا ہونے کی ضرورت ہی کیا تھی اسکو تو پیدا اسی لئے کیا تھا کہ ایک مخلوق تو ایسی بھی ہو جو جہاد نفس کے ساتھ اطاعت کرے۔ اب پھیلا کے عرض کرنے کا وقت نہیں ہے پوری مجلس ہو چکی ہے وقت کے لحاظ سے لہٰذا بس مجمل تشریح انشاء اللہ پھر کل اب جتنی جتنی صلاحیت صرف اختیار اس میں پیدا ہوتی جاتی ہے اتنا اتنا اللہ کا دست تسخیری سمٹتا جاتا ہے اب یہ خود سمجھنے لگتا ہے یہ اچھا ہے یہ بُرا ہے تو اب سوال اس کے خود اپنے اختیار کا ہوتا ہے کہ ہم ادھر چلیں یا اُدھر چلیں اور اس وقت ان چیزوں میں اس شعبہ میں جس حد تک اختیار دیا ہے اب اللہ مجبور نہیں کرتا اب یہ اپنے اختیار سے راستہ اختیار کرتا ہے کوئی کہے اب کہ صاحب اطاعت کرتا ہوا آیا ہی ہے اور جس وقت آ کر میں نے کہا کہ اللہ نے دستِ جبر و قہر کھینچ لیا جب بھی کیا یہ آزاد ہو گیا بالکل۔ عین اس وقت کہ جب یہ کافر ہے تب بھی جتنی اطاعت اسے لینا ہے جبری طور پر وہ لے ہی رہا ہے دل کی دھڑکن اسکی

تابع ہے ہاتھ کی جنبش اس کی تابع ہے نبض کی رفتار اس کی تابع ہے ایک زبان اس کے اپنے قبضہ میں ہے چاہے حق کہے چاہے باطل۔ ایک ہاتھ اپنے قبضہ میں ہے جب تک اس نے اپنے قبضہ میں دے رکھا ہے چاہے عدل کرے چاہے ظلم، لیکن وہ شل کر دے تو یہ حرکت تو دے لے معلوم ہوا جس وقت انکار کر رہا ہے جب بھی اطاعت کر رہا ہے زبان انکار کر رہی ہے اندرونِ جسم اس کے سب اجزاء اور طاقتیں اس کی اطاعت کر رہی ہیں یعنی کافر زبانی ہے اور اندرونی حصّہ جو ہے وہ ہمہ تن اسلام ہے پھر کوئی کہے کہ جب اسلام ایسا ہے تو پھر مطالبہ کا ہے کا ہے بس ایک جُملہ کہہ کر آگے بڑھوں گا تشریح انشاءاللہ کل کروں گا میں کہوں گا کہ یہ بس شرافت انسانی کا امتحان ہے کہ جس کی اطاعت جبراً کرنی ہی ہے اس کی اطاعت اختیاراً بھی کر لو ورنہ اطاعت اختیار نہ کرو گے اختیاراً اطاعت نہ کرو گے تو جس نے لینی ہے اطاعت وہ تو لے لی ہی جائے گی۔ اور جتنی مخالفت کرو گے اس کی سزا ملے گی اور جبری جتنی اطاعت کرو گے اس کی جزا نہیں ملے گی اگر اپنے اختیار سے اطاعت کر لو تو پھر اس کا ثواب بھی ملے گا لہٰذا اسی لئے علما کہتے ہیں یعنی علم کلام میں ہے کہ یہ جو احکام شریعہ ہیں یہ ہم پر مہربانی ہے تاکہ ہم مستحق جزا بنیں اور جتنا اختیاری عمل ہے وہ اگر غلط ہوا تو قہری کیفیتیں اگر اچھی نمودار بھی ہوں تو کوئی فائدہ نہیں۔ اختیاری طور پر ظلم کر رہا ہے اور مصائب کو دیکھ کر آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں ظلم اختیاری ہے یہ کیفیت قہری ہے وہ اختیاری عمل ہے یہ مصیبت کا اثر ہے اور اب آپ کے سامنے واقعات مجلسوں میں سے آ ہی گئے ہوں گے کہ کن محل پر ظالم روئے ہیں مگر وہ رونا کیا قیمت رکھتا ہے

جو ظلم سے باز نہ رکھے ظلم کر رہے ہیں پازیب پیر سے مظلومہ کے اتار بھی رہا ہے اور رو بھی رہا ہے کہا کیوں روتے ہو کہا آپ کی مظلومی پر کہا پازیب کیوں اُتار رہے ہو کہا اس لئے کہ میں نہ اُتاروں گا تو کوئی اور اُتار لے گا میں ہی فائدہ اُٹھالوں تو بتائیے اس رونے کی کوئی قیمت ہے بس یاد رکھئے کہ وہ مصیبت تو ایسی ہے کہ ظالم روئے اب اگر ہم اثر مصیبت سے روئے تو اس رونے کی کیا قیمت ہوگی اگر ہمارے اختیار میں جو چیز ہے یعنی اطاعت وہ نہ کریں۔ صاحب یہ مستقل موضوع ہے چند جملے کہہ رہا ہوں حالانکہ آپ کے لئے ناخوشگوار ہیں یہ باتیں آپ کے لئے تو بہت خوش آئند اس کے مخالف پہلو ہیں تو میں کہتا ہوں کہ نا نہ ہے ہمیں بڑا کارنامہ محبت ہے میں کہتا ہوں محبت ہمارا کارنامہ ہے؟ جو قابل محبت ہے اس کا حسن ہے جو متقاضی محبت ہوتا ہے محبت کرنے والے کا کوئی کارنامہ تھوڑی ہوتا ہے محبت کرنا۔ جو ہستیاں ہیں قابل محبت ان سے محبت ہم کرتے ہیں تو احسان کیا ہے۔ بس محبت کرتے ہیں قابل محبت سے تو اس شعبہ میں ظلم کے مرتکب نہیں ہیں اس کے آگے یہ کارنامہ کیا ہے کہ ہم محبت کرتے ہیں۔ اسی طرح سے ہم ان کے مصائب پر روتے ہیں مصائب ہیں ہی ایسے اس پر پتھر روئے ہم روئے تو کیا کمال۔ بس اب یہ بات مصائب ہے میں کہتا ہوں کہ ہم تو آنسوؤں سے روتے ہیں کائنات نے تو شاعروں کے مجاز کو حقیقت بنا دیا خون کے آنسوؤں سے روئی محمد ابن طلحہ شافعی کی کتاب مطالب السئول ہے علامہ سبط ابن جوزی کی کتاب تذکرہ خواص الامہ ہے اور علامہ ابن حجر مکی کی کتاب صواعق محرقہ ہے ہر ایک لکھ رہا ہے کہ واقعہ کربلا کے چالیس دن بعد تک جو کپڑا زیر آسمان پھیلایا جاتا تھا اس پر

خون کے نشان ہو جاتے تھے کیونکہ آپ کا عشرہ اسی زمانے میں ہو رہا ہے تو میں کہتا ہوں کہ اس رعایت سے میں سمجھا میں نے محسوس کیا کہ عشرہ کا دن ہی روزِ مصیبت اس کی طرف کا مقرر کردہ نہیں ہے بلکہ اربعین تک کا زمانہ عزا یہ بھی اُدھر کا مقرر کردہ ہے کیونکہ چالیس دن پورے ہوتے ہیں بیس صفر کو تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ چہلم کی تاریخ بھی اُدھر سے مقرر ہوئی ہے دنیا ہم سے کہتی ہے کہ تم روتے کیوں ہو میں کہتا ہوں کہ آسمان سے جا کر پُوچھو کہ کیوں روتا ہے زمین سے پُوچھو کیوں روتی ہے اور ایک عجیب سوال کرتے ہیں کہ رسولؐ کا ماتم کیوں نہیں کرتے حُسینؑ کا ماتم کیوں کرتے ہو میں کہتا ہوں کہ خیر اگر ہم رسولؐ کا ماتم نہیں کرتے تو ہم تھوڑی دیر کے لئے مانے لیتے ہیں کہ یہ ہماری کوتاہی ہے، مگر آپ کو احساس ہے تو آپ ہی کیجئے ان کا ماتم یہ ہمارے روکنے کے لئے آپ کو رسولؐ یاد آتے ہیں۔ آپ رسول کا ماتم کیجئے ہم آپ سے وعدہ کرتے ہیں کہ آپ کے ساتھ آکر شریک ہوں گے۔ تقسیم عمل ہو جائے آپ رسُولؐ کا ماتم کیجئے ہم فرزندِ رسولؐ کا ماتم کریں یونہی سہی۔ یہ آپ ماتمی ہونے سے گھبراتے کیوں ہیں آپ بھی غم کیجئے۔ ماتم کے معنی ایک خاص طرز نہیں ہے جس طرز سے آپ چاہیں ہمارے ہاں ہر جگہ عزاداری ایک ہی عنوان سے ہوتی ہے وہ تو فریاد کی کوئی لے نہیں ہے۔ نالہ پابند نے نہیں ہے جس کی جو سمجھ میں آیا ہے۔ جذبہ ہے اظہار سوگواری کا۔ ہمارے ہاں جس طرح کی شبیہیں ہوتی ہیں اس طرح کی ایران و عراق میں نہیں ہوتیں۔ ایران و عراق میں جس طرح کی شبیہیں بنتی ہیں ہم اس طرح کی پسند نہیں کرتے، ہمارے ذوق کے مطابق نہیں ہوتیں وہاں زندہ شبیہیں بنتی ہیں۔ بس اربابِ عزا مجھے معلوم ہے کہ

مصائب حسینی کے آپ عموماً طلب گار ہوتے ہیں مگر آج تو عزائے حسین میں ایک اور عزا بھی ہو گئی ہے شریک۔ وہ بھی ایک بہن سے چھوٹا ہوا بھائی ہے جس کا ماتم آج ہے ارے کربلا میں سب کچھ تھا مگر زینب کے لئے تسلی تھی کہ میں پاس تھی چاہے بچا نہ سکی مگر فاطمہ معصومہ قم ارے انہیں تو کوئی خبر دینے والا تک نہ ہوا کہ وہ بتا دے کہ تمہارے بھائی پر کیا گزری اور ہاں ایک بات عرصہ تک کچھ سوچا میں نے حیران رہا کہ مصائب حسینی اتنے بے پناہ اور ان کی غربت ایسی مگر کیا بات ہے کہ غریب الغربا ہم اس مظلوم کو کہتے ہیں انہیں سیّد الشہدا کہتے ہیں سیّد الصابرین کہتے ہیں بہت کچھ کہتے ہیں مگر غریب الغربا۔ جب کہتے ہیں تو اس سے صرف اپنے آٹھویں امام کو مراد لیتے ہیں بس فرق یہی محسوس ہوا کہ وطن سے دُور تھے مگر گھر والے پاس تھے اور یہ ایسے بے گھر تھے کہ گھر والے بھی پاس موجود نہ تھے۔ ماشاءاللہ اجرکم علی اللہ۔ اب جب عرصہ تک بہن کو خیریت معلوم نہ ہوئی تو چلی بھائی سے ملنے کے لئے منزل بہ منزل چلتی گئی یہاں تک کہ ایران کے حدود میں پہنچ گئیں اور جو لوگ ماشاءاللہ زیارت سے مشرف ہو چکے ہیں وہ جانتے ہیں کہ طہران اب جہاں ہے۔

اس کے بھی آگے پہنچ چکی تھیں قم کے رئیس کو معلوم ہوا۔ حاکم قم کو پتہ چلا کہ بہن امام رضاؑ کی آرہی ہے بہن بھی غریب الوطن ہے مگر پھر بھی اب ویسی سواری نہ سوچئے گا جیسی زینب کی تھی تزک و احتشام کے ساتھ سواری آرہی تھی پردہ دار عمل ہے کنیزیں ہیں حاجب و دربان ہیں اس شان سے سواری آرہی ہے حاکم قم کو معلوم ہوا تو اس نے درخواست بھیجی کہ کچھ اِدھر رُخ کیجئے اور قم میں تھوڑی

دیر توقف کیجئے اب سیدھے راستے کو چھوڑ کر مڑیں قم کی طرف جانے کے لئے اس کی فرمائش پر اس کے خلوص کی قدر کی بنا پر وہاں پورے شہر کو حکم ہوا کہ استقبال کے لئے چلو پورا قم استقبال کے لئے نکل آیا مگر کیونکر۔ سیاہ پوش۔ جتنے افراد ہیں سب ماتمی لباس پہنے ہوئے اور علموں کے پھریرے ماتمی اس لئے کہ پرسہ دینے کو اک بہن کے پاس جا رہے ہیں۔ اہل عزا۔ ادھر معصومہ قم قریب آئیں اور اُدھر سے یہ فوج و لشکر آتا ہوا نظر آیا کنیز سے پوچھا یہ شور کیسا ہے کہا آپ کے بھائی کا لشکر آرہا ہے آپ کے بھائی کی جماعت آپ کے استقبال کے لئے آرہی ہے بس ایک دفعہ پردۂ محمل سے دیکھا میرے بھائی کے علم سیاہ نہیں ہو سکتے ارے جاؤ پوچھو کہ میرے بھائی کہاں ہیں میرے بھائی کی خیریت کوئی بتائے بس کنیز نے جا کر پوچھا عام آدمی کو جرأت نہیں ہوئی کہنے کی۔ کہا ہمارے حاکم کے پاس چلو اب حاکم کے پاس لے گئے کہا کہ مجھے معصومہ معظمہ نے بھیجا ہے خواہر امام رضاؑ نے دریافت کیا ہے کہ میرے بھائی کہاں ہیں بس اب حاکم نے عمامہ سر سے پھینک دیا کہا ارے بھائی کہاں وہ تو دُنیا سے رخصت ہوئے اس نے جا کر خبر دی کہ بی بی وہ تو کہتا ہے کہ آپ کے بھائی زندہ نہیں رہے بس یہ سُننا تھا کہ انہوں نے کہا کہ اب میں آگے جا کر کیا کروں گی وہیں سفر ختم کر دیا اور ایک بارگاہ ان کے نام کی ہو گئی اب روایتوں میں تفصیل نہیں ہے مگر معلوم ہوتا ہے کہ پھر زندہ نہیں رہیں بس تھوڑے ہی دن کے بعد بیمار پڑیں اور ایسی بیمار کہ اسی میں رحلت کی میں کہتا ہوں اے جناب معصومہ قم آپ نے اپنے بھائی کی خبر بڑے عزت و احترام کے ساتھ سنی لیکن زینب کو جو خبر ملی وہ کیونکر الا قتل الحسین بکربلا الا ذبح الحسین بکربلا

مجلس ششم

دینِ اسلام

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؕ

اِنَّ الدِّیۡنَ عِنۡدَ اللّٰہِ الۡاِسۡلَامُ ۔

اسلام کے معنی میں نے عرض کیا کہ دو ہیں سر جھکانا اطاعت کے ساتھ اور اپنے کو سپرد کر دینا اب یہ دونوں باتیں کس ذات سے متعلق ہیں وہ ذات خالق کائنات کی ہے اس لئے قرآن مجید میں جہاں جہاں اسلام کے ساتھ مُتَعَلَّق کا ذکر ہے وَلَہٗ اَسۡلَمَ اللہ کے لئے اسلام لائے ہیں۔ بعض جگہ الفاظ قرآنی سے پتہ چلتا ہے کہ دوسرے معنی زیادہ اس میں ملحوظ ہیں یعنی سپرد کر دینا یہود و نصاریٰ کا مقولہ تھا نَحۡنُ اَبۡنٰٓؤُا اللّٰہِ وَاَحِبَّآؤُہٗ ہم اللہ کے بیٹے ہیں اور اس کے لاڈلے ہیں چہیتے ہیں۔ اب قرآن مجید نے اسی مقولے کو اُنکے نقل کیا کہ یہود و نصاریٰ کا یہ قول ہے پہلے تو طنزیہ انداز میں اُنکے اس تصوّر کی خامی کا اظہار کیا ارشاد کیا قُلۡ فَلِمَ یُعَذِّبُکُمۡ بِذُنُوۡبِکُمۡ کہئیے کہ پھر بھلا وہ تمہیں تمہارے گناہوں کی سزا کیوں دینے لگا مطلب یہ کہ جس جماعت کو یہ تصوّر ہو جائے کہ ہمارا اللہ کے ساتھ کوئی خاص رشتہ ہے وہ اصلاحِ عمل کا جذبہ ختم ہو جائے گا اور اس کے بعد جو اصل بات تھی وہ کہی کہ وَ اَنۡتُمۡ بَشَرٌ مِّمَّنۡ خَلَقَ

بلکہ تم بھی آدمی ہو اُن میں سے جو اُس نے پیدا کیئے ۔ جیسے سب اس کی مخلوق ہیں ویسے ہی تم
بھی اُس کی مخلوق ہو جیسے یہ انکا مقولہ ہے اور قرآن مجید نے اس کو درج کر کے رد کیا اسی طرح
ایک مقولہ ان کا اور تھا قالو لن ید خل الجنۃ الا من کان ھودا او نصارٰی
وہ کہتے ہیں کہ جنت میں کوئی داخل نہیں ہوگا سوائے اسکے جو یہودی و نصاریٰ ہو یہ یا کہہ
کر اُن میں سے کوئی نہیں کہتا ہے مطلب یہ ہے کہ یہودی کہتے ہیں کہ وہی داخل ہوگا جو
یہودی ہو عیسائی کہتے ہیں کہ وہی داخل ہوگا جو عیسائی ہو کیونکہ قرآن نے ان دونوں کے
مقولے کو سمو کر بیان کر دیا ہے اس لئے یا یا ہو گیا کہ ان دونوں کا نتیجہ یہ ہے وہ یا
یہودی ہو یا نصرانی ہو ۔ اُن کے قول کے مطابق یہودی ہو اُنکے قول کے مطابق نصرانی ہو ۔
اب اہل اسلام غور کریں کسی بھی فرقے کے ہوں، کہ اسکے مقابل میں قرآن، ہمارے مذاق کے
مطابق اُسے کیا کہنا چاہیئے تھا جو ہم یہ سمجھتے ہیں یہ کہا جاتا کہ نہیں سوا اسکے جو مسلمان ہو
کوئی جنت میں نہیں جائے گا مگر صرف مسلمان کہا جاتا تو مسلمان لقب ہو جاتا جیسے مردم
شماری کے رجسٹر میں مذہب کے خانے میں مسلمان لکھا جاتا ہے کہ اس کے جواب میں
مسلمانوں کی طرف سے جو حقیقت پیش کی جا رہی ہے اس میں مسلمین یہاں نہیں کہا جاتا
ورنہ جماعتی نام بن جائے گا لوگ سمجھیں گے ایک فرقے کا نام ہے جیسے یہودی ہونا بس
ضمانت ہے چاہے کردار جیسا ہو ۔ جیسے نصرانی ہونا ضمانت ہے چاہے کردار جیسا ہو
ویسا ہی مسلمانوں کا تصور ہوگا کہ بس مسلمین جائیں گے جواب ترکی بہ ترکی کا تقاضہ تو یہی تھا
لیکن قرآن نے اُسکے جواب میں کیا کہا ہے قرآن نے یہ کہا کہ وہاں جو کہا تھا انھوں نے،
کہ اللہ ہمارا رب ہے یعنی دُنیا اسلام کی فراخی حوصلگی کو دیکھے اور بات یہ ہے کہ تنگ
نظری آتی کہاں سے جب کہ وہ پیغام اُس کا ہے جو سب کا ہے وہ کسی اگر محدود

ذات کا ہوتا پیغام تو وہاں تنگ نظری ہوتی۔ تو وہ وہاں کہہ رہے تھے کہ ہم اللہ کے بیٹے ہیں اور اُسکے چہیتے ہیں اُسکے جواب میں مسلمانوں سے یہ کہلوا دیا جاتا جواب ترکی بہ ترکی کا تقاضا یہ تھا کہ نہیں ہم خاص اُسکے، ارے بیٹا نہ کہتے محبوب کہہ لیتے ہم خاص اُسکے پیارے ہیں یہ کہا جاتا مگر مسلمانوں کی زبان سے یہ نہیں کہا جا رہا ہے کہ وہ ہمارا ہی ہے بس۔ مسلمانوں کی زبان سے اللہ نے اعلان کروایا کہ وَھُوَ رَبُّنَا و ربکم وہ ہمارا بھی مالک ہے تمہارا بھی مالک۔ لنا اعمالنا ولکم اعمالکم۔ ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں، تمہارے لئے تمہارے اعمال ہیں۔ صلوٰۃ اور وہ جو وہ کہہ رہے تھے کہ سوائے یہود و نصرانی کے کوئی نہیں جائے گا اُسکے جواب میں بھی جماعتی نام لیکر نہیں کہا جائے گا کہ نہیں بس مسلمان جائیں گے۔ نہیں اسکے جواب میں کہا جا رہا ہے اس کو میں نے پیش کرنے کے لئے منتخب کیا ہے اب مسلمین نہیں کہا جاتا۔ بلیٰ من اسلم وجھہ لِلّٰہ وھو محسنٌ فلہ اجرہ عند ربہ ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون۔ کہاں ان کا وہ زور شور کہ سوائے یہودی و نصاریٰ کے کوئی نہیں جائے گا اور کہاں اس کتاب میں جو گویا مسلمانوں کی طرف سے وکالت کی ذمہ دار ہونا چاہیئے۔ میں تو کہتا ہوں کہ بڑے دھیمے انداز میں کہا جا رہا ہے بھئی کہ یہ کیوں کہتے ہو کہ کوئی نہیں جائے گا بھلا کوئی نہیں۔ من اسلم وجھہ لِلّٰہ۔ اب یہاں وہ سر نہادن بطاعت بنتا ہی نہیں اس لئے میں نے یہ آیت پیش کی یہاں وہی معنی بنتے ہیں جو اپنی شخصیت کو اللہ کے سپرد کر دے من اسلم وجھہ للّٰہ اس سے پتہ یہ دے دیا خود مسلمانوں کو کہ مسلم کہنے سے مسلم نہیں ہوتا صفت کے ہونے سے مسلم ہوتا ہے جو اپنی شخصیت کو اللہ کے سپرد کر دے درحالانکہ حسن عمل بھی رکھتا ہو فقط دعویٰ سے کام نہیں چلتا فقط نام اسلام ہو اس میں ایمان سے کام نہیں چلتا اُس کے ساتھ

ساتھ حسن عمل رکھتا ہو تو پھر بھی آنکھ بند کر کے نہیں کہا جا رہا ہے کہ بس اُس کے لیے جنت ہے کہا جا رہا ہے اس کے لئے جو اس کا اجر ہو یعنی جتنی محبت کی ہو جتنا کام کیا ہو جتنا حسن عمل کیا ہو اس کے لئے اس کا اجر ہے جو ہوتا ہو اس کا اللہ کے یہاں ولا خوف علیہم ولا ہم یحزنون تو نہ اُن کے لئے کوئی خوف ہوگا نہ حزن و ملال ہوگا تو اب آپ نے دیکھا کہ اسلام کے یہاں وہی معنی ہیں سپرد کرنا۔ اب یہ چیز جو ہے اصل دین اسلام اور اسلام سر نہادن بطاعت اپنے کو سپرد کر دینا اور میں نے کہا زیادہ یہی پہلو ملحوظ ہے مگر کس کے اللہ کے۔ اور میں نے یہ کہا کہ انسان جب سے پیدا ہوا یہ صفتیں لئے ہوئے آیا اس کی اطاعت کرتا ہوا آیا یہ جو اپنے ضروریاتِ حیات پورے کر رہا ہے اس کو یہ معلوم تھوڑی ہے کہ یہ میرے ضروریاتِ حیات ہیں یہ تو بس کسی مالک کی اطاعت کر رہا ہے اور میں کہتا ہوں کہ اس کے بعد ضروریاتِ حیات پورے کیجئے مگر اس لئے نہیں کہ میرے ضروریاتِ حیات ہیں بلکہ اس لئے کہ اس کی مرضی ہے کھانا بھی کھائیے تو یہ سمجھ کر کہ مجھے حکم ہے پانی بھی پیجئے تو یہ سمجھ کر کہ مجھے حکم ہے تمام نظام زندگی کے کام کیجئے مگر یہ سمجھ کر کہ اس کا حکم ہے تو یہ یاد رکھئے کہ دنیا کا ہر کام عبادت ہو جائے گا تو جناب والا یہ دونوں صورتیں تو لئے ہوئے انسان پیدا ہوتا ہے مگر بس فرق اتنا ہے کہ اس وقت یہ دونوں صفتیں جبر قدرت سے، اللہ کے ارادہ تکمیل ہی کے ماتحت ہیں تکمیل کیا مطلب کہ وہ کن والا، ہو جا ہو گیا یعنی وہ اُس کے ارادے کا ظہور، ورنہ کیا وہ لفظ کُن بولتا ہے، یہ تعلق ارادہ کی ایک تعبیر لفظی ہے اور اسی لئے یہ لفظ کُن ہے جو ایک منزل پر آ کر اتنا لمبا جملہ بنا کُونی برداً وسلاماً علی ابراھیم تو کیا جتنی دیر میں مَیں نے کہا کیا اتنی دیر میں اللہ سبحانہ نے یہ کہا یہ وہی حکم کُن ہے جو یہاں

کیونکہ متعلق اس کا یہ ہے کہ آگ نقطۂ اعتدال برودت پر آئے یعنی سردی بھی اتنی نہ ہو جو حیاتِ انسانی کے لئے خطرناک ہے تو جب وہ الفاظ کے قالب میں آیا تو اتنا بڑا جملہ بنا یا یانار کونی برداً وسلاماً علی ابراھیم۔

تو اب یہ اللہ کا حکم جو ہوتا ہے تو پھر کائنات کی ہر شے اس کی اطاعت کرتی ہے جو اطاعتِ عمومی، ہیں وہ روزمرّہ ہو رہی ہیں اور جو خصوصی حکم ہو جاتا ہے تو وہ خصوصی ہو جاتا ہے یہ آگ اپنی فطرت دکھاتی ہے جلانے کی یہ بھی اطاعت ہے یہ اس کے حکمِ عام کی تعمیل ہے اور ایک موقع پر نہیں جلایا یہ اُس کے حکم خاص کی تعمیل ہے دوا جو اثر کر رہی ہے وہ بھی اُس کے حکم کی اطاعت کرتی ہوئی اور جو بے اثر ہو جاتی ہے وہ بھی اس کے حکم کی تعمیل کرتی ہوئی یہ معنی ہیں اس کے کہ لا یتحرك ذرة الا باذنه کوئی ذرّہ حرکت نہیں کرتا مگر اللہ کے ارادے سے دنیا نے لاکر اس مقولے کو منطبق کیا وہاں جہاں انسان مجبور بننا چاہے بس یہ جس بات میں اپنا مطلب نکلے اگر جبر ثابت ہو جائے تو پھر کسی کو بُرا کہنے کی ضرورت نہ ہو۔ یہ بڑا خطرناک ہے اختیار کہ یہاں بہت سی شخصیتیں معرضِ بحث میں آجاتی ہیں اور اگر جبر کا عقیدہ عام ہو جائے تو ہر شخص سمجھے وہ بیچارا کیا کرے وہ تو اللہ نے جو کرایا وہ اس نے کیا۔

تو اس کے لئے روایتیں گھڑی ہیں کارخانوں میں عقائد بھی ڈھلے ہیں کارخانوں میں عوام کے ذہنوں کو معطل کرنے کے لئے کہ غور کرنا چھوڑ دیں کہ یہ اچھا ہے یا بُرا ہے۔ جب سب اللہ کرتا ہے تو سوچنا کیا کہ کون اچھا کر رہا ہے کون بُرا کر رہا ہے اور فعل اللہ کے قرار دیئے اور اللہ کے فعل میں یہ اصول بنایا کہ نہ اچھا ہوتا ہے وہ نہ بُرا ہوتا ہے اللہ کرتا ہے لہٰذا اچھا ہی ہے بُرے کا سوال ہی نہیں تو پورا قلعہ علم کلام کا تعمیر ہو گیا۔

نظام سیاست کے اُوپر تو حضور والا یتحرک ذرّہ بالکل یہی وہ ہوا سے پتہ ٹوٹ کر گرا تو ہوا نے اطاعت کس کی کی اس کی۔ اگر کسی وقت ہوا چلتی رہے اور پتہ نہ گرے تو معلوم ہوتا ہے کہ اب یہ پتّے کو کوئی خاص حکم اب آیا ہے تو اس حکم خصوصی کی پیروی کر رہا ہے یاد رکھئے کہ یہی احکام خاص اللہ کے جب کچھ انبیاء و اولیاء کے ذریعے سے ہو جاتے ہیں تو اُن کا معجزہ قرار پاتے ہیں کیونکہ وہ فعل و عمل ایک نبی کے ہاتھ پر اُس کے دعوے کی تصدیق کے لئے ہوا اس لئے معجزہ اسی رسول کا ہے مگر فعل اللہ کا ہے یعنی اللہ نے اس کے ہاتھ پر اس معجزے کو ظاہر کیا تو معجزے کی نسبت اسی کی طرف درست ہے جس کے ہاتھ پر ظاہر ہوا مگر فعل وہ اللہ کا ماننا پڑے گا ہاں اس کے اذن سے اس کا فعل بھی مانا جاتا ہے ورنہ قرآن میں نہ ہوتا عیسیٰؑ کے لئے کہ وہ مُردوں کو زندہ کرتے تھے۔ یحیی الموتیٰ۔ خطاب میں ہے تحیی الموتیٰ اے عیسیٰؑ تم مُردوں کو زندہ کرتے تھے۔ یہی کہہ دیا ہوتا کہ میں تمہارے ہاتھ سے مُردوں کو زندہ کرتا تھا۔ مگر اُسے اندازِ تکلم ہمیں طرح طرح کے سکھانا بھی تھے کہ وہ بھی کہہ سکتے ہو یہ بھی کہہ سکتے ہو۔ تم مُردوں کو زندہ کرتے تھے میرے حکم سے بس یاد رکھئے یہ باذن اللہ۔ ذہن میں رہے کہ اللہ کے اذن سے ہے تو جس فعل کی نسبت دیجئے وہ شرک نہیں ہوگا۔ کیونکہ مسلمانوں میں ایک مُدّت سے کم سے کم دو سو برس سے ایک گروہ ہے کہ جس کو ہر چیز میں شرک نظر آتا ہے اور اسکی لفظیں یہ ہوتی ہیں کہ یہ نہ کرو نہیں تو شرک ہو جائے گا یہ نہ کرو نہیں تو شرک ہو جائیگا۔ تو اس کے جواب میں مَیں یہ کہتا ہوں کہ ہم نہیں کریں گے تو شرک کیونکر ہو گا تو حضور والا اللہ کا تصور ذہن میں ہو اس کے حکم کی اطاعت کائنات کی ہر شے کر رہی ہے یہ انسان بھی پیدا ہوتا ہے اس کے حکم کی اطاعت کرتا ہوا اور ابھی جو مَیں نے کہا کہ کبھی قانون عام

کی اطاعت ہوتی ہے کبھی قانون خاص کی وہ اس منزل پر بھی میں دکھا دوں کہ ہر بچہ جب
اُسے فطری غذا ملے تو وہ رخ کرے گا یہ رُخ جو کیا تو یہ قانون عام کے ماتحت ہے اور موسیٰ
جو رخ نہیں کر رہے ہیں وہ قانون خاص کے ماتحت ہے اور خالق نے کہا ہے اپنے
قانون کے اجرا کو حَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ ارے وہ رُخ کرتے کیونکر
ہم نے اُن پر تمام دُودھ پلانے والیوں کا دُودھ حرام کر دیا تھا بہت پہلے اور ابھی تو
مَیں نے دُور کی مثال دی اور بحمداللہ دُور کی مثال سے بھی آپ محفوظ ہوئے مگر اب میں
قریب کی مثال بھی دے دُوں کہ اگر فطری غذا کی طرف بچّہ رُخ کرے تو قانون عام کے
ماتحت ہے اور اگر نانا کی زبان کو لیکر مُنہ میں چُوسنے لگے تو یہ قانون خاص کے ماتحت ہے
تو حضور جیسے آیات قرآن متشابہ ہیں اُس میں بہت سے معنی ہیں۔ کہیں تو خود سمجھ میں
نہیں آتے اور معنی پیدا ہی نہیں ہوتے کہیں سوچنے پر کچھ معنی مگر کسی دُوسرے کے سوچنے
پر کچھ اور معنی۔ اسی طرح بعض آیات میں تیس اقوال چالیس اقوال مفسّرین کے ہو جاتے
ہیں۔ تو وہ آیات متشابہات ہیں۔ اسی طرح احادیث میں بھی بعض متشابہات ہوتے
ہیں کہ اس میں بھی سوچنے والے طرح طرح کے معنی پیدا کر لیتے ہیں چنانچہ یہ حدیث جو ہے کہ
کل مولود یولد علی فطرۃ الاسلام ہر بچّہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے اس کی بھی
تشریح ہر ایک ایک طرح نہیں کرتا اور لوگ سوالات کرتے ہیں کہ اس کے کیا معنی ہیں تو
اس میں بھی ممکن ہے کوئی جواب کچھ دے کوئی کچھ دے جو جس کے ذہن میں جس کا
مفہوم۔ میرے ذہن میں جو مفہوم اس کا ہے وہ اجمالاً کل عرض کر چکا یعنی اسلام وہی مطالبہ
کرتا ہے جو از روئے فطرت ہے فطرت کے ماورا کوئی مطالبہ اسلام کا نہیں ہے وہ کام
جو انسان کرتا ہوا دنیا میں آتا ہی ہے اُسی کا پھر انسان سے اسلام مطالبہ کرتا ہے۔ کوئی

بھی اپنی اطاعت کا مطالبہ کرے وہ غیر فطری ہوگا اس لئے کہ فطرت کے اُوپر ایک بار ہے کوئی حاکم کہے میری اطاعت کرو فطرت کے ماورا مطالبہ ہے جب یہ پیدا ہوا تھا۔ آکے کہتا کوئی کہ اطاعت کرو۔ دیکھوں کہ یہ اطاعت کرتا معلوم ہوتا ہے کہ فطرت کے اوپر الگ سے ایک بوجھ ہے جو رکھا جا رہا ہے لہٰذا ہر غیر خدا کی اطاعت غیر فطری ہے کیونکہ پیدائش کے بعد سے ان میں سے کوئی قادر نہیں تھا اس سے اطاعت کرانے پر۔ اس وقت کوئی حکم نہیں چلا سکتا تھا اس پر۔ اب جو بعد میں آیا ہے حکم چلانے تو یہ اسکی فطرت سے ماورا ایک بوجھ ہے جو اس پر لادا ہے لہٰذا غیر فطری۔ اسلام کسی اور کی اطاعت نہیں کراتا سوائے اس کے۔ ہاں ذہن میں آسکتا ہے کہ اسلام نے یہ جو بعض اطاعتوں کا ذکر ہے۔ میں کہتا ہوں کہ جس کی بھی اطاعت ہے وہ اس کے حکم سے ہے لہٰذا اس کی اطاعت ہے اور اسی لئے کوئی بھی اطاعت ہو جو اُس کی اطاعت سے ٹکرا جائے تو اطاعت حرام۔ ہے تو وہی حکم دینے والا، مگر اب وہ نہیں اطاعت کر رہا ہے اگر پابند قانون ہے اگر واقعی عملاً مسلم ہے تو اب نہیں اطاعت کر رہا ہے کیوں۔ اس لئے کہ اس وقت جو اطاعت کر رہا تھا یہ سمجھ رہا تھا کہ میری اطاعت کر رہا ہے مگر اصل میں ایک اور بالا دست طاقت کی اطاعت کر رہا تھا کیونکہ اس کا حکم اس کے حکم سے ٹکرا نہیں رہا تھا اب جو ٹکرا گیا اور اس کے حاکم کی مرضی کچھ اور ہو گئی تو پتہ چل گیا کہ یہ ظاہر میں اسکو حاکم مان رہا تھا اصل میں حاکم کسی اور کو مان رہا تھا تو جو اطاعت ہے ماں باپ کی اطاعت اولاد پر بے شک واجب ہے ارے بڑی عظیم الشان قرآن میں خدا نے ماں باپ کا نام اپنے نام کے ساتھ لیا ہے ارشاد ہوتا ہے قضیٰ ربک ان لا تعبدوا الا ایاہ و بالوالدین احسانا۔ تمہارے پروردگار کا قطعی فیصلہ ہے کہ

عبادت تو سوا اس کے کسی اور کی نہ کرو مگر ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک، مطلب کیا ہوا آئمہ معصومین نے اس کی طرف توجّہ دلائی ہے کہ والدین کی اہمیت اتنی ہے کہ اپنے نام کے بعد بلا فاصلہ ماں باپ کا نام لیا ہے یعنی بس میرا حق یاد کرو۔ اور پھر کوئی حق ہے بلا فصل۔ تو وہ والدین کا۔ تو جناب بالوالدین احساناً والدین کے ساتھ حسن عمل اختیار کرو۔ نیک سلوک کرتے رہو تو بے شک والدین کی اطاعت میں بڑا زور ہے اتنی طاقت ہے کہ اللہ کے کسی حکم غیر الزامی سے اگر کوئی متصادم ہو تو اطاعت واجب رہے گی یعنی کسی مستحب کو منع کر دیں تو حرام ہو جائے کسی مکروہ کا حکم کریں تو واجب ہو جائے۔ ارے کوئی بڑے سے بڑا کار خیر۔ فرض کیجئے کسی وقت نماز جماعت کے لئے آپ مسجد میں جانا چاہتے ہوں اور کسی وجہ سے حکماً باپ یا ماں منع کر دے تو جانا حرام ہو جائے گا۔ نماز باطل ہو جائے گی۔ گھر میں ہی پڑھ لیجئے کوئی وجہ ہی ہو گی جس کی وجہ سے ماں باپ یہ حکم دیں گے تو تعمیل واجب ہو جائے گی اور اسی طرح بڑے سے بڑا کوئی عملِ صالح۔ نیک مستحبات میں سے لیجئے تو اگر منع کر دیں تو حرام ہو جائے گا، مگر بس اتنی طاقت ہے لیکن اگر کسی واجب کے ترک کو کہیں تو اب اطاعت حرام، مگر بعض بخیال خود بڑے چاہنے والے ماں باپ ہیں کہ بچّہ ہو گیا ہے بالغ اور شرعاً پندرہ برس کی عمر میں لڑکا بالغ ہو جاتا ہے نو برس میں لڑکی بالغ ہو جاتی ہے۔ مگر ہمارے عرفِ عام میں تو بہت دن بچّہ رہتے ہیں۔ سولہ برس کا لڑکا بچّے کے سوا کہلاتا ہے کچھ اور۔ کون دس برس کی لڑکی بچّی کے سوا کچھ اور کہلاتی ہے بس جب شرعاً وہ بالغ ہو گیا اب اس پر قلم تکلیف شرعی رواں ہو گیا کاتبان اعمال اب اعمال لکھنے لگے اب آیا ماہِ رمضان۔ ماں باپ بنظر محبّت فرماتے ہیں۔ بیٹا تم روزہ نہ رکھو۔ ارے تم۔ تمہاری

بساط کیا ہے ۔ یہ عام باتیں ہیں جو میں عرض کر رہا ہوں ۔ اپنے نزدیک محبت کر رہے ہیں بچے کو اگر وہ ۔ فرض کیجئے اتفاق سے ۔ اُسے مسئلہ شرعی معلوم ہو گیا وہ کہتا ہے مجھ پر واجب ہے وہ کہتے ہیں نہیں بچے ہو تم ابھی ۔ وہ سمجھتے ہیں کہ محبت کر رہے ہیں وہ درحقیقت عداوت ہے کیونکہ روز قیامت سوال تو اس سے کیا جائے گا تم نے روزہ کیوں نہیں رکھا اس دن یہ ماں باپ شفاعت کے لئے نہیں جا سکیں گے خود انکو سزا ملے گی کہ تم نے کیوں روکا تھا ایک عملِ خیر سے تو یہاں حکم عدولی اللہ کی ہے ۔ جس سے ٹکرا رہی ہے ان کی ہدایت اب یہاں تعمیل حکم ہے حرام ۔ اور دوسرے شعبوں میں بھی اس کی مثالیں ہوا کرتی ہیں کہ جناب خوش دامن صاحبہ بہو سے خفا ہوئیں یہ تو نہیں کہتیں صاحبزادے سے کہ طلاق دے دو ، کیونکہ طلاق ہے شرافت خاندانی کے خلاف ، مگر یہ حکم چلاتی ہیں کہ خبردار اس کے پاس نہیں جانا ۔ اب ہے تعمیل حکم حرام کیونکہ بیوی ہوتے ہوئے اس کے حقوق اللہ کی طرف سے عائد کئے ہوئے ہیں اب یہ والدہ صاحبہ اس کے حکم کے مقابلے میں اپنا حکم چلانا چاہتی ہیں تو غرض اصول یہ ہو گا کہ لاطاعة المخلوق فی معصیت الخالق ۔ خالق کی معصیت میں کسی مخلوق کی اطاعت نہیں تو اب جو جو اطاعتیں ہم کر رہے ہیں وہ سب مشروط ہیں کہ اللہ کے احکام سے نہ ٹکرائیں اب اگر قرآن نے کسی کی اطاعت کا غیر مشروط طور پر حکم دیا ہو تو ماننا پڑے گا کہ اس کا حکم خدا کے حکم سے نہیں ٹکراتا ۔ تو اب قرآن میں دیکھ لیجئے اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم ۔ اللہ کی اطاعت کرو ۔ آیت ختم ہو گئی ۔ جی نہیں اور اطیعوا الرسول رسُول کی اطاعت کرو کوئی قید ہے اسمیں ۔ جیسے اللہ کی اطاعت کا حکم مطلق ویسے ہی رسول کی اطاعت کا حکم مطلق ۔ کہا جا رہا ہے رسُول کی اطاعت کرو ۔

مطلق اطاعت کا حکم ہے۔ تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ رسولؐ کا حکم اللہ کے حکم سے کبھی نہیں ٹکراتا۔ ہر مکتب خیال کے تصورات بھی کچھ نہ کچھ آپ کے ذہن میں ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ ان کا حکم اللہ کے حکم سے کبھی نہیں ٹکراتا نہ بھولے نہ چوکے۔ اب اگر کوئی حافظ قرآن ہو تو اُسے تو زبانی یاد ہو گا اور اگر کوئی حافظ قرآن نہیں ناظرہ خواں ہو تو وہ قرآن سے نکال سکتا ہے اگر ایسا نہیں بھی ہے تو بحمد اللہ مجالس۔ یاد رکھئے کہ مجالس لاشعوری طور پر درس قرآن بھی ہیں اور درس حدیث بھی ہیں۔ یہ سب مفادات اس سے حاصل ہو جاتے ہیں ضمناً بشرطیکہ صحیح کام لیا جائے مجالس سے۔ تو جناب والا بہرحال یہ آیت تو آتی ہے سامنے کہ اگر اب اللہ اور رسول کے ساتھ بھی کوئی نام لیا گیا ہے۔ اسے کسی ایک جگہ لیا گیا ہو۔ اس لئے کہ قرآن مجید کے حکم میں یہ قید تھوڑی ہے کہ چار دفعہ ہو تو تعمیل واجب۔ کسی ایک جگہ بھی اگر نام لیا گیا ہے اور اب جسے یاد نہ ہو وہ یاد کرے اور جسے یاد ہے وہ دُہرائے کہ اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم اللہ کی اطاعت کرو اور رسُول کی اطاعت کرو اور اولی الامر کی جو تم میں سے ہے اب اللہ ہے رسول ہے اور اولی الامر ہے مستقل طور سے یہ آیت پڑھنا مقصود نہیں۔ انشاء اللہ کبھی یہ آیت مستقل سرنامہ کلام ہوگی تو اب اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتا کہ اولی الامر کون ہیں۔ ترجمہ ہاں کر دوں۔ جو میرے نزدیک صحیح ہے۔ خالق نے آمرین نہیں کہا ہے۔ اتنی عربی میں جانتا ہوں اگر کہا جاتا کہ اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول و الامرین منکم۔ اللہ کی اطاعت کرو رسول کی اطاعت کرو اور تم میں سے جو حکمران ہوں۔ جو حکم چلانے والے ہوں۔ جو چاہے ترجمہ کر لیجیے ہمارے ہندوستان میں آجکل جو اردو ہے اس کے لحاظ سے جو اپنا حکم لاگو کر دیں تو جناب یہ نہیں ہے آمرین نہیں

کہا جا رہا۔ حالانکہ وہ لفظ مختصر تھی بلاغت قرآنی بلا وجہ اضافہ الفاظ نہیں کرتی ہے اگر اس لفظ سے مطلب حاصل ہو جاتا تو اضافے کی کیا ضرورت تھی ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اور اب جو ترجمہ میں کروں اُس کا میں ذمہ دار ہوں اور ان لوگوں کی جو حکم چلانے کے حقدار ہیں۔ کوئی منکم کی لفظ سے فائدہ اُٹھا سکتا ہے کہا جا رہا ہے کہ اولی الامر جو تم ہی میں سے ہیں یعنی ہمارے ہی بھائی بند ہیں میں کہتا ہوں کہ یہ قرآن ہے آپ کو جانے نہیں دے گا یہ قرآن ہے کوئی اور کلام نہیں ہے ارے یہی منکم اور منہم ضمیروں کا اختلاف ہے ترتیب تو ایک ہی ہے ارے یہی منہم تو رسولؐ کے لئے کہا گیا ہے وبعث فی الامیین رسول منہم۔ امین رسول بھیجا انہی میں سے۔ اولی الامر کو کہا جا رہا ہے کہ اولی الامر جو تمہی میں سے ہیں تو رسُول بھی انہی میں سے تھے مگر اُن کے منتخب کردہ نہیں تھے اولی الامر بھی انہی میں سے ہیں مگر تمہارے منتخب کردہ نہیں ہیں۔ پس مختصر یہ کہ جس کا منتخب کردہ رسول ہے اسی کے منتخب کردہ یہ ہیں صلوٰۃ۔ اب نقطۂ حقیقت واضح تو ہو گیا مگر ظاہر ہے کہ آیت جب مستقل عنوان کلام ہو تو اس میں تفصیلات آسکتے ہیں بہت زیادہ۔ بس اب ایک اُردو زبان میں ایک جُملہ کہہ دُوں کہ اللہ کی اطاعت غیر مشروط رسول کی اطاعت غیر مشروط اور میں نے کہا کہ اس کا نتیجہ یہ کہ رسول کا حکم اللہ کے حکم سے کبھی نہیں ٹکراتا۔ اب میں اس بحث میں نہیں پڑتا کہ اولی الامر کون ہیں۔ کون ہیں نہیں ایک منفی تصوّر تو مسلماً پیش کئے جاتا ہوں اولی الامر کوئی بھی ہوں مگر وہ نہیں ہیں جنکے احکام کو ہم نے دیکھا ہے خدا کے احکام سے ٹکراتے ہوئے صلوٰۃ۔ تو معلوم ہوا کہ غیر مشروط اطاعت اللہ کے سوا کسی کی نہیں ہو سکتی سوا ایسے شخص کے جس کا حکم، حکم خدا و رسول سے کبھی نہ ٹکرائے اور یاد رکھئے کہ اسی کو سمیٹ کر

ہم اصطلاحی لفظ میں جب کہتے ہیں تو یہ ہے کہ معصوم ہو۔ اب ایک پہلو پر غور کیجئے۔ ماشاء اللہ قانون داں حضرات بھی ہونگے اور اتنا قانون ہر ایک اپنی عقل سے سمجھ سکتا ہے کہ حضور جو چیز اپنی جگہ غلط ہو تو کیا اس کا معاہدہ صحیح ہوگا؟ جب کوئی چیز غلط ہے تو اس کا معاہدہ بھی غلط۔ چوری غلط ہے چند آدمی مل کر معاہدہ کریں چوری کا تو وہ معاہدہ بھی غلط ہوگا۔ تو جو چیز خود غلط ہے اس کا عہد بھی غلط ہے۔ اب میں نے کہا کہ غیر اللہ کی اطاعت کسی دوسرے کی غلط سوا ایسے کہ جس کی اطاعت عین مطابقِ حکم خدا ہو جب حکم کبھی نہیں ٹکراتا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کی اطاعت اللہ کی اطاعت۔ تو بس ایسے کی اطاعت یعنی معصوم کی اطاعت صرف غیر مشروط طریقے پر ہو سکتی ہے اور کسی کی اطاعت نہیں ہو سکتی۔ غلط ہے۔ جب غلط ہے تو عہد اس کا کہ میں اطاعت کرونگا۔ یہ عہد بھی غلط اور یاد رکھئے کہ اسی عہد کا نام ہے بیعت تو جس طرح اطاعت غیر خدا کسی کی نہیں ہو سکتی ویسے ہی بیعت بھی کسی ایسے کی نہیں ہو سکتی جس کا حکم اللہ کے احکام سے الگ ہو اور اسی لئے میں جو قرآن مجید کی آیت کی طرف توجہ دلاؤں گا کہ یہ تاریخی حقیقت ہے کہ مسلمان رسول کے ہاتھ پر بیعت کرتے تھے وہ قرآن مجید میں بھی ذکر ہے اور تاریخ میں بھی ہے مسلّم ہاں یہاں ایک چیز جو ہوائے زمانہ کے کتنی ہی خلاف ہو وہ میں کہنا ضروری سمجھتا ہوں اب ذہن میں بھی توجہ ہو گئی کہ حضور مرد بھی بیعت کرتے تھے عورتیں بھی بیعت کرتی تھیں مگر طریقہ دونوں کی بیعت کا مختلف تھا حالانکہ پیغمبر معصوم ہیں ہوا و ہوس کا غیر محل پر صرف ہونا غیر ممکن لیکن پھر بھی مردوں سے اطاعت کا طریقہ یہ کہ ہاتھ پر ہاتھ رکھیں لیکن عورتوں کی بیعت کے لئے گوشۂ عبا کو بڑھا دیا جاتا تھا تاکہ جسم رسول سے کسی نامحرم کا جسم مس نہ ہو اب احکام

اسلام یہی ہیں ترقی یافتہ دور کے تقاضے جو بھی ہوں گوشۂ عبا بڑھا دیا جاتا تھا کیونکہ گوشۂ عبا کو تھام لیں۔ بس یہی اُن کی بیعت کی علامت ہے اور میں کہتا ہوں یہ عمل جس مقصد کے لئے تھا وقار خواتین کے تحفظ کے لئے۔ اس کے ساتھ ضمناً میں یہ کہتا ہوں کہ انکا طریق بیعت زیادہ شاندار ہوگیا یعنی تمسک کے معنی ہیں دامن تھامنا تو یہ بات تو ضمناً آگئی تھی بہرحال بیعت تھی رسول سے مسلمان کرتے تھے مگر قرآن مجید کیا کہہ رہا ہے ان الذین یبایعونك انما یبایعون اللہ ید اللہ فوق ایدیھم۔ یہ جو آپ سے بیعت کر رہے ہیں یہ اللہ سے بیعت کر رہے ہیں یہ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھ کے اُوپر ہے۔ آخر اس کہنے کی ضرورت کیا ہوئی۔ یہ صرف مسلمان کے دماغ سے کھرچ کر نکالنا تھا غیر اللہ کی بیعت کا کہ رسُول کی بھی بیعت کرو یہ سمجھ کر کہ اللہ کی بیعت ہے اور اب جب یہ بات غلط ہے تو کسی بھی معصوم کے لئے یہ تصور کہ وہ کسی غیر کی بیعت کرے گا یہ غلط ہے چنانچہ سب مسلمانوں سے جو ہستی بحمد اللہ سب کے نزدیک معصوم ہے ارے وہ تفصیلات میں فرق ہو وہ اس وقت خارج از بحث ہے مگر آنکھ بند کر کے کسی مسلمان سے پوچھئے کہیں گے ہاں رسول اللہ بیشک معصوم تھے تو وہ ہستی سب کے نزدیک معصوم ہے تو میں پوچھوں گا کہ رسول اللہ نے کبھی کسی کی بیعت کی تو ہر مسلمان کہے گا فرض کیجئے کہ ایک مجمع ایسا ہو ہمارے وہی بیرون موچی دروازہ والے حسین ڈے کی طرح کا تمام فرق اسلامیہ کا اجتماع ہو اور اس میں میں پُوچھوں کہ رسول نے کسی کی بیعت کی تو پُورا مجمع چیخ اُٹھے گا کہ نہیں نہیں کبھی رسول نے بیعت نہیں کی۔ میں کہوں گا تقریر کرتا ہوا کہ پھر سوچ لیجئے۔ غور کر لیجئے۔ زندگی کے کسی دور میں کبھی کسی دُوسرے کی بیعت کی اب اور زیادہ زور سے کہیں گے غصّہ آئے گا سب کو۔

کہیں گے صاحب کہہ تو دیا بیعت لیتے تھے بیعت کرتے تھوڑی تھے نہیں عمر میں کبھی کسی سے بیعت نہیں کی اب میں اسی مجمع سے کہوں گا کہ پیغمبر نے حدیبیہ میں صلح فرمائی تھی مشرکین سے اب وہ مجمع چونک کر کہے گا ہاں ہاں صلح تو کی تھی میں کہوں گا صاحبو، آپ سب نے میرے پہلے سوال پر کہہ دیا کہ بیعت رسول نے کبھی کسی سے نہیں کی اور اب آپ سب مل کر کہہ رہے ہیں میرے یاد دلانے پر کہ رسُول نے صلح فرمائی تھی تو اب تو مان لیجیے کہ بیعت اور ہوتی ہے صلح اور ہوتی ہے اور میں فرق بتا دوں یہ بھی مستقل موضوع ہے کبھی انشاءاللہ 'صلح اور بیعت' ۔ تو میں فرق بتا دوں کہ بیعت تو وہی غیر مشروط اطاعت کا عہد ارے وہ کسی خصوصی طور پر قید کے ساتھ بیعت ہو جیسے وہاں خرید و فروخت میں بھی وہ بیع اسی بیعت سے ہے یعنی ایک معاہدہ ہوتا ہے کہ یہ چیز ہم تمہیں دیتے ہیں وہاں بھی ہاتھ پر ہاتھ مارا جاتا تھا عرب میں ۔ اسی لئے فقہ کی کتابوں میں سفق کا لفظ ہے جس کا مطلب تالی بجانا ہے کیونکہ اس میں بھی ہاتھ پر ہاتھ مارا جاتا تھا آجکل بھی ہمارے عوام میں ہے لاؤ ہاتھ۔

یہ تو ہے بیعت اور صلح ایک درمیانی راستہ دو فریق میں ایسا پیدا ہونا جس میں تصادم ختم ہو جائے اور کسی کے اُصول کو صدمہ نہ پہنچے اس کا نام صُلح ہے اس کے لئے عمومی حکم قرآن میں دیا ہے رسُول کو ان جنحوللسلم جب بھی یہ جُھکیں صلح کی طرف تو فوراً آپ بھی جُھک جایئے اور توکل علی اللہ ۔ پھر اس سے بحث نہ رکھئے کہ یہ عمل کریں گے یا نہیں اس کو اللہ کے سپُرد رکھئے تو رسول اللہ نے صلح فرمائی حضرت امام حسنؑ نے بھی صلح فرمائی امام حسینؑ کے سامنے تھا بیعت کا سوال ۔ یہ تو بنی اُمیّہ کا پروپیگنڈہ تھا کہ بھائیوں کے مزاج ہی میں فرق ہے وہ حسنؑ صلح پسند ہیں اور یہ حسینؑ شروع ہی سے

جنگ پسند ہیں یہ تو دشمنوں کا پروپیگنڈہ تھا مگر حقیقت کے لحاظ سے ۶۰ھ میں حسن مجتبیٰ ہوتے تو وہ یہی کرتے جو حضرت امام حسینؑ نے کیا اگر ۴۰ھ میں حسینؑ برسراقتدار امامت ہوتے تو وہ وہی کرتے جو حسن مجتبیٰ نے کیا اور ۶۰ھ میں وہ ہوتے تو وہ یہی کرتے جو حضرت امام حسینؑ نے کیا یہ ذات کا اختلاف کیسا وقت کا اختلاف ہے۔ فرض کا اختلاف ہے۔ اب بیعت بھی کس سے یزید ایسے شخص سے۔ ان کے سامنے تھا بیعت کا سوال اب دُنیا والے آج یہ سوال اُٹھاتے ہیں کہ ارے یہ سب کچھ برداشت کیا اور بیعت نہ کی یہ بیعت سے اتنا انکار کیوں تھا تو میں اس کے جواب میں کہا کرتا ہوں کہ آپ اُدھر سے سوچتے ہیں کہ ان کو بیعت سے اتنا انکار کیوں تھا اِدھر سے کیوں نہیں سوچتے کہ یزید کو بیعت پر اتنا اصرار کیوں تھا۔ ارے جب پورا عالمِ اسلام بیعت کر چکا تھا سب مان چکے تھے تو اگر ایک فرد بیعت نہ کرتی تو یزید کا کیا بگڑتا کیا نقصان ہوتا جبکہ آپ کا نظام جمہوریت یہی ہے کہ اکثریت مان لے تو اقلیت کی بات غیر معتبر کہ پوری طاقت سلطنت کی صرف کردی جائے ان سے بیعت حاصل کرنے کی کوشش میں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یزید سمجھتا تھا کہ یہ ایک فرد کا معاملہ نہیں ہے فرد اہمیت حاصل کرتی ہے کسی اُصول کی نمائندہ بن کر مختصر طور سے اس وقت عرض کرنا چاہتا ہوں۔ وہ سمجھتا تھا کہ جب تک حسینؑ نے بیعت نہیں کی تب تک حکومت کے مقابلے میں شریعت کا محاذ قائم ہے اور اگر یہ بیعت کرلیں تو ہمیشہ کے لئے حکومت کے راستے سے شریعت ہٹ جائے گی۔ اب حسینؑ کی بیعت کا سوال نہیں تھا شریعت کی بیعت کا سوال تھا اور شریعت کے معنی ہیں جُھک جانے کے۔ صاحب شریعت کا جُھک جانا تو میں کہتا ہوں کہ اللہ کو اگر اس کی شریعت دُوسرے کے سامنے جُھک جائے تو اس

کے معنی ہیں کہ اس کا قانون دُنیا کے قانون کے سامنے جُھک جائے تو اب حسینؑ کے لباس میں فقط حسین کی عزت نہیں ہے اللہ کی عظمت کا سوال ہے ارے کہہ رہا ہوں زبان سے نہیں ہے یعنی عمل سے ثبوت دے دیا کہ بیعت نہیں کروں گا۔ اب بیعت نہیں کرونگا تو کیا کرونگا خدا کی قسم عمل سے حسین کر کے نہ دکھاتے تو ہمیں تصوّر ہی نہیں ہوتا۔ ہاں جس دن کہا جس وقت کہا کہ بیعت نہیں کروں گا۔ اسی وقت تمام امکانات کا جائزہ لے کر۔ سامنے رکھ کر انھیں واقعی مان کر کہا کہ بیعت نہیں کرونگا۔ دُنیا کو اُن تفصیلات کا علم نہیں تھا ان کے اس اجمال میں پوُری تفصیل مضمر تھی اب مجھے تو علم ہو گیا کچھ تفصیلات کا۔ مطلب یہ ہے کہ بیعت نہیں کروں گا چاہے وطن چھوڑنا پڑے بیعت نہیں کروں گا چاہے در بدر پھرنا پڑے بیعت نہیں کروں گا چاہے خانۂ خدا میں پناہ بھی نہ ملے اور بیعت نہیں کروں گا چاہے تیس ہزار کا لشکر چاروں طرف سے گھیرے اور ہاں اہل عزا بیعت نہیں کروں گا چاہے پانی بند ہو جائے چاہے چھوٹے چھوٹے بچّے صدائے العطش بلند کرتے ہوں چاہے سکینہ پیاس سے تڑپ رہی ہو اور پھر روز عاشور اور بعد عاشور جو جو ہُوا وہ سب سامنے تھا اب یہ کہہ دیا کہ بیعت نہیں کروں گا اور اب چونکہ عطش کا ذکر آ گیا تو اسی کو تفصیل سے عرض کرتا ہوں تو اس دن کہہ چکا ہوں کہ روز عاشور جو زیادہ رہا وہ زیادہ پیاسا رہا۔ اور اس لئے ۷۲ تو سب پیاسے تھے مگر مرثیہ جب پڑھا گیا حسینؑ کی پیاس کا۔ سیّد سجاد نے بھی کہا میرا بابا پیاسا تھا زینب نے بھی کہا کہ میرا بھائی پیاسا تھا ارے رباب نے بھی یہ پُوچھا کہ میرے وارث کو پانی بھی نہ ملا تھا۔ اجرکم علی اللہ کیونکہ مجھے آج یہ احساس ہے کہ ۱۸ صفر آ گئی اور مَیں نے اس دَور کے مصائب ابھی کسی دن بیان ہی نہیں کئے۔ یوں

مصائب تو اُنکے ہر دن کے مصائب ہیں مگر کچھ خواہش ہوتی ہے کہ جس کا زمانہ ہے اسکا بھی تذکرہ ہو اس لئے میں آج بس ایک واقعہ اس سلسلے کا بیان کرونگا کہ الغرض میں نے کہا کہ جو زیادہ رہا تو مولا کی بھی حد عطش معلوم ہے عصر عاشور مگر زینب کب تک پیاسی رہی بی بیاں کب تک پیاسی رہیں ہمیں شہزادہ علی اصغر کی عمر عطش معلوم ہے مگر شہزادی سکینہ کب تک پیاسی رہیں۔ میں نے کہا میں تو بتا ہی نہیں سکتا۔ بس شب یازدھم تو پتا نہیں چلتا ہاں ضرور آیا کبھی آیا۔ کبھی آیا پانی اس کو راویوں نے بیان نہیں کیا گیارھویں تاریخ آیا ممکن ہے کہ ۱۱ ویں تاریخ کو جب چل رہے ہوں روانہ ہو رہے ہوں تو اس کے پہلے پانی آگیا ہو۔ اب جب پانی آنے کا حال راویوں نے نہیں لکھا تو اس وقت کے کیفیات کیا تھے اسے کون راوی لکھے میرا تو دل کہتا ہے کہ سید سجاد کو خیموں کی آگ کے وقت اپنی امامت سے کام لینا پڑا تھا حکم امامت دیا تھا کہ خیموں سے نکلئے ورنہ بی بیاں قدم نہیں نکال رہی تھیں اسی طرح سے شاید جب پانی آیا ہو تو سید سجاد کو زینب کے پاس آکر بحیثیت امام کہنا پڑا ہو کہ پھوپھی میں کہتا ہوں ماشاءاللہ۔ اجرکم علی اللہ۔ مگر یہاں تک میں نے روا روی سے بیان کیا اب آج جو چیز عرض کرنا ہے وہ یہ کہ عاشور کے فاقے ہی کو لیجئے چہ جائیکہ ۳ دن کی پیاس کیا گرمی کے زمانے میں روزہ جو آپ رکھتے ہیں یا عاشور کا فاقہ جو آپ کرتے ہیں تو افطار کے وقت جو پانی پی لیتے ہیں تو کیا پیاس بجھ جاتی ہے۔ فرصت کے لمحات میں غور کیجیے گا جو عرض کر رہا ہوں یاد رکھئے کہ گرمی کے موسم میں پہلی دفعہ جو پانی پیتے ہیں تو التہاب میں اور اضافہ ہو جاتا ہے جب تک بلا مزاحمت کافی مدّت تک بہ اطمینان پانی پیتے نہ رہیں پانی پیا ہے مگر پیاس نہیں گئی ہے اب جو میں کہتا ہوں وہ سنیئے کہ ہے حقیقت

یا نہیں۔ میں کہتا ہوں مجھے ابتدائے عطش معلوم ہے انتہائے عطش نہیں معلوم۔ ساتویں سے پانی بند ہوا۔ گیارھویں کو پانی ملا ہو مگر پانی مل گیا کیا؟ پیاس بُجھ گئی پھر کسی وقت پانی آگیا جیسے قیدیوں کو دیا جاتا ہے تو پانی تو پیا ہے بیشک قسم کھانے کو مگر کیا پیاس بُجھی ہے اور اس لئے بس یہ جملہ ہے اسی شہزادی کے لئے آج بیان کرنا ہے جو ہمارے بزرگ پڑھا کرتے تھے اور ذاکرین نے چھوڑ دیا پڑھنا کچھ عرصے سے کہ حضور مجھے تو راہ کُوفہ میں بھی سکینہ پیاسی ہی نظر آتی ہے مجھے تو راہِ شام میں بھی سکینہ پیاسی ہی نظر آتی ہے اور اس ذیل میں ایک روایت جو میں نے کہا کہ ہمارے بزرگ پڑھا کرتے تھے ہمارے والد ماجد ایک زمانے میں عراق جانے سے پہلے بہت شاندار ذاکری فرماتے تھے ان کے بھی میں نے قلم سے دیکھا ہے کہ یہ روایت ضروری بیان فرمایا کرتے تھے اور بزرگ بھی پڑھتے تھے کہ حضور ایک منزل ہے کُوفہ اور شام کے راستے میں جسکو منزل حمص کہتے ہیں اب وہاں کی جو تصویر اس واقعے کی ان بُزرگوں سے سُنی ہوئی، ان کے الفاظ مجھے یاد ہیں کہ اس منزل پر جو قیام کیا تمازتِ آفتاب بہت زیادہ تھی تمام فوج کے لئے خیمے نصب ہوئے یہاں تک کہ گھوڑوں تک کے لئے شامیانے نصب ہوئے اور گھوڑے شامیانوں کے نیچے باندھے گئے لیکن آلِ رسُول جلتی زمین پر تمازتِ آفتاب میں بٹھادی گئی اب خود ہماری زبان اس وقت کے بزرگوں کی زبان سے کچھ مختلف ہو گئی ہے لیکن اسوقت میرا دل چاہ رہا ہے کہ ان ہی بزرگوں کی زبان میں عرض کروں کہ شمر بمع کچھ عربوں کے مشکیں اور چھاگلیں لے کر قریب کی نہر پر گیا وہاں سے پانی بھر کے لایا اور اس نے فوجیوں کو پانی پلانا شروع کیا سکینہ نے پھوپھی سے کہا کہ پھوپھی ہمیں بھی اجازت ہے ہم بھی جاکر شمر سے پانی مانگیں۔ حضرت زینب نے فرمایا کہ بی بی

شمر بڑا قسی القلب ہے مجھے یقین نہیں ہے کہ وہ تمہیں پانی دے گا مگر میں تمہیں منع نہیں
کرتی جاؤ۔ اب یہ میں کہہ رہا ہوں یہ جملہ جواب ہے یہ خود میرا ہے، اگر حسینؑ کربلا میں سوال
آب نہ کر چکے ہوتے تو شاید زینب اجازت نہ دیتیں اب پھر انہی کی زبان میں عرض
کر رہا ہوں کہ سکینہ شمر کے قریب گئیں خاندانِ رسالت کی تربیت یافتہ لڑکی کہتی ہیں اے
شمر میرا کلیجہ پیاس سے بُھنا جا رہا ہے میں یہ نہیں کہتی کہ تم دُوسروں سے پہلے مجھے
پانی پلا دو مگر بس یہ التجا ہے کہ جب سب کو پانی پلا لینا اور پانی بچے تو تھوڑا سا مجھے
بھی دے دینا اب اس زمانے کے علماء کی زبان یہی ہوتی تھی انشاءاللہ آپ مطلب
تو سمجھ لیں گے تو شمر نے کوئی جواب نہیں دیا سکینہ سکوت کا لاقرار سمجھ کر یعنی خاموشی
نیم رضا سمجھ کر جب تک ننّھے ننّھے پیروں کی قوّت نے ساتھ دیا پیچھے پیچھے شمر کے پھرا کی۔
جب پیروں کی قوّت نے جواب دے دیا تو درخت کے سہارے سے اس انتظار
میں بیٹھ گئیں کہ جب شمر سب کو پلا لے گا تو مجھے بھی پانی دے گا ہاں اربابِ عزا
چند جُملے ہیں کہ آئی وہ منزل شمر سب کو سیراب کر چکا اور سکینہ نے دیکھا کہ پانی بچا ہے
اب سکینہ قریب آئی کہا اب تو سب پی چکے ہیں اب تو مجھے پانی دے دو تب اس
نے پھر لفظوں سے کچھ جواب نہ دیا دہانہ مشک کا کھولا سکینہ سمجھی کہ مجھے پانی دے گا
کہ ایک مرتبہ سب پانی زمین پر بہا دیا سکینہ گیلی مٹی اُٹھا اُٹھا کر سر و سینہ پر رکھنے لگی۔
کہنے لگی اے پھوپھی دیکھئے۔

مجلس ہفتم

دینِ اسلام

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؕ

اِنَّ الدِّیۡنَ عِنۡدَ اللّٰہِ الۡاِسۡلَامُ ۔

یقیناً دین حقیقی اللہ کے نزدیک اسلام ہے اسلام سر جھکانا ہے اپنے کو سپرد کر دینا کسی ذات کے لئے۔ ذات الٰہی کے لئے۔ مَیں نے عرض کیا کہ ذات الٰہی سب کے ساتھ یکساں تعلق رکھتی ہے کسی سے اس کا کم اور کسی سے زیادہ رشتہ نہیں ہے بحیثیت خالق سب اس کے مخلوق ہیں یہی بنا قرار پاگئی اسلام کے اس فلسفہ کی جسکو ان الفاظ میں کہا جاتا ہے، کہ اسلام دین مساوات ہے اور یہ جملہ بطور نعرہ بھی آتا ہے زبانوں پر اور سنجیدگی کے ساتھ آپس کی گفتگو اور تحریروں میں بھی آتا ہے لیکن میں جب قرآن مجید کا مطالعہ کرتا ہوں تو مجھے محسوس ہوتا ہے کہ یہ نعرہ لگانے والے کچھ بے سمجھے یہ نعرہ لگاتے ہیں ہے اسلام دین مساوات اسکو کل انشاءاللہ میں بیان کروں گا مگر یہ بغیر اس کے حدود و قیود پر نظر کئے ہوئے مطلق طور پر یہ کہدینا کہ اسلام دین مساوات ہے یہ از روئے قرآن درست نہیں ہے۔ اس اندھا دھند کہنے کا یہ نتیجہ ہونا چاہیئے کہ سب کو ایک لکڑی ہنکاؤ سب کے ساتھ یکساں سلوک کرو سب کے ساتھ یکساں برتاؤ رکھو۔ یہ ہے کلیتہ"

اسلام کو دین مساوات کہنے کا تقاضا مگر میں کہتا ہوں کہ اسلام دین فطرت ہے لہٰذا قرآن کتاب فطرت۔ پہلے عرض ہوا فطرت غور کیجیئے کہ یہ مطلق مساوات کا نعرہ درست ہے بھی یا نہیں ہے۔ مساوات یعنی سب کے ساتھ یکساں کسی کے ساتھ کسی خصوصیت کا لحاظ نہیں تو اب میں چند مثالیں عوامی۔ عموماً میں پہلے عوامی مثالیں پیش کیا کرتا ہوں تو روزمرہ کی زندگی کی مثالیں۔ حضور اگر مساوات کا نعرہ یہ صحیح ہے اور آج کل مسلمانوں کے علاوہ اور دُنیا میں بھی یہ نعرے لگا کر مختلف ازم کا بنیادی مرکز اسے بنائے ہوئے ہیں۔ میں کہتا ہوں اگر یہ نعرہ مطلق مساوات کا صحیح ہے تو ایک ملک میں کسی ادارے کی تنخواہوں میں مختلف کارگزاروں کی فرق نہیں ہونا چاہیئے جو ایک چپڑاسی کی تنخواہ ہو وہی پروفیسر کی تنخواہ ہو اسٹیشن پر جو ایک قلی کا معاوضہ ہو وہی اسٹیشن ماسٹر کا معاوضہ ہو تعلیم گاہوں میں جو ایک پرائمری کے مدرس کا معاوضہ ہو وہی اعلیٰ درجہ کے پروفیسر کا معاوضہ ہو مساوات تو جبھی ہوگی تو اب دُنیا کے کسی ملک میں کوئی دکھلائے چاہے وہ مسلم ملک ہو جہاں نعرہ ہے کہ اسلام دین مساوات ہے اور خواہ غیر مسلم ملک ہو جہاں اسلام سے الگ ہو کر مساوات کا نعرہ لگتا ہو کسی بھی ملک میں دکھلائیے کہ یہ اُصول برتا گیا ہو حالانکہ میں اب آپ کو توجہ دلاؤں کہ وہ معاوضے وہ معاملات وہ کام جن کے معاوضے کم ہیں ان میں مشقت زیادہ ہے اور جو زیادہ قدر و قیمت والے کام ہیں ان میں مشقت کم ہے اس کو چاہے بازار میں جا کر دیکھئے لوہار سے زیادہ بلند مرتبہ ہے سُنار کا۔ کام دونوں کا ایک وہ بھی ایک دھات کو مختلف شکلیں دیتا ہے یہ بھی ایک دھات کو مختلف شکلیں دیتا ہے جا کر تھوڑی دیر بیٹھ کر دیکھئے کہ لوہار کا کام کتنی محنت کا ہوتا ہے اور پھر تھوڑی دیر جا کر سنار کے ہاں بیٹھئے اس میں کتنی نزاکت ہوتی ہے کیا اِسے بھی

اس طرح اُسے موڑنے میں دِقّت ہوتی ہے اسے گردش دینے میں اتنی زحمت ہوتی ہے جتنی لوہار کو ہوتی ہے ہم دیکھتے ہیں کہ محنت اُسکی زیادہ ہے اِس کی کم اور معاوضہ اُس کا کم اِس کا زیادہ۔ کسی عمارت میں آپ جائیے ذرا مزدور کے کام کو دیکھئے دھوپ ہیں بارش میں بوجھ سر پر اُٹھائے ہوئے کتنے پھیرے کر رہا ہے اور واقعی سر کا پسینہ ایڑی تک پہنچ رہا ہے اور مستری صاحب جو ہیں وہ ایک جگہ بیٹھے ہوئے کھٹ کھٹ کر رہے ہیں لیکن جب مزدوری کا وقت آیا تو اُس بیچارے کو اتنے پیسے مل گئے اور یہ اتنا لے کر چلے گئے محنت اس کی زیادہ مزدوری اسکی کم مزدوری اسکی زیادہ اور جناب وہ جو اک انجینئر صاحب آئے تھے جنہوں نے کاغذ پر چند ٹیڑھی سیدھی لکیریں بنا دی تھیں وہ ان کا تھوڑی دیر کا کام تھا اور وہ جناب ان سب سے زیادہ معاوضہ لیکر چلے گئے تھے تو اب میں نے دو ایک مثالیں کاروباری زندگی کی آپ کے سامنے پیش کر دیں اور اسی طرح اب اپنا شعبہ جو ہے تعلیم کا تو بے چارے مکتب کے اُستاد کی محنت ہم ایک گھنٹہ وہاں بیٹھتے ہیں تو وہاں سر میں درد ہو جاتا ہے چہ جائیکہ وہ دن بھر سر مغزی کرتے ہیں ان اطفال خام کے پُختہ بنانے میں اور ہر روز ان کو اپنے وقت مقرّرہ پر آنا ضروری اور اپنے مقرّرہ وقت پر ڈیوٹی دیکر جانا ضروری اب وہ جو ہیں ماسٹر صاحب وہ ان سے ذرا اُونچے درجہ والے ان کو جاکر دیکھئے تو سات آٹھ گھنٹے وہ کام کرتے ہیں انکو نہ اتنی ڈانٹ ڈپٹ کرنی پڑتی ہے نہ انکو ہر وقت چھڑی ہاتھ میں رکھنی پڑتی ہے نہ ان کو اتنا چیخنا پڑتا ہے اور اب اس سے آگے بڑھئے یہاں تک کہ پروفیسر صاحب تک پہنچ جائیے تو وہاں تو معلوم ہوا کہ یہاں تو پورا دن ہوتا تھا وہاں ہفتہ میں چند گھنٹے۔ دن کا حساب ہی نہیں کہ ہر دن کتنا۔ جی ان کے ہفتہ میں نو پیریڈ ہیں ان کے آٹھ پیریڈ

ہیں۔ جتنا درجہ اونچا ہو اتنی تنخواہ زیادہ جتنی تنخواہ کم اتنا کام زیادہ اور جتنا کام زیادہ اتنی تنخواہ کم اور جتنا کام کم اتنی تنخواہ زیادہ ہر شعبہ میں ایسا ہی ہے وہ بیچارہ چپڑاسی دوڑتا ہے اسکو اتنا سا ملتا ہے۔ کلرک صاحب اپنی میز پر بیٹھے ہوئے لکھا کرتے ہیں ان کو اس سے زیادہ ملتا ہے وہ پروفیسر صاحب اس سے کم وقت صرف کرتے ہیں انہیں اتنا ملتا ہے تو اب حضور والا اس میں کسی ملک کا استثنا نہیں ہوسکتا ہے کہ تنخواہوں کے فرق میں فرق ہو کہیں زیادہ فرق ہوتا ہو کسی ملک میں کم فرق ہوتا ہو لیکن یہ بات کسی ایک جگہ بھی نہیں کہ بالکل مساوات ہو تو یہ تو تسلیم کر لیجئے کہ تمام دُنیا نے اجماع کر لیا ہے حماقت پر یا پھر مانئے کہ مطلق مساوات ہی غلط ہے اور پھر معیار بھی فرق کا وہ نہیں ہے کہ زیادہ کام اور کم کام بلکہ کچھ متعلق ہے اس سے کہ وہ کام متعلق ایسی چیز سے ہے جو کم قیمت ہے تو وہ کام بھی کم قیمت اور متعلق ایسی چیز سے ہے جو اصل چیز بیش قیمت تو وہ کام بھی بیش قیمت کیونکہ لوہے کی قیمت سونے سے کم ہے لہٰذا لوہار کی اُجرت سُنار سے کم ہے تو ایک یہ بنیادی فرق ہوسکتا ہے۔ دُوسرا یہ ہے کہ جہاں جسم کی محنت زیادہ ہے دماغ کی شرکت کم ہے اس کی قیمت کم ہے اور جہاں جسم کی محنت نہیں ہے مگر دماغ کا کام زیادہ ہے اسکی قیمت زیادہ ہے۔ اگر یہی اُصول مانئے تب جا کر امتیاز صحیح ہوگا، ورنہ اس امتیاز کی کوئی بنیاد نہیں ہوسکتی بہر حال صحیح ہو گیا امتیاز تو مساوات تو ختم ہو گئی اور اب جب یہ اُصول ہوا کہ کام کی کمی و زیادتی پر معیار قیمت کا نہیں ہے کچھ نتائج کے لحاظ سے ہے، کچھ ذہنی کیفیات کے اعتبار سے ہے تو اب کوئی تعجب نہ کیجئے اگر ایک وقت میں رسول ایک ضربت کو تول کر۔ اب جناب یہ تو ایک روزمرہ کی زندگی کی کاروباری

شعبہ کی مثالیں اب ایک دوسری وہ بھی تعلیم گاہ ہی سے متعلق۔ کیونکہ میرا ماحول تعلیمی رہا ہے تو وہی پہلی مثال ذہن میں آتی ہے کہ جناب کوئی درس گاہ ہے ایک ہی تاریخ دو طالب علموں نے نام لکھوایا عمر بھی تقریباً دونوں کی یکساں ہے ایک تھا آرام طلب اس نے کئی کئی برس میں ایک ایک کلاس پاس کی ایک تھا محنتی اس نے اپنے ذوق وشوق کی بنائ پر جلدی جلدی کلاسیں پاس کیں بلکہ اگر ممکن ہوا تو کئی کئی امتحان ایک ایک سال میں اس نے دیئے نتیجہ یہ ہوا کہ وہ رہ گیا ساتویں میں اور یہ پہنچ گیا نہ معلوم کہاں اب ایک مفکر صاحب آئے مساوات پسند انہوں نے طلاب کا انٹرویو لیا اس سے پوچھا تم کب داخل ہوئے تھے اس نے تاریخ بتائی اب تم کس کلاس میں ہو اس نے جو تھا وہ تعم بتلا دیا ساتویں میں، دوسرے کو بلایا تم کس سال میں داخل ہوئے اس نے بھی وہی تاریخ بتائی عمر تمہاری کتنی ہے وہی عمر بتائی اُس کی جو عمر ہے تم کس کلاس میں ہو اس نے مثلاً کہا بی اے یا ایم اے اب وہ گھبرا گئے انہوں نے کہا یہ کتنا بڑا ظلم ہے کہ ایک ہی تاریخ میں دو طالب علم داخل ہوئے ہیں دونوں کی عمریں یکساں ہیں اور ایک رہ جائے ساتویں میں اور ایک پہنچ جائے بی اے میں لہٰذا ساتویں والے کو تو بی اے میں پہنچا کر داخل کرنا ممکن نہیں ہوگا وہ وہاں چلے گا نہیں لہٰذا بی اے والے کو کھینچ کر پھر ساتویں میں داخل کر دو تاکہ مساوات ہو جائے تو کوئی صاحب عقل بتائے کہ کیا یہ انصاف ہوا یہ اس کے ساتھ ہو گیا ظلم جو اپنی محنت سے اس ترقی کے زینہ پر پہنچا تھا میں یہ کہتا ہوں کہ یہ جو روٹی والے نظام کے لوگ ہیں ان کو میں ابھی تک کئی ناموں سے یاد کرتا رہا، اب آج میں نے یہ لقب اختیار کیا روٹی والا۔ تو جناب روٹی کے نظام والے حضرات میں کہتا ہوں کہ کیا آپ نے کائنات کی فضا میں اس وقت آنکھ

کھولی ہے۔ جب کب سے قافلہ انسانی رواں دواں ہے آپ کو کیا معلوم کہ کون مفلوک الحال رہ گیا اپنے بزرگوں کی تن آسانی راحت طلبی سے اور کون اس منزل پر پہنچ گیا مسلسل محنتوں سے مسلسل زحمتوں سے اب آپ ان مفکّر صاحب کی طرح یہ تو نہیں کر سکتے کہ ان غریب کو بھی دولت مند بنا دیجئے بس وہ کر سکتے ہیں جو انہوں نے کیا کہ جو لکھ پتی ہے اُسے بھی کھینچ کر رے آڈ اسی سطح پر جس سطح پر یہ ہے تو اگر وہ ظلم تھا تو یہ بھی ظلم ہے کہتے ہیں کہ وہ دولت اس نے نوچ کھسوٹ کر بڑھائی ہو گی کہئے بڑھائی یعنی علم کا دعویٰ کیجئے جس کے متعلّق علم ہو جائے کہ اس نے غصب حقوق کر کے دُوسروں کے گلے کاٹ کر اپنی دولت بڑھائی ہے اس سے ضرور چھین لیجئے مگر چھین کر کیا کیجئے گا پتہ لگائیے کہ کن سے چھینی تھی انہی تک پہنچائیے یہ نہیں کہ چھینی کسی سے اور اپنے منظور نظر افراد میں بانٹ دی۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ ایک غاصب کا خاتمہ کر کے دوسرے بہت سے غاصبوں کو وجود میں نہ لائیے۔ تو اب اگر یہ مثال بھی سب کے ذہن میں آ گئی یعنی وہی طالب علم والی کہ ساتویں جماعت والے کو بی اے میں نہیں پہنچا سکتے تو بی اے والے کو ساتویں میں لے آئیں یہ خلاف عقل ہے مساوات تو ہو گئی مگر ظلم ہو گیا اور اب جو آخر نتیجہ ہے وہی کہدوں کہ اسلام ایسی مساوات کا حامی نہیں ہے اس لئے میں کہتا ہوں کہ اسلام دین مساوات نہیں ہے بلکہ دین عدل ہے۔ جہاں مساوات تقاضائے عدل ہو وہاں مساوات ضروری ہے۔ ترک مساوات ظلم ہو گا اور جہاں مساوات ظلم ہو وہاں پھر عدم مساوات میں عدل مضمر ہو گا اور اب گھریلو زندگی کی مثال بھی دے سکتا ہوں کہ ایک گھر ہے جس میں ایک صاحب خانہ ہے اور اس کے متعلقین ہیں ایک ہے بوڑھی ماں جو ستّر برس کی ہے اب ظاہر ہے جب بُوڑھی ماں ستر برس کی ہے تو یہ خود پچاس پچپن

برس کا ہو سکتا ہے اور جب یہ پچاس پچپن برس کا ہے تو ہمارے ہاں جو تناسب ہے عموماً شادی کی عمروں کا تو بیوی پینتیس چالیس سال کی ہوگی اب ان کا ایک فرزند ہوگا تو وہ ہو سکتا ہے کہ بیس بائیس برس کا ہو مکمل جوان ہو اور کچھ بچے ایسے بھی ہو سکتے ہیں جو پانچ چھ برس کے ہیں افراد خانہ اتنا آپس میں فرق رکھتے ہیں اور صاحب خانہ پر ذمہ داری ہے ان سب کو غذا پہنچانے کی صاحب خانہ ہونے کی بنا پر بزرگ خاندان ہونے کی وجہ سے اور یہ ہوئے مساوات پسند تو انہوں نے باورچی خانہ میں ہدایت کر دی کہ دیکھو ہر آدمی کو تین چپاتیاں ملیں کم اور زیادہ نہ ہوں ورنہ مساوات نہیں رہے گی تو وہ تین چپاتیاں بوڑھی والدہ کے لئے تو ہو گئیں کافی اس لئے کہ وہ بے چاری سن الخطاط میں تھیں ان کی غذا گھٹ ہی چکی تھی لہٰذا ان کے لئے وہ تین چپاتیاں کافی تھیں وہ پانچ چھ برس کے یا ان سے بھی چھوٹے جو بچے ہوں ان کے لئے خیر سمجھئے کہ ہو گئیں کافی کیونکہ ابھی ان کی غذا اتنی ہی ہے، لیکن اب یہ خود تو چونکہ خود ہیں مساوات قائم کرنے والے لہٰذا محسوس کریں یا نہ کریں لیکن اس شریکِ حیات پر کیا گزری جس کی غذا ابھی اپنے پورے کمال پر ہے اس میں کمی پیدا نہیں ہوئی ہے اور اس جوان لڑکے پر کیا گزری جو ابھی نشوونما کی عمر کو طے کر رہا ہے اور شباب کی منزل پر ہے تو اب مساوات تو ہو گئی مگر بہت سوں پر ظلم ہو گیا۔ عدل کا ہے میں تھا کہ ہر ایک کو بقدر صلاحیت دیتا بقدر ظرف دیتا تو اب معلوم ہوا کہ مساوات میں بھی ظلم ہوتا ہے اور ترک مساوات میں بھی عدل ہوتا ہے لہٰذا عقلی طور پر میں نے کہا کہ فطرۃً جب مساوات کلیتہً کہنا بلا قید یعنی عدل و ظلم کی قید سے الگ کر کے مساوات غلط ہے تو اسلام کو ایک غلط بات کا حامی ثابت کرنا اسلام کی کوئی صحیح خدمت نہیں ہے اب میں کہتا ہوں کہ اسلام کی سب سے زیادہ متفق علیہ

دستاویز کیا ہے متفق علیہ دستاویز قرآن مجید ہے حدیثوں میں قوی اور ضعیف کا سوال پیدا ہوتا ہے قرآن کے سامنے ہر فرقہ کو سر جھکا دینا ضروری ہے اب میں کہتا ہوں جسے حفظ ہو وہ حافظہ کی مدد سے اور جو ناظرہ خواں ہو وہ ورق گردانی کر کے پورے قرآن مجید میں تلاش کرے۔ یہ اتنی نمایاں بات ہے اسلام دین مساوات ہے یعنی خاص خصوصیت اسلام کی مساوات ہے تو زیادہ آیتیں وہ ہونی چاہئیں جو لیستوی سے شروع ہوں یعنی برابر ہے برابر ہے جو بات ذہن نشین کرنا ہوتی ہے اسے بار بار کہا جاتا ہے۔ زیادہ آیتیں ہونی چاہئیں جو کہیں کہ برابر ہے برابر ہے اور میں جب قرآن کا مطالعہ کرتا ہوں شروع سے آخر تک تو قدم قدم پر لایستوی لایستوی مالیستوی لفظیں بدل بدل کر برابر نہیں ہے برابر نہیں ہے جیسے دماغ سے نکالنا ہے برابری کو۔ چونکہ آج میرا بیان جو میں کر رہا ہوں وہ اب تک کے مسلمات عام کے خلاف ہے دُنیا کہہ رہی ہے دین مساوات میں کہہ رہا ہوں جی نہیں اسلام نہیں ہے دین مساوات مگر کیا کروں میں کس طرح قرآن سے نکال دوں ارشاد ہو رہا ہے دو اک آیتیں پڑھتا ہوں لایستوی اصحاب النار واصحاب الجنۃ اصحاب الجنۃ ہم الفائزون دیکھو بہشت والے اور دوزخ والے یکساں نہیں ہیں جو بہشت والے ہیں وہی کامیاب ہیں۔ لایستوی اب میں اسے کیونکر لیستوی بناؤں نہیں برابر ہیں۔ ھل یستوی الذین یعلمون والذین لایعلمون۔ کیا وہ جو صاحب علم ہیں اور جو غیر صاحب علم ہیں برابر ہیں۔ یعنی نہیں برابر ہیں مثالیں دے دے کر (آیت) دیکھو وہ دریا برابر نہیں ہیں ایک جو میٹھا ہو بہت خوشگوار ہو اور ایک جو کھاری ہو جو ضرر رساں ہو کیا دونوں برابر ہیں۔ جیسے ایک عام حماقت کو دُور کرنا ہے کیا یہ برابر ہیں۔ ضرب اللہ مثلاً

عبداً مملوکاً لا یقدر علیٰ شئً وھو کل علیٰ مولاہ اینما یوجہہ لا یات بخیر ھل یستوی ھو ومن یأمر بالعدل وھو علیٰ صراط مستقیم۔
دیکھو اللہ تمہارے لئے ایک کہاوت کہتا ہے۔ کسی حقیقت کو نمایاں کرنے کے لئے کہاوت دیکھو تمہارے فائدہ کے لئے تمہاری غلط فہمی کو دُور کرنے کے لئے اللہ ایک کہاوت کہتا ہے کہ کوئی ہو غلام جو کسی کام کا نہیں اور وہ اپنے مالک پر بار ہو جدھر اُسے بھیجے وہ کوئی بھلائی کر کے بھی نہ آئے تو کیا وہ برابر ہے (اس کے) جو دُوسروں کو بھی عدالت کا حکم دیتا ہو اور خود بھی سیدھے راستہ پر قائم ہو یعنی تمہاری عقل خود فیصلہ کرے گی کہ دونوں برابر نہیں ہیں۔ اور طرح طرح کی مثالیں دیکر۔ کیا برابر ہیں الاحیاءٔ۔ نہیں برابر ہیں الاحیا والاموات۔ ارے زندے اور مُردے جب برابر نہیں ہیں تو کہا جا رہا ہے کہ ھل یستوی الظلمات والنّور۔ کیا تاریکیاں اور اندھیرے برابر ہیں یہ آخر بار بار تازیانے لگانے کی ضرورت کیا ہے معلوم ہوا غلط رجحان ہے جس کی اصلاح کرنا منظور ہے جو قدم قدم پر کہا جا رہا ہے نہیں برابر ہے نہیں برابر ہے اور اچھا یہاں نہیں برابر ہیں۔ ہم کیا برابر سلوک کریں سب کے ساتھ۔ ھل نجعل الّذین اٰمنوا وعملوا الصّٰلحٰت کالمفسدین فی الارض ام نجعل المتّقین کالفجار کیا ہم ان لوگوں کو جو پرہیز گار ہیں اور نیک اعمال کرتے ہیں ان کو مثل ان لوگوں کے کر دیں جو زمین میں فساد پھیلاتے ہیں یا ہم پرہیز گاروں کو مثل فاسق و فاجر لوگوں کے کر دیں کیا ہم ایسا کر دیں یعنی تمہارا ضمیر خود گواہی دے گا کہ ہمیں ایسا نہیں کرنا چاہیئے۔
ان المتقین عند ربھم جنات نعیم۔ پرہیز گاروں کے لئے اللہ کے ہاں نعمت کے باغ ہیں افنجعل المسلمین کالمجرمین کیا ہم اسلام لانے والوں کو ہمہ تن

سر تسلیم خم کئے ہوؤں کو مثل مجرموں کے قرار دے دیں مالکم کیف تحکمون تمہیں کیا
ہو گیا ہے کیسے فیصلے کرتے ہو افلاتذکرون۔ کیوں ہماری باتوں کا اثر نہیں لیتے ہو
یہ کونسی عام غلطی ہے کہ قرآن بار بار تازیانے لگا رہا ہے یہ گویا سمجھانا ہے کہ کسی جماعت
میں یہ نہ سمجھو کہ سب ہی اچھے ہیں سب ہی رضی اللہ ہیں سب ہی ٹھیک ہیں۔ تو میں
نے پہلے ہی عرض کیا تھا کہ جتنی آیتیں ہیں سب کو میں پیش تھوڑی کر سکتا ہوں اتنی
مثالیں دی ہیں اور کسی کو تلاش ہو تو وہ قرآن مجید میں نوٹ کرتا جائے جہاں جہاں یہ
مضمون آئے ارے ترجمہ دیکھ کر کیونکہ میں نے آیتیں بلا تبصرہ پڑھی ہیں کوئی خاص تبصرہ
میں نے ان کے متعلق نہیں کیا خود آیت کا مضمون اپنا پورا ماحصل دنیا کے سامنے
پیش کر رہا ہے تو مجھے کیا ضرورت ہے الگ سے اس میں کوئی نوٹ لگانے کی۔ تو
کوئی ترجمہ کی مدد سے ان آیتوں کو اکٹھا کرتا رہے تو دیکھئے کہ کتنی بڑی کاپی ہو جاتی ہے۔
اور اب میری خاطر سے ایک دفعہ اور سر مغزی و محنت کیجئے چاہے لاحاصل ہو اور
وہ وہ آیتیں ڈھونڈیئے جس میں کہا گیا ہو برابر ہیں برابر ہیں تو وہ انشاء اللہ نہیں ملیں
گی تو میں کہتا ہوں کہ اتنی دفعہ آیات قرآن نے جس حقیقت پر زور اتنی دفعہ دیا ہو اسکی
بجائے اگر مسلمان صرف قرآن کو کافی سمجھتے اپنے لئے تو یہ نعرہ لگاتے کہ اسلام عدم مساوات
کا حامل ہے یہ کیا ہے بار بار جو قرآن کہہ رہا ہے اس کے خلاف نعرہ بن گیا اور جو قرآن
میں ہے وہ زبان پر کسی کی نہیں آتا اب میں کہتا ہوں کہ خدا و رسول کی عملی سیرت دیکھئے
اور میں تو اس کا قائل ہوں کہ جو رسول کی سیرت ہے وہ خدا و رسول دونوں کی ہے کیونکہ
ان کا کوئی عمل بغیر مرضی الٰہی نہیں ہوتا خصوصاً جب یہ بھی کہہ دیں کہ یہ اللہ کی طرف سے
ہے تو پھر تو بشریت والے مسلمان کو بھی ماننا پڑے گا اگر رسالت کو مانتا ہے تو پھر

توسرِ تسلیم خم کرنا پڑے گا کہ اب یہ ارشاد تو کم از کم بشریت کی بنار پر نہیں ہے تو اب میں یاد دلاتا ہوں۔ آپ کے جانے پہچانے واقعات۔ اگر اسلام دینِ مساوات ہوتا تو جب دروازہ بند ہوئے تھے تو سب کے بند ہو جاتے کسی کا کھلا نہ رہتا اور جناب اس عدم مساوات پر احتجاج بھی ہو رہا ہے دوسرے لوگ طلب مساوات میں کہتے ہیں جناب جو سب کے ساتھ ہوا وہ ایک کے ساتھ کیوں نہ ہوا۔ یہ کوئی نہیں کہتا کہ ہمارا دروازہ کیوں بند ہوا یہ کہتا ہے یہ کیوں کھلا ہے ذرا اس نوعیت احتجاجی سے خلوص دیکھئے یعنی دلچسپی فائدہ اُٹھانے سے نہیں ہے۔ ضرر رسانی سے دلچسپی ہے جی کوئی اپنے دروازے کو نہیں کہتا۔ اس کے معنی ہیں ہر ایک جو اُنکے ساتھ ہوا اس کا تو اپنے کو مستحق سمجھتا ہے۔ جو ہے اسکی نظر اس دروازے پر ہے کہ یہ دروازہ کیوں کھلا ہے۔ یہ کیوں کھلا ہے اب معلوم ہوا وہ اگر ہر ایک اپنے دروازے کو کہتا تو سب کے مفادات الگ الگ ہوتے مگر جب ہر ایک کہہ رہا ہے یہ دروازہ کیوں کھلا ہے۔ اب اگر یہ دروازہ کھلا رہا تو میں کہتا ہوں یہی سب کے لئے وجہ عداوت اس دروازے سے ہو جائے گی اب کوئی مخاصمت الگ سے ڈھونڈنے کی ضرورت نہیں اب کسی اور کو تو ہمت نہیں ہوتی وہ جناب پیغمبر خدا کے عمِ بزرگوار کو منتخب کرتے ہیں۔ جی ہاں انہیں کہ اُن سے کہلوائیں جی ہاں بڈھے ہی فقط نہیں ہیں وہ تو رسُول کی ہر بات کو قرابت پر محمول کر رہے ہیں کہ اس لئے کہ قرابت رکھتا ہے اور ذرا اُونچی قرابت ارے یہ تو چچا زاد بھائی ہیں وہ تو چچا ہیں عم بزرگوار ہیں مگر میں اب ایک اور پہلو کی طرف توجہ دلاؤں اہل مجمع کو یہاں قرابتوں کا اثر اُلٹا پڑتا ہے کتنے ہی شدید دشمن رسول کے تھے عیر مگر کسی کا نام قرآن میں نہیں آیا اور جو رشتہ دار تھا اس کا نام آیا اب آپ نے دیکھا کہ یہاں اصُولِ عمل

بُرائی میں رعایت نہ کرنا ہے تو بہر حال وہ دُنیا اس کو سمجھتی ہوتی تو آج تک بشریت بشریت کی رٹ کیوں لگاتی تو وہ جناب انہوں نے سب کے دروازے بند کر دیئے میرا بھی دروازہ بند کر دیا اور یہ ان کا دروازہ۔ اب وہ ممکن ہے چچا ہونے کی عظمت کے لحاظ سے بزرگی کے لحاظ سے اُنہوں نے اس کا کہا ہو کہ اس کا دروازہ بچے کا آپ نے کھلا رکھا۔ اب رسول کہاں تک بحث کریں آپ نے فوراً فرمایا مافتحت یابابا ولاسددت میں نے نہ کوئی دروازہ کھلا رکھا نہ کوئی دروازہ بند کیا جس کا دروازہ بند ہوا اللہ نے بند کیا۔ جس کا دروازہ کھُلا رکھا اللہ نے کھلا رکھا ایک جملہ کہہ کر آگے بڑھوں کہ رسول فرماتے ہیں کہ نہ میں نے کسی کا دروازہ کھُلا رکھا نہ میں نے کسی کا دروازہ بند کیا جس کا دروازہ کھُلا رکھا اللہ نے۔ جس کا دروازہ بند کیا اللہ نے۔ یہی میں کہتا ہوں کہ اب ۱۴سو برس سے دُنیا جو رسول سے قرابتیں گن رہی ہے تو اس سے کام نہیں چلے گا اب خدا سے کوئی قرابت ڈھونڈنا چاہیئے اور اب یہ جُملہ میں ابھی بار بار دہراؤں گا پھر اس کی تشریح کرونگا دو ایک مثالیں اور عمل خدا و رسول سے۔

ارے جب رسول نے کہہ دیا کہ میرا کام نہیں ہے اس کا ہے تو اب کسی کو اس میں تامّل نہیں ہو سکتا۔ اگر رسالت پر ایمان رکھتا ہے تو عمل خدا و رسُول، معلوم ہوا کہ جس وقت جو امتیاز کا حقدار ہے اسکے امتیاز کا حامی ہے مساوات کا نہیں اور اس کے بعد اب جتنی خصوصیتیں کسی کے نزدیک رسول نے برتی ہیں اور رسُول نے خصوصیتیں نہیں برتیں تو دنیا بار بار قرابت یاد کیوں کر رہی ہے۔ خصوصیتیں برتیں جبھی تو بار بار قرابت یاد آتی ہے دُنیا کو اور مساوات ہوتی تو یا سب خواتین کی تعظیم کو کھڑے ہوتے یا کسی کی تعظیم کو نہ کھڑے ہوتے مساوات یا ثبوت میں ہوتی یا نفی میں ہوتی اور ایک مکتب خیال کے

نقطۂ نظر سے تو نفی ہی میں ٹھیک تھا کہ کسی کے لئے نہ اُٹھتے کیونکہ دنیا کہتی ہے کہ تعظیم کے لئے اُٹھنا شرک ہے اور نام رسول پر جو مجمعوں میں، میلادوں میں، جو لوگ اُٹھتے ہیں اس پر دُنیا معترض ہے کہ کیوں کھڑے ہوتے ہیں تو دنیا تو تعظیماً کھڑے ہونے کی مخالف ہے لہٰذا مساوات میں وہی پہلو زیادہ اچھا تھا کہ کسی کے لئے نہ اُٹھتے مگر جناب صحاح ستہ کی حدیث کو کیا کیا جائے کہ اذا دخلت فاطمہ جب حضرت فاطمہ زہرا آتی تھیں ایک دفعہ کی بات نہیں کہ آئیں اور رسول کھڑے ہو گئے نہیں۔ جب آتی تھیں یہ اک مستقل موضوع ہے کبھی انشاءاللہ اس حدیث کی تشریح پیش کرونگا، جب حضرت فاطمہ آتی تھیں تو رسول اللہ، قام رسول اللہ الیھا، رسولِ خدا کھڑے ہو جاتے تھے یہ پہلا ہی جُملہ اتنا اُونچا تھا کہ ہماری تقریر و تحریر نے جذب کر لیا، اسی پر زور دیتے رہے حالانکہ حدیث اس پر ختم نہیں ہوئی ہے تیسرا جملہ ابھی ایک ایسا آئے گا جو میرے نزدیک اس سے بالاتر نہیں ہے تو اس سے کم تر بھی نہیں ہے وہ عموماً آپ کے سامنے نہیں پیش ہوتا بس یہی پہلا جُملہ اسی پر زور ہوتا ہے مگر حدیث اتنی نہیں ہے کھڑے ہو جاتے تھے ورحب ھا اور مرحبا فرماتے تھے خیر مقدم خوش آمدید، خیر یہ بھی یہ دُوسری بات ہے تیسرا جملہ جو ہے میرے تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں واجلس ھا فی مقامہ اور اُنکو اپنی جگہ پر بٹھاتے تھے اب اس جملے کا عقلی طور پر تجزیہ کیجئے اس کے معانی ہیں کہ جب تک فاطمہ بیٹھی ہیں رسول اپنی جگہ نہیں بیٹھے ہیں۔ جب فاطمہ اُٹھ کر چلی جائیں گی تب پیغمبر پھر اپنی جگہ پر بیٹھیں گے تو اب امتیاز ہوا یا نہیں ہوا سب کے ساتھ تو یکساں عمل نہیں ہوا اور ایسے کے ساتھ یکساں عمل ہوا جس کا رشتہ ایسا ہے کہ تقاضا ہی نہیں ہے کھڑے ہونے کا۔ یہ عمل یہ بتاتا ہے کہ فاطمہ فقط بیٹی نہیں ہیں کچھ اور بھی ہیں

اور اب پیغمبرؐ خدا کا مسلسل عمل ہے حدیث کے الفاظ ہی سے میں سمجھا چکا کہ مسلسل۔ وہ مسلمان جو کہتے ہیں بعض کام بر بنائے بشریت ہوتے تھے وہ بھی کہتے ہیں کہ بر بنائے بشریت معاذاللہ کوئی بے محل بات ہوتی تھی تو اللہ اس پر قائم نہیں رہنے دیتا تھا تو پہلی دفعہ کیا تو اسے بشریت کہہ لیجئے جب برابر قائم رہے تو اب تو فعل الٰہی ماننا پڑے گا۔ اللہ سے قرابت کچھ پیدا کیجئے کچھ تصور کیجئے بغیر اسکے بات سمجھ میں نہیں آئے گی بس یہیں تشریح بھی کر دوں جس کا وعدہ کیا تھا کہ قرابت کی لفظ سے گھبر لیئے گا نہیں۔ قرابتیں اصل ق ر ب۔ تو آپ ہر نماز میں کہیں قربتاً الی اللہ۔ وہ آپ کے لئے روا ہوا اور میں کچھ شخصیتوں کے لئے کہہ دوں اللہ سے قرابت تو وہ کسی کے مزاج پر بار ہو جائے۔ جیسی جس سے قرابت ہوسکتی ہو اس کی بات جب خود بے لوث ہو تو اس کی قرابت قربت ہی سے ہو گی۔ جو زیادہ قربتاً الی اللہ کی حقیقت کا حامل ہو گا اتنا ہی اسے اس سے قرب حاصل ہو گا اتنا ہی اسے امتیاز عطا کیا جائے گا اور میں کہتا ہوں بس اب یہ تتمہ ہے ورنہ بہت ہی بسیط اس کو عرض کیا جا سکتا ہے اب کل دُوسرے جزو کو عرض کرنا ہے مساوات والا رُخ کہ حضور والا معلوم ہوا یہ یہاں تک میں پہنچا کہ ان ہستیوں کے دو رشتے ہیں، ایک رشتہ ہے رسول کے ساتھ قرابت کا اور ایک رشتہ ہے اللہ کی طرف۔ میں کہتا ہوں کہ رسول کا عمل بھی دو طرح کا ہوتا تھا ایک اپنے رشتے سے ایک اللہ کے رشتے سے۔ وہ جو بیٹی کو گلے لگاتے تھے وہ اپنے رشتے سے اور یہ جو تعظیم کو کھڑے ہوتے تھے یہ اُس کے رشتے سے۔ اور بعض وقت مصلحت الٰہی اس کی متقاضی ہوئی ہے کہ یہ عمل اپنی قرابت کے لحاظ سے کریں اور میں اپنی قربت کے لحاظ سے اسے قبول نہ کروں یہ بھی ہوا ہے۔ یہاں یہ دو رنگی بھی منشائے الٰہی کی تکمیل کا ذریعہ ہے۔ آپ کے

لئے مختصر جملے کافی ہیں پورا واقعہ ذہن میں لانے کے لئے۔ اگر اپنے سے قرابت کا دخل نہ ہوتا تو کبھی تبلیغ میں اتنی دیر نہ کرتے کہ خدا کو تیور بدل کر کہنا پڑتا۔ یہ جو رکاوٹ ہو رہی ہے وہ اپنی قرابت کی بنا پر ہو رہی ہے۔ یہاں تک کہ خالق کو کہنا پڑا۔ وان لم تفعل اگر اب نہ کیا تو کچھ کیا ہی نہیں تو اب جو کر رہے ہیں وہ اللہ کی قرابت کی بنا پر۔ یہ چیزیں اکثر لوگوں کو اُلجھن میں ڈالتی ہیں میں کہتا ہوں حکمت الٰہی متقاضی ہے کہ بعض اوقات ان کے عمل کو الگ کر کے اپنے عمل سے دکھلایئے اگر اپنی قرابت نہ ہوتی تو پہلے ہی سورۂ برائت انہی کو دے کر بھیجتے مگر چونکہ لوگ کہتے تھے کہ ہر منزل پر آگے بڑھاتے ہیں تو میدانِ جنگ میں اس بات کا اثر لینا تو خطرناک تھا۔ اسلام کے دامن پر داغ شکست آتا۔ لہٰذا وہاں تو کہا کریں بہرحال تقاضا اپنے رشتے کا ہے پھر بھی کریں گے جو کرنا ہے جو اسلام کی فتح کا ذریعہ ہے لیکن اب یہ بے ضرر بات تھی آیت سپرد کر دی۔ یہ اپنے رشتے کی بنا پر نہیں سپرد کیا تھا دوسرے کے سپرد کر دیا اب کیا کیا جائے اس نے ملک کو بھیج دیا کہ نہیں۔ کوئی نہیں پہنچا سکتا یا خود تم یا جو تم میں سے ہے، تمہارا جزو ہے۔ اب کیا کریں تو آیت نہیں دی اپنی قرابت کی بنا پر اور پھر دینا پڑی اللہ کی قرابت کی بنا پر۔ بچوں کو کاندھے پر چڑھانا اپنی قرابت سے، سینے پر سُلانا اپنی قرابت سے مگر سجدۂ خالق میں طول دینا۔ یہ اللہ کے رشتے کا تقاضا ہے ورنہ شانِ رسالت کے خلاف ہے کہ اپنے بچوں کے لئے اللہ کی نماز کی رفتار میں فرق کریں مگر نہیں اپنے بچے کا سوال نہیں تھا جس کی نماز ہے اسی کے یہ کچھ ہیں اور میں اب اسی حقیقت کو انہی لفظوں میں کہہ سکتا ہوں کہ پیغمبر عالم سجدہ میں رضائے الٰہی کی ترازو پر تول رہے ہیں ایک پلڑے میں عام رفتار نماز کو اور ایک پلڑے میں حسینؑ کی شخصیت کو اور اس ترازو پر حسینؑ کی شخصیت کا وزن

زیادہ نمایاں ہو رہا ہے کہ سجدے سے سر نہیں اُٹھاتے اب اُردو زبان کا ایک جُملہ کہتا ہوں اس میں محاورہ ہے میں کہتا ہوں کہ یہ حسینؑ کا وزن ہے کہ رسُول کا سر نہیں اُٹھتا ان کا وزن کس اعتبار سے زیادہ ہے اس کو باب عقائد میں بھی دیکھ سکتے ہیں۔ بابِ فضائل میں بھی دیکھ سکتے ہیں باب مصائب میں بھی دیکھ سکتے ہیں۔ دیکھئے عبادات میں نماز سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہے۔ ان قبلت قبل ما سواان ردت رُد ما سوا۔ اگر یہ قبول تو سب قبول، اگر یہ رد تو سب رد تو عبادات میں اس سے بڑھ کر کوئی نہیں۔ اب اگر حسین کا وزن پیش خدا زیادہ ہے تو وہ اس وجہ سے ہو سکتا ہے کہ یہ فرعِ دین ہے یہ بچّہ اصُول دین میں ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اصل دین ہی کمال نماز کا باعث بنے گی لہٰذا نماز کی اہمیت کی خاطر ہی ان کی معرفت کو جزوِ نماز بنا دیا گیا۔ پھر نماز سے ٹکراؤ تھوڑی ہے اس لئے میں نے کہا عام رفتار نماز۔ میں کہتا ہوں بچے بھی تو ایسے ہونے چاہئیں کہ جن کی ضد سے عبادات میں کمی نہ ہو اور زیادتی ہو جائے۔

اور اب بابِ مصائب پیش کروں کہ امام حسینؑ کی اہمیت رسول کے پیشِ نظر ہے اللہ کے دیئے ہوئے علم سے یہ دے رہے ہیں کہ یہ تو میری ایک وقت کی نماز ہے اور اُس کا سجدہ ہے اور یہ بچّہ وہ ہے جس کی بدولت قیامت تک نماز قائم رہے گی اور یہ میں نہیں کہہ رہا ہوں معصوم نے زیارت حضرت امام حسینؑ میں کہا ہے کہ اشھد انک قد اقمت الصلوٰۃ۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے نماز کو قائم رکھا تو شہادت حسینی شریعت اسلام کی بقا کی خاطر اور میں کہتا ہوں کربلا میں حضرت امام حسینؑ نے اپنے کردار سے ثابت کر دیا کہ جو میرے ساتھ بچپن میں رسول نے کیا تھا وہ بلا وجہ نہیں تھا گویا زیر خنجر رسول کا

عمل اُنکے سامنے تھا یہ مصائب ہیں میں کہتا ہوں کہ اُنکے پیشِ نظر ہے میرے لئے بچپن میں رسول نے سجدے کو طول دیا تھا تو سہی جو سجدہ ہی ہو اور گلے پر خنجر ہو۔ اب بڑی سخت بات ہے میں نے کراچی میں بھی کہی تھی اور جو حقیقت ہے بہرحال کہتا ہوں کہ یہ ہمارے عزاداروں کے یاد رکھنے کی بات ہے کہ اسکے بعد انقلاب زمانہ نہیں ہے تو کیا ہے کہ ہمیں خنجر تو یاد رہے اور سجدہ نہ یاد رہے اُنہوں نے تو اپنی شہادت کا جزو بنا دیا نماز کو۔

اور ایک دن کہہ چکا ہوں کہ یہ ہر نمازی سر رکھتا ہے تو سر اُٹھاتا بھی ہے مگر ذرا باریک بات ہے، لیکن ماشاء اللہ آپ حضرات ہر باریک بات کو سمجھتے ہیں میں کہتا ہوں کہ سجدہ طولانی کتنا ہوتا ہے۔ رکوع اس وقت تک طولانی ہوگا جب تک سر نہ اُٹھائے سجدہ اس وقت تک طولانی ہوگا جب تک سر نہ اُٹھائے، تو پیغمبر نے بچپن میں سجدے کو کتنا طول دیا وہ ہم بتا سکتے ہیں اور حسین نے سجدے کو کتنا طول دیا۔ حیرت وہی ہے ایسا سجدہ اور حضرت علی ابن ابی طالب کا سجدہ اور مسلسل زندگی کے سجدے مگر سید الساجدین نہ علی کا لقب ہے نہ حسین کا لقب ہے اُنکے بیشمار القاب ہیں امام المتقین ہے سید الوصیین ہے مگر کیا کروں سید الساجدین نہیں ہے اُنکے القاب میں۔ حضرت امام حسینؑ کے القاب میں سید الصابرین ہے سید الشہدا ہے میں کیا کروں سید الساجدین آپ کے القاب میں نہیں ہے مگر یہ ہمارے چوتھے امام نے کس عالم میں سجدے کئے کہ ان کا لقب ہوگیا سید الساجدین۔ اب وہ مسلسل کربلا سے کوفہ اور کوفے سے شام وہ گرانیٔ آہن کیساتھ وہ سجدے اُن کی کیفیتیں کہاں راویوں نے بیان کیں مگر ایک سجدے کی کیفیت علامہ عبدالقادر عجیلی شافعی نے اپنی کتاب ذخیرۃ المعاد فی مناقب آل الامجاد میں بیان کی تو

بڑا قیامت خیز وقت ہے وہ گیارھویں شب محرم کی جسے ہم آپ شامِ غریباں کہتے ہیں بڑی قیامت کی رات ہے کوئی کہے شبِ عاشورہ ہے یا وہ قیامت کی رات میں کہتا ہوں جی ہاں شبِ عاشورہ سے بہت بڑھی ہوئی۔ ارے شبِ عاشور حسینؑ کی تسبیح و تحلیل کی آوازیں تھیں۔ شبِ عاشور اصحاب کی تکبیروں کی صدائیں تھیں شبِ عاشور تمام اعزہ کی تسبیح و تحلیل کی آوازیں تھیں اور میں کہتا ہوں کہ شبِ عاشور عباس کے شیرانہ ہمہموں کی صدا تھی جو بیبیوں کے دل کو ڈھارس دے رہی تھی۔ لیکن گیارھویں شب جب آندھیاں سیاہ چل چکی تھیں جب فرات کا پانی نیزوں اچھل چکا تھا اور کہوں، جب خیمے جل کر شعلے فرو ہو چکے تھے خاکستر بن گئی تھی تو اس شب کی قیامت کا حال کوئی بیان کر سکتا ہے ارے کل تو تسبیح و تحلیل تکبیر سب کی آوازیں تھیں۔ آج نہ امام کی صدائے تکبیر، نہ اصحاب کی آوازیں نہ عزیز و اقارب کی صدائیں، نہ عباس کی صدائے شیرانہ اور اہلِ دل میں کہتا ہوں آج ایک بچے کے رونے کی آواز بھی نہیں ہے سناٹا اور مکمل سناٹا۔ اور عرض کروں کہ ارے شبِ عاشور بیبیاں خیموں کے نیچے بیٹھی تھیں آج پیاسی بیبیاں خیموں کی خاکستر پر بیٹھی ہیں تو آج کے دلوں کی واردات کوئی بیان کر سکتا ہے؟ مگر نہیں یہ جملہ ہے اسی پر ختم کر دونگا بابِ مصائب تیر و خنجر بھی نہیں ہیں یہ واقعات سب مصائب ہیں میں کہتا ہوں کہ یہ قیامت خیز رات اور علامہ شافعی لکھتے ہیں کہ سید الساجدین نے پوری رات ایک سجدے میں گزاری ہے اور زبان پر تھا لا الٰہ الا اللہ حقاً حقاً لا الٰہ الا اللہ صدقاً صدقاً شکراً شکراً۔

مجلس ہشتم

دین اسلام

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؕ

اِنَّ الدِّیۡنَ عِنۡدَ اللّٰہِ الۡاِسۡلَامُ ۔

میں نے عرض کیا کہ مطلق مساوات کا نعرہ غلط ہے آنکھ بند کر کے یہ کہنا کہ اسلام مساوات کا علمبردار ہے یہ درست نہیں ہے نہ از روئے عقل نہ از روئے قرآن نہ از روئے سیرتِ رسولؐ و آلِ رسول۔ مگر کوئی کہے کہ پھر کیا یہ بات بالکل غلط ہے کہ اسلام دین مساوات ہے ایک معنی سے اسلام دین مساوات ہے جس معنی سے اسلام دینِ مساوات ہے۔ وہ یہ ہے کہ جو غلط اقدار امتیاز کے قرار دیئے گئے تھے۔ نوعِ انسانی میں بلندی و پستی کے جو غلط معیار مقرر کر لئے گئے تھے۔ ان اقدار کو اور ان معیاروں کو جو دنیا نے مقرر کئے تھے اسلام نے مٹایا انہیں ختم کیا اور اُنکے مقابلے میں مساوات کا علم بلند کیا۔ اُنکے مقابلے میں مساوات کا علم بلند کر کے پھر اپنی جانب سے وجوہ امتیاز مقرر کئے۔ اب جو اسلام کے مقرر کردہ وجوہ امتیاز ہیں اُنکے مقابل میں مساوات کا نعرہ غلط اور جو جاہلیت کے وجوہِ امتیازات تھے اُنکے مقابلے میں مساوات کا نعرہ صحیح۔ اب دنیا والوں نے کِس کِس حیثیت سے امتیازات مقرر کئے تھے اُونچ نیچ کے۔ درجے مقرر کئے تھے۔

وہ فقط افسانۂ ماضی نہیں ہیں۔ بلکہ حال میں بھی اُسکے بقایا آثار زندہ موجود ہیں جنکا ہر کوئی مطالعہ کرسکتا ہے۔ ایک دولت کے لحاظ سے بلندی اور غربت کے لحاظ سے پستی، جو صاحبِ دولت ہے وہ بلند اور جو تہی دست ہے وہ پست یہاں تک کہ اُس کے لئے اسوقت محاورہ تھا اور نہ جانے ۱۴سو برس کے انقلابات کے بعد بھی وہ کس چور دروازے سے ہمارے ہاں بھی چھپا ہوا رہا اور آج تک ہے۔ وہ یہ کہ بڑے آدمی جب کہتے ہیں تو مراد اس سے دولت مند ہوتے ہیں فلاں صاحب بڑے آدمی ہیں، یعنی دولت مند ہیں تو یہ محاورہ قرآن مجید سے پتہ چلتا ہے کہ یہ پیغمبر کے مقابلے میں مشرکین جاہلیت کی آواز تھی بالکل یہی محاورہ وہ استعمال کرتے تھے قرآن کی آیت ہے۔ لَوْلَا أُنْزِلَ هٰذَا الْقُرْآنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ۔ یہ قرآن مکے یا مدینے کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہ اُترا۔ یہ مکہ اور مدینہ میں نے رداروی میں غلط کہہ دیا دونوں بستیوں میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہ اُترا۔ یہاں مکہ اور مدینہ نہیں ہیں مکہ اور طائف کا علاقہ مکے کے قریب بڑا زرخیز تھا اس لئے وہاں لکھپتی اور کروڑپتی لوگ کثرت سے موجود تھے تو یہ لوگ کہتے تھے کہ آخر یہ قرآن یعنی قرآن کے معنی میں تو نہیں ہوتا، لیکن جس پر اُتارا جاتا وہ کوئی بڑا آدمی ہوتا اس میں کیا مضر ہے یعنی اگر کسی بڑے آدمی پر قرآن اُترتا وہ دعویٰ رسالت کرتا تو ہماری عادت ہی ہے بڑے آدمیوں کے سامنے سر جُھکانا ہمیں ماننا آسان ہوجاتا، لیکن خالق نے بھی قرآن اُتارا تو قبیلۂ بنی ہاشم کے ایک یتیم پر جس کے باپ کا انتقال دادا کے سامنے ہوگیا تو وہ خاندانی وراثت سے بھی محروم ہوگیا ایسے کو منتخب کیا قرآن اُتارنے کے لئے بس اب یہاں قرآن مجید کی ایک اور آیت آپ کو یاد دلادوں کہ اُسکے مقابلے میں اللہ کو کہنا تھا کہ اے پیغمبر آپ بڑے آدمی ہیں یہ کیا کہتے

ہیں کہ کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں اُتارا نہیں بڑے آدمی آپ ہیں ہم نے بڑے ہی آدمی پر اُتارا ہے، لیکن رسُول کو بھی اگر یہ کہا جاتا ہے کہ آپ بڑے آدمی ہیں تو یہ ذہنیت درست نہ ہوتی کہ آدمی بڑا ہوتا ہے یا کردار۔ تو یہ جناب دولت غربت ایک معیار بلندی اور پستی کا دُوسرا معیار ذات اور نسل۔ اُونچی نسل ہیں جو پیدا ہوا وہ اُونچا ہے اور نیچی نسل میں جو پیدا ہوا وہ نیچا ہے یہ آپ کے پاس کے ملک میں جاہ وجلال کے ساتھ ہمیشہ رہا کہ چار طبقے مستقل بلندی ولپستی میں تقسیم شدہ ہو گئے کہ جو برہمن ہے وہ اُونچا ہے پھر اُسکے بعد وہ ہے سپہ گری کا فن جو جانتا ہے جس کے ہاں سپہ گری ہوتی رہی ہے، وہ دُوسرے درجے پر ہے پھر تیسرے درجے پر وہ ہے جو لکھنے پڑھنے کا کام کرتے رہے ہیں چوتھے درجے پر بیچارے کاشکار، وہ مزدور یہ سب اور مختلف پیشے کرنے والے تو ذات کے اعتبار سے بلندی ولپستی دو چیزیں۔ تیسری چیز رنگت کے لحاظ سے۔ یہ متمدن دنیا یورپ کی وہاں گورے اُونچے ہیں اور کالے نیچے ہیں اور وہ بھی ایک محاورہ ہے گورے کالے کا جو اُنکے ہاں ہے وہ گورا ہے ہمارے ہاں کا گورا بھی ہو تو کالا ہے تو وہ جناب وہ گورے اور کالے وہ دُنیا کی لاکھ کانفرنسوں کے باوجود بھی موجود ہے دُنیا میں۔ یہاں تک کہ ایک ہوٹل میں گورے اور کالے کھانا نہیں کھا سکتے ایک سکول میں کالے اور گورے پڑھ نہیں سکتے یہاں تک کہ وہ جو آجکل تمدّنی تہذیب کا گویا مرکز مانا جاتا ہے امریکہ اور وہاں تھوڑے ہی عرصے کی بات ہے کہ ایک سکول کو جلا دیا گیا اس لئے کہ وہاں کالے طالب علم داخل ہو گئے تھے تو وہ سکول ہی کو آگ لگا دی گئی وہ ایک صدر بیچارہ حامئ حقوق ہو گیا تھا اسے گولی مار دی گئی تو معلوم ہوا کہ یہ رنگت کے لحاظ سے بلندی ولپستی یہ ایک مستقل۔ کسی ملک والوں نے بڑے نسلی افتخار

سے اپنے کو کہہ دیا کہ ہم سورج کی اولاد ہیں وہ سورج کی اولاد ہو گئے۔ ہٹلر کا فلسفہ بھی یہی تھا کہ جرمن قوم دنیا میں حکومت کرنے کے لئے پیدا ہوئی ہے اس کے علاوہ جتنے اور ہیں وہ محکوم بننے کے لئے پیدا ہوئے ہیں خلق ہوئے ہیں تو یہ رنگت کے، نسل کے اعتبار سے بھی کوئی رنگت کے اعتبار سے بھی تو کہیں وہ ایک ہو جاتا ہے کہیں دو آتشہ ہو جاتا ہے تو وہ بلندی و پستی تقسیم ہو گئی ان چیزوں میں۔ اب ان سب میں جو مشترک خرابی ہے وہ میں عرض کر دوں۔ مشترک خرابی ان سب میں یہ ہے کہ بلندی و پستی کے معیار انسانی ارادہ و اختیار کے حدود سے باہر مقرر کئے گئے ہیں یعنی جو اُنگی ذات میں پیدا ہوا وہ اپنے اختیار سے کسی ذات کو منتخب نہیں کر سکتا تھا اس ذات میں پیدا ہونا غیر اختیاری بات تھی جس کی جو رنگت ہے وہ اپنے اختیار کی بات نہیں ہے گورا اپنے اختیار سے اپنے آپ کو کالا نہیں کر سکتا۔ کالا اپنے اختیار سے اپنے کو گورا نہیں بنا سکتا۔ دولت غربت بھی نظام دنیا کے ماتحت تہی دست ہر ایک قادر نہیں ہے کہ دولتمند بن جائے تو معیار بلندی و پستی کے حدود اختیار سے باہر قرار دیئے جاتے ہیں یا اس کو میں ایک عام فہم لفظ میں یوں کہہ سکتا ہوں کہ گویا بلندی و پستی فطرت کے جوئے سے ہوتی ہے بس نصیبوں سے جو پیدا ہو گیا اس خاندان میں وہ گویا قرعہ فال بلندی پڑ گیا اور جو پست خاندان میں پیدا ہوا وہ قرعۂ فال پستی اُس کے اُوپر پڑ گیا تو اختیاری چیز نہیں ہے اب جب بلندی و پستی اختیاری نہ رہی تو ایک عقلی چیز یہ ہے کہ اصلاح عمل کے لئے دونوں چیزیں زہر ہیں ایک پورا بھروسہ کامیابی پر۔ اور ایک پوری مایوسی کامیابی سے مثال کے طور پر طالب علموں کی زندگی ہے کہ ایک لڑکا ہے بہت اچھا محنتی صاحب صلاحیت ہے مگر کسی وجہ سے اس کو یقین ہو گیا ہے کہ میں بہر حال فیل ہونگا

کسی تعصّب کی وجہ سے کچھ ماسٹر صاحب کی ناراضگی کی وجہ سے۔ کچھ وہاں کے ماحول کے ناسازگار
ہوجانے سے بہرحال اسے یقین ہوگیا ہے کہ میں بہرحال فیل ہونگا تو اب وہ کیوں محنت
کرے۔ وہ سمجھتا ہے کہ محنت کرونگا تب بھی فیل ہونگا محنت نہ کروں گا تب بھی فیل
ہوں گا تو اسے کیا ضرورت ہے کہ وہ راتوں کی نیند بے چین کرے۔ اسے کیا ضرورت
ہے کہ وہ زحمت و مشقّت سے کتابوں کو تیار کرے وہ سمجھتا ہے کہ میری قسمت میں تو
ناکام ہی ہونا ہے ایک وہ ہے جسے کسی وجہ سے یقین ہوگیا کہ میں تو کامیاب ہوکر
رہوں گا وہ بھی کچھ ماحول وغیرہ سے اس کا تعلق ہے کچھ اس کی خصوصیت ایسی ہے کہ
ہو ہی نہیں سکتا کہ یہ فیل ہوجائے یہ بھی محنت کیوں کرے۔ ارے یہ تو اطمینان کی
نیند سوئے تب بھی پاس ہوگا تو کیوں بے چین کرے نیند۔ ایک محنت نہ کرے گا۔
بے ضرورت سمجھ کر۔ ایک محنت نہ کریگا بے کار سمجھ کر بس یونہی اگر بلندی و پستی کا بٹوارہ
غیر اختیاری اعتبار سے ہوا تو جو بلند خاندان میں پیدا ہوا یا اُس رنگت والا ہے جو
اُونچا ہے وہ اپنے کو سدھارنے کی کوشش کیوں کرے وہ تو سمجھتا ہے کہ میں چاہے
جیسا ہوں مگر اُونچا ہوں اور جو نیچی ذات میں پیدا ہوا ہے یا اس رنگت کا ہے، کالا
ہے وہ سمجھتا ہے کہ میں تو بہرحال ناکام ہوں لہٰذا وہ اصلاح عمل کی فکر کیوں کرے،
پڑھے لکھے کیوں ضبطِ نفس کیوں کرے، اپنے کو اچھّے اخلاق سے آراستہ کیوں کرے وہ
تو کہتا ہے جو بھی جتن کروں نیچے ہی رہوں گا اُونچا نہیں ہوسکتا اسے اطمینان ہے
کہ میں اُونچا ہوں نیچا نہیں ہوسکتا اِسے مایوسیٔ کامل ہے کہ میں نیچا ہوں اُونچا نہیں
ہوسکتا لہٰذا اصلاحِ عمل کے جذبے دونوں کے ختم ہوگئے اسلام نے کہا کہ

الایمان نصفان نصف خوف ونصف رجاء۔ ایمان کے برابر کے دو

ٹکڑے ہیں خوف اور اُمید۔ یقین کامل کرنا کہ بس ہم نجات پا جائیں گے یہ بھی خدا کو ناپسند ہے بالکل نا اُمید ہو جانا کہ ہم سوا دوزخ کے کہیں جا ہی نہیں سکتے یہ بھی خدا کو ناپسند۔ اگر سمجھ لیا کہ بہرحال جنّت ہمارے دم قدم سے لگی ہوئی ہے تو کیوں اعمال صالحہ میں محنت کرے گا کیوں نیند بے چین کر کے صبح کی نماز پڑھے کیوں خواہشاتِ نفس کو روکے اور لذائذ کو مطلق العنانی کے ساتھ حاصل نہ کرے۔ اُسے یقین ہے کہ چاہے میں جو کروں، جنّت میرے دم قدم کو لگی ہوئی ہے تو معلوم ہوا کہ یہ تصوّر کرنا یا کسی شخص کا یہ تصوّر پیدا کرانا کہ تم بہرحال جنّت میں جاؤ گے یہ مقصدِ الٰہی کی دشمنی ہے اور وعظ کے معنی عموماً لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ اس نے کہنا شروع کیا ارے بھئی دوزخ ہے۔ یہ تمہاری بداعمالیاں دوزخ کے سوا کہیں نہیں لے جا سکتیں تو اگر اس نے روز روز یہ دوزخ ہی کہا اور مجمع کو دوزخ کا یقین دلا دیا تو جو نماز پڑھتا تھا وہ بھی چھوڑ دیگا کہ پڑھوں تب بھی دوزخ میں جاؤنگا نہ پڑھوں تب بھی دوزخ میں جاؤنگا جتنا کارِ خیر جو کر بھی رہا تھا وہ چھوڑ دے گا کہ فائدہ ہی کیا ہے جب دوزخ یقینی ہو گیا معلوم ہوا کہ وہ بھی دشمنی یہ بھی دشمنی۔ دورِ سابق کے انبیاء میں بعض میں ایک پہلو نمایاں تھا کیونکہ عبوری دور ہوتا ہے اس کو میں روزمرّہ کی مثال میں یوں پیش کرتا ہوں کہ جب بچّے لکھنا شروع کرتے ہیں تو اُن کو تختی لکھ کر دی جاتی ہے کہ ایسا لکھو اس میں خوشخطی کے اصُول ہیں کسی خوشنویس سے تختی لکھوائی جاتی ہے اس کو سرِ مشق کہتے ہیں جس کو دیکھ دیکھ کر وہ مشق کریں تو اس میں اصُول ہے کہ الف اتنے نقطوں کا اور ب اتنے قد و قامت کی اور جیم کا حلقہ ایسا ہونا چاہیئے تو ہر حرف اپنے پُورے کمال پر ہے، لیکن جس وقت پر کہ مشق ہو گئی اب آگے بڑھا اب ملا ملا کر حرف لکھوانا شروع کئے کہ لکھو جب اب دو حرف مل گئے تو

کیا ہوا کہ جیم کا سر رہ گیا دھڑ غائب ہوگیا ب کا قد رہ گیا سر غائب ہوگیا۔ اس طرح فرض کیجئے کہ ق کو ا سے ملا دیا تو ق کا سر رہ گیا پیٹ چلا گیا تو ہر حرف کٹ گیا مگر معیارِ تعلیم اُونچا ہو گیا بس یہیں گذشتہ دَور کے انبیاء تھے کہ عبوری دور کے لئے آئے تھے اس لئے کسی نے یہ نمونہ پیش کر دیا کہ دیکھو عمر بھر شادی نہیں کرتے یعنی ضبطِ نفس کی ایک مثال کامل پیش کر دی۔ مگر وہ تعلیم خود بتا رہی ہے کہ یہ ابتدائی دَور کی تعلیم ہے یہ دائمی نہیں ہے تو عبوری دور کے جو انبیاء تھے ان انبیاء میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ کسی پر وہ پہلو غالب ہے کسی پر یہ۔ حضرت یحییٰ رات دن رو رہے ہیں انہیں خوفِ الٰہی کا احساس پیدا کرانا تھا۔ جناب عیسیٰ بشارت دے رہے ہیں روایت میں ہے کہ دونوں حقیقی خالہ زاد بھائی تو تھے ہی۔ تو جناب یحییٰ سے ملاقات ہوئی جناب عیسیٰ کی تو جناب یحییٰ نے ان سے کہا کہ واہ واہ آپ کو تو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ اللہ نے دوزخ پیدا ہی نہیں کیا اُنہوں نے کہا جی ہاں اور آپ کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے بہشت نہیں پیدا کی۔ آپ نے دیکھا کہ وہ بھی ایک جزو کی مشق کرا رہے ہیں یہ بھی ایک جزو کی مشق کرا رہے ہیں۔ اب جو آیا نظامِ تعلیم کو اُونچا بنانے کے لئے اس کے برابر کے دو لقب ہو گئے۔ بشیراً و نذیراً۔ بشارت دینے والا اور انذار کرنے والا۔ بشارت ہے اُمید کا سرمایہ فراہم کرنے کے لئے۔ انذار ہے خوف کا محرک پیدا کرنے کے لئے تب ایمان کے دونوں جزو حاصل ہونگے نصف خوف و نصف رجا۔ آدھا ایمان خوف ہے اور آدھا ایمان اُمید ہے یہ امید و بیم یہی کامل ایمان ہے اب کوئی تعلیم ایسی جو اعتماد کامل پیدا کر دے یا مایوسیٔ کامل پیدا کر دے غلط ہوگی تو اس سب میں یہ خرابی ہے اور پھر عقلی طور پر بھی دیکھئے کہ دولت کو معیار سمجھا بلندی کا۔ تو سبب بلندی جو شے

ہوتی ہے وہ خود آدمی سے اُونچی ہوتی ہے کسی بڑے باپ کا بیٹا ہونے کا فخر وہی کرتا ہے جو خود اس منزل پر نہ ہو وہ یُونہی تعارف کراتا ہے کہ فلاں صاحب کا میں بیٹا ہوں اگر وہ خود کچھ ہو تو یہ تعارف نہ کراتا اب جو شخص اپنے آپ پر فخر کرتا ہے کہ میں صاحبِ دولت ہوں یا دُوسرے اُسے اُونچا کہتے ہیں تو یہ بڑا ہے اس لئے کہ صاحبِ دولت ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ دولت کو انسانیت سے اُونچی شے سمجھتے ہیں تو اگر دولت کو سبب فخر سمجھیں تو اصل دولت تو جمادات ہیں ارے وہ ٹھوکروں میں آنے والے پتھر سنگِ خارا ہیں وہی حقیقت کے لحاظ سے سونا چاندی اور یاقوت ہیں۔ یہ تو رنگ ساز کی بات ہے کہ جیسا رنگ جسے دے دیا ویسی اس کی قیمت ہو گئی تو اگر دولت کی فراوانی پر کسی نے اپنے آپ کو بلند سمجھا تو اسکے معنی ہیں کہ پتھروں کے ڈھیر کے جمع ہو جانے کو اپنے لئے سبب فضیلت سمجھا تو اسے اسلام نے مٹایا ہے دولت چھینی نہیں مگر دولت کی قدر گھٹا دی اور اس کے لئے بس سیرتِ رسول کا ایک واقعہ پیش کر کے آگے بڑھوں گا کیونکہ ابھی بہت کچھ عرض کرنا ہے کہ حضور جو رسول کا دربار تھا جہاں خاص جو بھی آیا بیٹھ گیا اب رئیسوں کی ذہینت جو ہوتی ہے وہ ہر دور کے رئیسوں کی ہوتی ہے تو نجد میں بہت رئیس ہوتے تھے تو یہ جب آتے تھے تو اب کئی کئی دفعہ آ کے دیکھتے تھے کہ محفل، ہمارے بیٹھنے کے لائق کس وقت ہے اور زیادہ تر پیغمبر کے قریب پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے لوگ۔ تو اب وہ کہتے ہیں اس وقت محل نہیں ہے ہمارے جانے کا۔ اب ایک وقت اتفاق سے موقع مل گیا دیکھا کہ رسول کا پہلو خالی ہے کوئی وہاں ایسا آدمی نہیں دیکھا تو وہ سمجھے کہ ہاں یہ وقت بہت اچھا ہے۔ اب پیغمبر کی خدمت میں آ کر باتیں کرنے لگے بہت چپکے چپکے جیسے ہم بڑے

مقربین میں ہیں اتنی دیر میں ایک اور صحابی آگیا اب ظاہر ہے ان کے بیٹھنے سے وہ جگہ بھر تو نہیں گئی تھی وہ اس دربار کا عادی ہے لہٰذا وہ آکر بلا تکلف اُنکے پہلو میں بیٹھ گیا اب زبان سے تو کچھ نہیں کہا اب نفسیاتی طور پر دیکھئے گا کہ یہ عمل ہوا ہوگا لاشعوری طور پر یا نہیں۔ کہ زبان سے کہا تو کچھ نہیں لیکن اپنے دامان قبا کو ذرا سا سمیٹ لیا اور رسول کی نگاہ مواخذہ نے اس خفیف عمل کی گرفت کی۔ ارشاد فرمایا یہ تم نے کیا کیا۔ اب ہاتھ جوڑ کر جی میں نے کیا ہی کیا ہے کچھ نہیں۔ کچھ نہیں میں نے کیا فرمایا نہیں میں نے محسوس کیا میں نے دیکھا کہ تم نے کیا کیا یہ تم نے دامن اپنا کیوں سمیٹا۔ کیا اس دامن کے ذریعے سے اس کی غربت تم میں آجاتی اور تمہاری دولت کچھ اُس کے پاس چلی جاتی۔ اب ظاہر ہے اس کا جواب کوئی نہیں تھا تو ممکن ہے واقعی ضمیر شرمندہ ہوا ہو۔ کہا حضور خطا ہوئی۔ اب اسکے کفارے میں میں اپنی آدھی دولت اس بھائی کو اپنے دیتا ہوں۔ اب رسول کے چہرے پر آثارِ غضب تھے ایک دم سے لبوں پر تبسم آگیا اب نتیجہ بعد کو بتاؤں گا میں کہتا ہوں دیکھئے یہ ہے خود اختیاری اشتراکیت ضمیر کی تحریک سے شریک بناؤ دوسرے کو۔ صلوٰۃ۔

اس نے کہا میں اپنی آدھی دولت اسے دیتا ہوں۔ رسول کے لبوں پر تبسم آیا اور اب اس صحابی کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ بھئی انھوں نے ذرا سا ایک عمل کر دیا تھا تو وہ شرمندہ ہیں اس پر گویا رسول ان کی طرف سے معذرت کر رہے ہیں، یہ اس پر شرمندہ ہیں اور اس کے کفارے میں یہ اپنی آدھی دولت تمہیں دے رہے ہیں اس نے کہا حضور شکریے کے ساتھ واپس۔ پھر حضرت مسکرائے اور ارشاد فرمایا کیوں میں نے جبر تھوڑی کیا ہے میں نے تو تحریک بھی زبانی نہیں کی ہے وہ خود سے دے رہے ہیں تو انکار کیوں کر

رہے ہو۔ کہا حضور اندیشہ ہے کہ یہی ذہنیت پیدا نہ ہو جائے۔

اس کے بعد ذات کے سوال۔ وہ بھی میں نے کہا کہ عقلی طور پر ذات میں پیدا ہونا کوئی اختیاری چیز نہیں ہے لہٰذا وہ بلندی و پستی کا پیشِ خدا معیار نہیں ہو سکتا۔ اُونچی ذات والے کی ذمّہ داری بڑھ جاتی ہے کہ وہ اپنے کو کردار کے لحاظ سے بھی اُونچا کرے اور اگر ایسا نہ ہو تو اس کا خاندانی فخر جو ہے وہ پستی سے بدل جائے گا اور رنگت وہ بھی غیر اختیاری چیز ہے وہ اللہ نے جو رنگ عطا کر دیا۔ پیغمبرِ اسلامؐ نے دونوں کو سمو کر ملک اور قوم نسل کو سمو کر اعلان فرمایا اور اب اس کی تمہید میں ایک تھوڑا سا عرض کرنا ہے کہ آجکل تو سربراہانِ مملکت خیر سگال کے دورے بہت کرتے رہتے ہیں۔ ایک زمانے میں جو صاحبِ اقتدار ہوتا تھا وہ قطب کی طرح ایک جگہ بیٹھتا تھا اور اب نہیں۔ وضع یہی ہے بلندی یہی ہے ادھر گئے وہ ادھر آئے وہ یہ سب ہوتا رہتا ہے داخل خارج۔ تو جو بھی سربراہِ مملکت جہاں جائے گا وہ وہاں یہ کہے گا کہ ہمارے اس ملک سے اتنے قدیم تعلقات ہیں۔ اتنے روابط ہیں۔ اب اس ملک میں کیا ضرورت ہے کہ دُوسرے ملک کا بھی ذکر کیا جائے جب اُس ملک میں جائیں گے تو وہاں بھی یہی کہیں گے اُس دن اِس ملک کا خیال نہیں آئے گا۔ عام طور سے تقاضائے بلاغت کہہ سکتے ہیں کہ یہی ہے کہ محل کے اعتبار سے آدمی بات کرے جہاں گئے ویسی بات کرے۔ اب میں آپ کو سیرتِ حضرت محمد مصطفےٰؐ کی رفعت اور بلندی دکھاؤں کہ اگر حضرت ملک ایران کا کوئی دورہ فرماتے وہی جیسے بڑے آدمی دورہ کیا کرتے تھے کوئی حضرت تشریف لے گئے ہوتے کسی دفعہ ایران میں۔ اور ایران کی سرزمین پر پہنچ کر یہ اعلان فرماتے تو جو معنوی بلندی اُس کی ہے جو عقلی بلندی ہے وہ اپنی جگہ پر رہتی

مگر محل کے اعتبار سے اس میں یہ بلندی پیدا نہ ہوتی کہ ملک عرب میں بیٹھ کر مسجدِ نبوی میں تشریف فرما ہو کر خاندانی عربوں کے احاطے میں رہ کر اور بنی ہاشم اور قریش وہ بھی گرد و پیش میں موجود اس مجمع میں اور پھر ایک جزو تمہیدی طور پر عرض کرتا ہوں کہ اقلیت کا کوئی تصور ہوتا ہے ارے جناب ہمارے ہاں ایک وقت میں مسلمانوں کا تناسب کہا جاتا تھا فیصدی ۱۴ - یو۔ پی میں خصوصیت سے فیصدی ۱۴ - ارے فیصدی ۱۴ ہے تو کچھ تو ہے لیکن اب میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ تمام ملک عرب میں ایران کا ایک عدد مسلمان فارسی، تمام صحابہ کرام میں روم کا نمائندہ ایک عدد سہیل رومی حبش کا نمائندہ مثلاً ایک بلال حبشی۔ یہ کوئی اقلیت ہوتی ہے پورے ملک میں ایک آدمی کو کہیں اقلیت کہتے ہیں وہ شمار ہی میں نہیں آتا۔ اب اتنی بڑی اکثریت یعنی کل جمہور عرب اور قریش اور ان میں بھی بنی ہاشم ان سب کے مجمعے میں بیٹھ کر اور منبر سے اعلان ہو رہا ہے کہ لا فخر للعربی علیٰ غیر العربی ولا للقرشی علیٰ غیر القرشی کُلّکُم اولادِ آدم۔ کوئی فخر نہیں ہے عرب کو غیر عرب پر۔ ارے دنیا بھول جاتی عرب تو یاد رکھتے اسے۔ کہا جا رہا ہے کوئی فخر نہیں ہے عرب کو غیر عرب پر اور نہ قریشی کو غیر قریشی پر۔ تم سب آدم کی اولاد ہو اور دوسری جگہ کہا اب رنگت کے لئے۔ بُعثت الی الاحمر والاسود۔ میرے ہاں یہ تفریق نہیں ہے گورے کو لال کہتے تھے اُس سفیدی میں سُرخی ہوتی ہے غالب۔ میں لال اور کالے سب کی طرف مبعوث ہوا ہوں یعنی یہ رنگت میرے لئے کوئی چیز نہیں تو اب آپ نے دیکھا کہ جو غلط اقدار مساوات تھے اُنکو مٹا کر مساوات قائم کی۔ اب ان سب کی دوڑ ہے ایمان اور عمل صالح میں۔ اگر کالا بڑھ جائے تو وہ افضل ہو جائے گا۔ اگر

گورا بڑھ جائے تو وہ افضل ہو جائے گا۔ اگر غیر قریشی بڑھ جائے تو وہ افضل ہو جائے گا۔ ان سب کو دعوت دی گئی ہے مساوات یہ ہے کہ امتحانِ داخلہ میں کوئی رنگ وغیرہ کی قید نہیں ہے۔ اب بلندی ہو گی تو امتحان کے بعد ہو گی صلوٰۃ۔ اور اس کو اپنے عمل سے نبھایا اور دوسروں کے اوپر یہ چیز کیا ایسا ہے کہ بار نہیں تھی بار تو تھی کیا کریں اب اشھد ان محمدً رسول اللہ پڑھ دیا ہے اس وقت کیا معلوم تھا کہ یہ سب سہنا پڑے گا بار ہو رہا ہے قدم قدم پر۔ بلال حبشی کو مؤذن بنا دیتے ہیں۔ خاندانی عربوں پر بہت گراں ہے اب چونکہ بہت دفعہ سُن چکے ہیں اس زبان سے کہ گورا کالا کچھ نہیں ہے۔ تو یہ کہہ تو سکتے نہیں کہ یہ حبشی ہے یہ کالا ہے سوچ کر گویا رسول کے معیارِ ذہن کے مطابق (سیاست دانی اسی کا نام ہے) ایک وجہ تراشتے ہیں گویا صریحی پہلو رسول کو بتاتے ہیں (اسی سے معرفتِ رسول ظاہر ہے) کہتے ہیں یا رسول اللہ آپ نے بلال کو مؤذن بنا دیا ہاں پھر کیا ہوا کیا بُرا ہوا۔ اُن سے کہا حضور وہ تو شین صاف نہیں کہتے اشھد ان محمدً رسول اللہ کو اسھد ان محمدً رسول اللہ کہتے ہیں۔ اور میں کہتا ہوں ٹھیک ہی کہتے ہونگے کیونکہ ہمارے ہاں لکھنؤ میں کم سے کم یہ محاورہ ہے کہ فلاں شخص کا شین اور ق صحیح ہے لینی یہ گویا تمدن اور تہذیب کی بڑی نشانی ہے شہریت کی۔ دیہاتوں میں مومنین ہیں سادات ہیں مگر وہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ شاہد علی کو ساہد علی کہیں گے اور ایسے ہی قاسم کو کاسم کہیں گے تو بڑی مشکل سے شین اور قاف صحیح ہوتا ہے تو جو ڈھونڈ کے نکالا تھا کوئی غلط بات نہیں تھی اور پیغمبر نے بھی جھٹلایا نہیں۔ یہ نہیں کہا کہ نہیں تم غلط کہتے ہو۔ یہ نہیں فرمایا مگر اب کیا کیا جائے کہ یہ فرما دیا سینُ بلالٍ شینٌ عند اللہ۔ کہ بلال کا سین اللہ کے ہاں شین ہے۔ بات

یہ ہے کہ ہم ان کانوں سے سُنتے ہیں تو جو اس زبان سے لفظ نکلتی ہے وہ سمجھتے ہیں اور جس کو سُننے کے لئے کانوں کی ضرورت نہیں وہ دل کی صدا سے سُنتا ہے اب فلسفۂ مُؤذن بنانے کا بھی عرض کر دوں بیچ میں ایک پہلو کی طرف مجمع کی توجہ دلاؤں میں کہتا ہوں ذرا دیکھئے ایک مؤذن کے انتخاب میں رائے عامہ پر بھروسہ نہیں ہوتا۔ اب اصل موضوع کے لحاظ سے پیغمبر کے عمل کا فلسفہ عرض کروں جتنا میں سمجھا ہوں۔ یاد رکھئے کہ امام مسجد کو وہی دیکھے گا جو مسجد کے اندر آئے گا اور مؤذن کی صدا وہ بھی سُنے گا جو رہ گزر سے جائے گا۔ تو یہ بلال کو مؤذن قرار دینا نہیں ہے یہ مساوات اسلامی کا ایک علم ہے جو نصب کیا جا رہا ہے۔

اور اس کے بعد سب سے زیادہ پست جماعت اس وقت سمجھی جاتی تھی غلام اور کنیزوں کی اُنکو تو اثاث البیت میں داخل سمجھا جاتا تھا حقوق انسانیت اُن کے لئے کچھ تھے ہی نہیں تو جیسے وہاں دولت کو چھینا نہیں مگر دولت کی قدر گھٹا کر ذہنیت بدلی۔ اسی طرح سے اس وقت کے حالات ایسے نہیں تھے غلامی اور کنیزی کو ختم نہیں کیا۔ اسباب فراہم کئے کہ زیادہ سے زیادہ آزادی حاصل ہوتی جائے اور اس کے ساتھ ذہنیت کی تعمیر کی وہ بیٹی جس کی تعظیم کو کھڑے ہوتے ہیں پہلے جو اسکو شوہر کے گھر بھیجا تو کوئی خادمہ بھی ساتھ نہیں تھی لہذا وہ خاتونِ جنت وہ ملکۂ دین و دنیا وہ اپنے گھر میں خود جھاڑو دیتیں خود کھانا پکاتیں خود چکی پیستیں سب کام اپنے ہاتھوں سے انجام دیتیں۔ کیا رسول کے پہلو میں وہ دل نہ تھا جو ہر باپ کے دل میں ہوتا ہے ارے اصحاب کبھی ضرورتاً گھر کے اندر آئے ہیں اور سیدہ بضرورت وہ چکی کو چھوڑ کر ہٹ گئی ہیں تو انہوں نے اس لکڑی کو چکی کی۔ جسکو پکڑ کر گردش دیجاتی

ہے اس کا نام مجھے معلوم نہیں ہے اس لکڑی میں خون کے قطرے دیکھے ہیں جابر ابن عبداللہ انصاری جو روتے ہوئے رسول کے پاس گئے کہا کیوں رو رہے ہو کہا کہ میں نے لکڑی میں لہو دیکھا ہے تو وہ ایک دفعہ آئے تو لکڑی میں اُنہوں نے دیکھ لیا اور پیغمبر جو آتے تھے تو کبھی وہ ہاتھ انہوں نے نہیں دیکھے اور اگر جابر کی آنکھوں سے آنسو بہے اس خون کو دیکھ کر تو رسول جو روز اس خون کو ہاتھوں پر دیکھتے تھے تو کیا ان کے دل سے اتنے ہی قطرے لہو کے نہیں ٹپکتے تھے مگر نہیں جذبات کے تقاضے اور ہیں فرائض کے تقاضے اور ہیں جانتے ہیں میری بیٹی میں اسکو من جانب اللہ سند دوں گا "خاتونِ جنت" تو قیامت تک تو میری ماننے والی ہر خاتون تو ایسی نہیں ہے کہ اُسے خادمہ مل سکے لہٰذا اگر کوئی فاطمہ کو اپنی بی بی سمجھنے والی فاطمہ کو اپنی شہزادی ماننے والی وہ اپنے گھر میں جھاڑو دے تو ذلت محسوس نہ کرے فخر محسوس کرے کہ ہم وہ خدمت انجام دے رہے ہیں جو ہماری بی بی پاک انجام دیتی تھیں۔ اگر چکی بھی پیسے تو اس سے احساس حقارت کا نہ کرے سمجھے کہ یہ تو نمونہ ہے ہماری بی بی نے چھوڑا ہے بہت عرصے تک یہی کیفیت رہی۔ مقصد حاصل ہو گیا کہ گھر کا کام ان کی شان کے خلاف نہیں ہے لیکن اب کہیں سے مالِ غنیمت میں کچھ کنیزیں بھی آئیں اور وہ اصحاب کو تقسیم کی جا رہی تھیں یہاں کنیزوں کی تقسیم کے معنی ہوتے تھے ذمہ دار پرورش قرار دینا تو روایت بتاتی ہے کہ حضرت امیر نے گھر میں آکر فرمایا حضرت فاطمہ زہراؑ سے کہ تمہارے والد بزرگوار کے پاس کنیزیں آئی ہیں اور مختلف صحابہ کو دے رہے ہیں تو جتنا سب کو حق ہے اتنا تو تمہیں بھی ہے لہٰذا اپنے والد بزرگوار کے پاس جا کر خواہش کرو کہ ایک کنیز تمہارے سپرد کر دیں شوہر کے کہنے سے گئیں اور اب جن لفظوں میں کہا ہو وہ

روایت نے نہیں بتایا میں تو سمجھتا ہوں کہ ہاتھ اپنے دکھا دیئے ہونگے یہی کافی ہے بہر حال خواہش پیش کی۔ خواہش ناروا نہیں تھی مگر پیغمبر کو پھر اپنی بیٹی کے ذہن کو بلند سے بلند معیار پر لے جانا تھا تو جب بیٹی نے خواہش کی تو تب فرمایا بیٹی ہاں ٹھیک ہے مطالبہ تمہارا صحیح ہے مگر تم خود بتاؤ کہ کنیز لوگی یا ایک تسبیح ایسی سکھا دوں جو ملائکہ آسمان کو بہت پسند ہے لیجئے فاطمہ سمجھیں کہ میں معرض امتحان میں آگئی کہنے لگیں کہ بابالبس تسبیح سکھا دیجئے۔ اب وہ تسبیح وہ تمہید کے بعد بتائی ہوگی بہت طولانی دعا ہوگی وہ دُعا اب بحمداللہ اکثر افراد ہر نماز کے تعقیبات میں پڑھتے ہیں۔ چونتیس[۳۴] مرتبہ اللہ اکبر تینتیس[۳۳] مرتبہ الحمداللہ تینتیس[۳۳] مرتبہ سبحان اللہ۔ اس لئے اس کا نام شیعہ سُنّی سب کے ہاں تسبیح فاطمہ زہرا ہے تو یہ تسبیح۔ اب آئیں گھر پر خوش خوش۔ شوہر نے پوچھا کیوں کنیز لے آئیں۔ ارے کہا کنیز تو نہیں اس سے بہتر ایک چیز لے آئی کہا یہ مجھے تعلیم کیا ہے رسول نے۔ حضرت علی بھی جیسے خوش ہو گئے۔ مگر پھر کچھ دن کے بعد اب بلا طلب فاطمہ کو ایک کنیز عطا فرمائی اور وہ کنیز وہ ہے کہ دُنیا کی صاحب اقتدار خواتین کا نام ہمیں یاد نہیں مگر اس کنیز کا نام ہمارے لوح دل پر نقش ہے۔ وہ کون جناب فضّہ اور اپنی لفظوں میں یہ کہتا ہوں کہ جب فضّہ کا ہاتھ دیا سیدۂ عالم کے ہاتھ میں تو اس کے ساتھ ہدایت فرمائی دیکھو یہ کنیز تو میں تمہارے سپرد کر رہا ہوں مگر گھر کا پورا کام فضّہ پر نہ ڈال دینا۔ اب بھی جب کنیز مل گئی ہے تو گھر کے کام سے تم بے تعلق نہ ہونا گھر کا پورا کام فضّہ پر نہ ڈال دینا۔ اب جو اصل واقعہ ہے وہ بفیض مجالس آپ کو معلوم ہی ہے ذہن میں آگیا ہوگا لیکن فرض کیجئے معلوم نہ ہوتا۔ اب یہ ہمارے سامنے چند برس ادھر کی بات ہے جو یہ قانون ہوا کہ

ہفتے میں ایک دن دوکانیں بند ہوں ہفتے میں ایک دن کارخانے بند ہوں۔ جب پوچھا کہ کیوں ہے کوئی گہرا فلسفہ کسی نے نہیں بیان کیا یہ کہ نوکروں کو ایک دن آرام کا وقت ملے اب بالکل کوئی غیر ہو اگر وہ جو واقعہ سے ناواقف ہو وہ فیصلہ کرسکتا ہے کہ اگر میں اس انقلاب کے اس اصلاح کے ہونے کے بعد، کسی سٹیج سے یہ کہتا کہ دُنیا کو ۱۴سو برس کے بعد آج یہ احساس ہوا اور ہمارے رسول نے جب کنیز دی ہے فاطمہ کے سپرد کی ہے تو اسی وقت کہہ دیا تھا کہ دیکھو ہفتے میں کم از کم ایک دن ضرور فضہؑ کو آرام دینا اگر ہفتے کے ایک دن کی بات ہوتی تو میں فخریہ پیش کرسکتا تھا چہ جائیکہ ہفتے میں ایک دن کیسا برابر کی تقسیم۔ فرماتے ہیں دیکھو ایک دن گھر کا کام تم کرنا ایک دن فضہ سے لینا۔ اس کے معنی ہیں کہ ۱۴سو برس کی ترقی کے بعد بھی دُنیائے تہذیب ابھی پیغمبر کی تعلیم سے بہت درجے پیچھے ہے اور اب سیدہ عالم فضہ کو لئے ہوئے گھر پر آئیں اور جو رسُول نے بتایا اُسکے مطابق عمل۔ اب خانۂ عرب میں پلنگ نہیں ہوتے تھے مگر محاورے کے طور پر کہتا ہوں کہ ایک دن فضہ اطمینان سے پلنگ پر بیٹھتیں اور مخدومۂ عالم کھانا تیار کرکے لگا کے کنیز کے آگے پیش کرتیں۔ ایک دن فاطمہ زہرا مصروفِ عبادت رہتیں اور اس دن فضہ کھانا پکا کے رکھتیں۔ اب ایک جانے پہچانے واقعے کی طرف آپ کا ذہن منتقل کردوں۔ میں کہتا ہوں کہ اُدھر سے اس اُصول کے ٹوٹنے کا مجھے علم نہیں۔ یعنی کئی دن مسلسل فضہ نے کھانا پکایا ہو۔ اس کا ضعیف سے ضعیف روایت میں کوئی ثبوت نہیں لیکن اُس طرف سے اس اصول کے ٹوٹنے کا مجھے علم ہے وہ ھل اتیٰ والے تینوں دن فضہ گھر میں موجود ہیں یہ جزو روایت ہے جن لوگوں نے روٹیاں دی تھیں ان میں فضہ بھی ہیں

جن کی شان میں سورۂ ھل اتیٰ اُترا ہے ان میں فضہؓ بھی ہیں تو فضہ گھر میں موجود ہیں لیکن روٹیاں تینوں دن حضرت فاطمہ کے ہاتھ کی ہیں میں سمجھتا ہوں کہ چونکہ وہ بھی روزوں میں شریک ہوئی تھیں تو سیدۂ عالم نے کہہ دیا کہ فضہ تم روزے سے ہو لہٰذا تمہارے حصّے کے دن میں بھی ہم ہی پکا دیں گے۔ میں نے کہا ادھر سے کہیں نہیں غلط روایت بھی نہیں اور ادھر سے ہمارے سامنے روایت موجود ثبوت موجود۔ بس اب اصُول عرض کر دوں عقلی طور پر کہ جب یہ برابر کی تقسیم ہے تو جس دن کام اُنکے ذمّے ہے اُس دن کام اِن کا حق ہے جس دن کام ان کے ذمّے ہے اُس دن آرام اُن کا حق ہے یاد رکھئے کہ اگر فضہ سے کئی دن لے لئے جائیں تو یہ دوسرے کے حق پر قبضہ ہے وہ ظلم ہوتا ہے اور خود کئی دن کام کر دیا یہ اپنے حق کا دیدینا ہے وہ عین ایثار ہے اور یہ حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ اپنے غلام قنبر کے ساتھ۔ قنبر کو لئے ہُوئے بازار میں جاتے ہیں دو پیراہن خریدتے ہیں۔ ایک ۷ درہم کا ایک ۵ درہم کا۔ فرق ہی کیا تھا دو درہم میں پھر بھی کچھ فرق تو ہے جو ۷ درہم کا پیراہن ہے وہ قنبر کو دیتے ہیں جو ۵ درہم کا ہے وہ خود زیب جسم فرماتے ہیں۔ قنبر عرض کرتے ہیں کہ مولا وہ ذرا بہتر ہے وہ آپ اپنے لئے رکھئے تو میں مشترک جلسوں میں کہا کرتا ہوں جس میں غیر مسلم بھی ہوں کہ ہم میں سے کوئی آدمی ایک تو ایسا کرتا ہی کیوں اور اگر کوئی لیڈر قسم کا آدمی ایسا کرتا بھی تو جونہی قنبر نے سوال کیا تھا وہ اپنی مصلحانہ حیثیت پر لیکچر دے دیتا وہ کہتا اے قنبر میں چاہتا ہوں کہ غلامی کے معیار کو اُونچا کروں میں چاہتا ہوں تفریق کو ختم کروں حالانکہ مقصود امیر المومنین کا یہی تھا لیکن قنبر کے جواب میں یہ تقریر کر دی جاتی تو

اس جواب میں خود عدم مساوات مضمر تھی قنبر کو احساس غلامی ہو جاتا اس لئے قنبر کے جواب میں یہ نہیں کہا ویسا کہا جو اپنے بچّوں سے کہا جاتا ہے ارے تم نو عمر ہو تمہیں وہ اچھّا معلوم ہوگا میرا کیا ہے میں یہ پہن لوں گا۔ صلوٰۃ۔

اور انہی رسول کے نائب اور انہی علی کے وارث حضرت امام حسینؑ وہ اسی ماں کے جگر گوشہ تھے اُنھوں نے جو غلاموں کے ساتھ باپ کا عمل تھا اُس کی بھی مثال قائم کی اور جو کنیز کے ساتھ ہدایت رسول کے ماتحت ماں کا کردار تھا اُسے بھی پیشِ نظر رکھا حالانکہ پریشانی کے وقت آدمی کو روزمرّہ کے فرائض کا لحاظ نہیں رہتا، مگر یہ کربلا کی خصوصیت ہے کربلا فقط مرقع مصیبت نہیں ہے جو ہمیں اشک افشانی کی دعوت دیتا ہو یہ کربلا ایک مدرسۂ تعلیماتِ اسلامی بھی ہے اسلام کے اُصول حسینؑ نے اپنے عمل سے دُنیا کے سامنے پیش کئے ہیں تو اب کربلا کا ایسا ہنگام تین دن سے پانی بند اور جو لوگ بحمداللہ زیارات سے مشرّف ہوئے ہیں ان کو معلوم ہوگا کہ خیمہ گاہ سے مقتل کتنی دُور ہے تو مجاہد ہوتا تھا وہاں جہاں ضریح ہے مقتل گاہ ہے اور امام ہوتے تھے خیمہ گاہ کے دروازے پر کتنا فاصلہ ہے جو گرتا تھا پکارتا تھا کوئی ہے ایسا جس نے پکارا ہو اور حسین اُسکے سرہانے نہ گئے ہوں حالانکہ اگر کسی کے لئے عباس کو بھیج دیتے کسی کے لئے علی اکبر کو بھیج دیتے تو اس کے فخر کے لئے وہ بھی کافی ہوتا مگر مولا کے لئے کیونکر ممکن ہے کہ حبیب کے سرہانے خود جائیں اور جون غلام ابوذر کے لئے کسی اور کو بھیج دیں اور غلام ترکی کے لئے کسی اور کو بھیج دیں نہیں جو حبیب کے سرہانے گیا جو مسلم بن عوسجہ کے سرہانے گیا وہی جون کے سرہانے بھی جائے گا اب تین دن کی بھوک پیاس میں اتنی دفعہ جانا اور اتنی دفعہ آنا

اس میں عطش کس سیلابی رفتار سے بڑھ رہی ہے مگر مولا کو تو حقوق انسانی یاد دلانے ہیں مولا کو تو مساوات اسلامی کو برقرار رکھنا ہے اور بس ارباب عزا میں بھولا نہیں ہوں آپ کے ہاں آج شبیہہ برآمد ہوتی ہے اب میں قریب آرہا ہوں کہ دیکھئے وہ ماں کا جو کردار تھا اُسے کیسے سخت وقت میں مولا نے نبھایا ہے۔ جس وقت بہتر۷۲ داغ اُٹھا چکے اور زیادہ پھیلا کے عرض نہیں کرنا ہے سب سے سخت بات کہہ دوں کہ جب ابھی ابھی ایک ننھّی سی قبر بنا کے آئے ہیں اور اب رخصت آخر کے لئے در خیمہ پر آئے ہیں اس وقت کی واردات قلبی دیکھئے سب کو بے آس، بے وارث، جس کے سامنے عصر کے بعد کا منظر ہے اور وہ اکیلا چھوڑ کر اب رخصت ہو کر جا رہا ہے مگر اس قیامت خیز وقت میں حقوق انسانی کا لحاظ مساوات اسلامی کا تحفّظ۔ خیمے کے اندر کون ہے جو حسین سے عمر میں چھوٹا نہ ہو اور ہر حیثیت سے چھوٹا نہ ہو مگر نہیں اسلام میں حقوق کی تقسیم میں چھوٹے بڑے کا سوال نہیں حسین دروازے پر کھڑے ہوتے ہیں کہتے ہیں اَلسَّلَامُ عَلَیْکِ یَا زَیْنَبُ۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْکِ یَا اُمِّ کلثوم ارے زینب تمہیں سلام ہو۔ اے اُمّ کلثوم تمہیں سلام ہو یہ بہنوں کو سلام ہو گیا۔ اس کے بعد فرماتے ہیں۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْکِ یَا لیلیٰ یا رباب۔ اے لیلیٰ و رباب تمہیں بھی سلام ہو یہ بیویوں کو سلام ہو گیا۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْکِ یَا سکینہ۔ اَلسَّلَامُ علیکِ یَا فاطمہ۔ یہ بیٹیوں کو سلام ہو گیا اور اس کے بعد السلام علی اللّتی قتل اولادھن وازواجہن فی نصرتی۔ سلام ہو ان خواتین پر جن کے شوہر جن کی اولاد میری نصرت میں شہید ہوئے۔ لیجئے مادر عمرو ابن جنادہ کو سلام ہو گیا ام وہب کو سلام ہو گیا اور اب اُس کے بعد ارباب عزا مولا کیا کہتے ہیں السلام علیکِ یا فضّہ۔ اے فضّہ میری ماں

فاطمہ زہرا کی مددگار زندگی تمہیں بھی میرا سلام ہو بس اہل عزا مصائب تو وہی عرض کرونگا جو آج کی شبیہہ سے تعلق رکھتے ہیں مگر میں کہتا ہوں کہ یہ سب سُن لیتے ہم تو ہمارے دل پر داغ رہ جاتا کہ ہم نہیں تھے اس سعادت سے محروم رہے مگر روایت بتاتی ہے کہ جب اندر گئے اور رخصت آخر کے لئے سید سجاد سے گفتگو کی تو فرمایا جب قید شام سے چھوٹ کر مدینے جانا تو ہمارے شیعوں کو ہمارا سلام کہہ دینا۔ ماشاء اللہ اجرکم علی اللہ۔ بس رخصت ہو کر مولا میدان میں گئے میں قیامت خیز شہادت نہیں پڑھ سکتا۔ سخت مصائب میں نہیں پڑھتا۔ اب مجھے جو عرض کرنا ہے وہ بس یہ ہے جو شبیہہ کے سلسلے میں ہے جو آنے والی ہے یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ ہمارا ادائے حق ہے کہ ہم نے کربلا کے انسانوں ہی کی یادگار نہیں قائم رکھی۔ جانور بھی اگر ہمارے امام کے کام آیا تو اسکی یادگار ہم نے قائم رکھی ہے یہ امام کا اسپِ باوفا جس کی شبیہہ کو اب ہم ذوالجناح کہتے ہیں۔ اس اسپِ باوفا نے کیا مولا کے ساتھ رفاقت کی ہے دن بھر میں جتنے پھیرے کئے ہیں سب اس کی پشت پر کئے ہیں تو اب اسکی بھی عطش کی انتہا۔ اب اربابِ عزا دُہ وقت آیا جب پُشت راکب دوشِ رسول سے خالی ہو گئی تو عرب میں فرس کی فراست مشہور ہے نام اس کا فرس ذہانت ہی کی وجہ سے ہوا ہے چہ جائیکہ وہ فرس جو جہادِ کربلا کے لئے منتخب ہوا اب جب اُس نے دیکھا کہ اب سوار کی اپنے کوئی خدمت نہیں کر سکتا تو اس نے اِدھر دیکھا اُدھر دیکھا۔ اگر کہیں عباس ہوتے تو جا کر اُن سے اشارہ کرتا۔ اگر علی اکبر ہوتے تو ان سے اشارہ کرتا مگر وہ تو زمینِ گرم پر پڑے ہوئے ہیں ایک روایت آپ سُنتے رہتے ہونگے لیکن میرے ضمیر نے اُسے قبول کبھی نہیں کیا ہے بی بی کوئی میدان میں نہیں تھی بیبیوں کو

جہاں حسین بٹھا گئے تھے وہاں سب بیٹھی تھیں اور اگر کوئی بی بی میدان میں ہوتی تو ذوالجناح
کو درِ خیمہ پر جانے کی ضرورت نہ ہوتی۔ اور جب کچھ نظر نہ آیا گیا کرے تو پیشانی اپنی
خونِ حسین سے رنگین کی اور سیدھا دروازے پر خیمے کے گیا اور ایک صدا اپنے انداز میں
بلند کی اب یہ روایت بھی آپ سنتے رہتے ہیں آگئے، لیکن پھر بھی دروازے پر کوئی
معظمہ نہیں آئی سکینہ درِ خیمہ پر آئیں دیکھا کہ باگیں کٹی ہوئی زین ڈھلا ہوا جا بجا تیر
پیوست۔ اب خیمے کے اندر گیئں کہنے لگیں اے بیبیوں میرے باپ شہید ہو گئے
ذوالجناح اکیلا آیا ہے میرے باپ نہیں ہیں۔ بس اہلِ عزا یہ قیامت خیز خبر آگئی۔
پھر بھی گھبرا کر بیبیاں نہیں نکلیں یہاں تک کہ خیموں میں آگ لگی۔

مجلس نہم

دینِ اسلام

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؕ

اِنَّ الدِّیۡنَ عِنۡدَ اللّٰہِ الۡاِسۡلَامُ۔

دینِ حقیقی اللہ کے نزدیک صرف اسلام ہے میں نے کہا اسلام کا مطلب ہے اللہ کی مرکزیت اور اسی مرکزیت کے ماتحت توحید ہے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کی آواز اس توحید کی مظہر ہے صحیح طور سے ایک مسلمان کا نظام تمدّن بھی اسی لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کے تحت میں ہے اور نظام سیاست بھی۔ جو صحیح نظام سیاست ہے وہ اسی لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کے ماتحت ہے اب ظاہر ہے کہ صرف آج کی ایک مجلس باقی ہے اس سلسلۂ بیان کی اور یہ باتیں میں نے جو پیش کیں اُن کے لئے ہر ایک کے واسطے ایک مجلس درکار تھی مگر اس کی تو گنجائش نہیں ہے لہٰذا مختصر طور سے نظام تمدّن۔ تمدّن کے معنی ہیں آپس میں مِل جل کر رہنا اور تعلّقات انسانی کو نبھانا عقلی طور پر انسان سے سب سے زیادہ نزدیک اس کی ذات ہے لہٰذا اصل مرکزِ محبّت تو خود اپنی ہی ذات ہوگی پھر اپنی ذات سے رشتے چلیں گے تو قریب کے جو رشتے قائم ہوئے وہ یہ کہ یہ ہماری ماں یہ ہمارا باپ۔ اس میں بیچ میں کوئی فاصلہ نہیں آیا۔ بس اپنی ذات سے جو

خط کھچا تو دُوسری ذات تک جو پہنچا وہ باپ ہے اور ماں ہے اس لئے سب سے زیادہ مرکز الفت وہ دونوں ہستیاں ہوئیں۔ ابتدائے عمر سے ۔ اب اس کے بعد مثلاً چچا، پھوپھی، ماموں خالہ یہاں دو واسطے بیچ میں ہو گئے یعنی میرا باپ میری ماں اور پھر میرے باپ کا بھائی تو وہ چچا ہوا۔ میری ماں کا بھائی وہ ماموں ہوا۔ میرے باپ کی بہن وہ پھوپھی ہوئی۔ میری ماں کی بہن وہ خالہ ہوئی تو اس کا قرابت میں رشتہ ذرا سا دُور ہوا۔ تو اتنے ہی فرق محبت والفت میں پیدا ہو گیا۔ جتنا انسان ماں باپ سے محبت کرے گا اتنا تو چچا اور پھوپھی اور ماموں اور خالہ سے محبت نہیں کرے گا اپنی ماں باپ سے یہ خط جو پہلو میں کھچا تھا۔ اس سے چچا اور پھوپھی وغیرہ ہوئے اور اسی سے جو خط اُوپر گیا اس سے دادا ہوا، باپ کا باپ تو وہ ادھر جو کھچا تو چچا ہوا ادھر جو کھچا تو دادا ہوا اب اسکے بعد وہ دادا کا باپ وہ پردادا ہو گیا اب واسطے بڑھتے جا رہے ہیں اب سکڑ دادا تک تو کوئی عام نظام جو ہے یعنی عمر کا معیار اس کے لحاظ سے وہ جزو تاریخ بن جاتا ہے سابقہ نہیں پڑتا سکڑ دادا سے۔ پردادا تک تو سابقہ پڑ جاتا ہے، لیکن سکڑ دادا سے رشتہ نہیں کوئی ہوتا اور اب جتنا جتنا خط بڑھ رہا ہے اتنا محبت کی لہریں کمزور پڑ رہی ہیں۔ باپ کا ذکر آئے گا تو بہت سے سعادت مند بیٹوں کی آنکھوں میں آنسو آ جائیں گے۔ مگر دادا کا ذکر ہو گا تو اتنی بات نہیں پیدا ہو گی پھر پردادا کا ذکر ہو گا تو جیسے پہلے ہنس رہے تھے ویسے ہی اسکے بعد بھی ہنستے رہیں گے کوئی فرق ہی نہیں پیدا ہو گا جتنا دور ہو رہے ہیں محبت کی لہریں گھٹ رہی ہیں اب اس کے بعد جناب ۸ پشتوں پر جا کر کوئی ہیں سلسلہ اجداد میں وہ بھی۔ لیکن پوچھا آپ کے دادا کہ جی نہیں وہ دادا نہیں

تھے وہ ہاں ہم سب کے مورث اعلیٰ تھے لیجئے اب وہ دادا ہونے کا بھی انکار ہو گیا۔ اب وہ مورث اعلیٰ باپ کے باپ کے باپ کے جتنے واسطے درمیان میں آئے لہریں ایسی کمزور ہوئیں کہ احساسِ قرابت ہی نہ رہا تو معلوم ہوا کہ اپنے سے خط کھنچا تو جتنا قریب تھا اتنا طاقتور ہوا جتنا دُور ہوا اتنا کمزور ہوا اسی طرح سے جب ادھر ادھر خط کھنچے تو یہ تو احساس ہوا یہ ہمارے چچا ہیں یہ ہمارے باپ سے جب ادھر خط آیا تو ہوا کہ بھائی ہیں یعنی باپ کا بیٹا وہ بھی ایک واسطے سے ہے قرابت بھائی سے کہ باپ کا بیٹا یا ماں کا بیٹا تو وہ ہو گیا بھائی اب اسکے بعد وہ کہے گا بھائی کا بھتیجا اور پھر دور ہوتا چلا گیا تو اب کچھ نہیں چچا کا بھائی۔ دادا کا بھائی سکڑ دادا کا بھائی اب وہاں پُوچھا ان سے آپ کے ساتھ کیا قرابت تھی کہا کچھ نہیں میرے سکڑ دادا کے بھائی ہوتے تھے انکار قرابت ہو گیا یہ ہوا اپنی ذات کو بیچ میں رکھ کر جو خطوط کھینچے اب اسی کی بنا پر تقسیم حقوق ہونے لگی۔ جب خود کسی فوائد کا مرکز بن گئے تو باپ کو زیادہ فوائد پہنچے۔ بیٹے کو فائدہ زیادہ پہنچے۔ بھائی کو فائدہ زیادہ پہنچے اب اور جتنی اپنے ساتھ شراکت زیادہ ہو۔ پڑوسی کو فائدہ پہنچے۔ ہم قبیلہ کو فائدہ زیادہ پہنچے نتیجہ یہ ہوا کہ ایک نظامِ تمدّن ایسا بنا جس میں کچھ کے حقوق رہ گئے کچھ کے حقوق ختم ہو گئے اسلام بھی اس فطرت کے تقاضے کو الگ نہیں کرتا۔ اپنے سے ذات کو نہیں الگ کر سکتا وہ عقلاً قریب ہے اپنے سے۔ تو خلافِ عقل کوئی عمل تھوڑی کرتا ہے اسلام۔ مگر اسلام کا مطالبہ یہ ہے کہ جب تم اپنے سے خط آگے بڑھاتے ہو تو نیچی سطح پر اِدھر اُدھر کیوں لے جاتے ہو۔ یہ خط جو تمہاری ذات سے نکلے اسکو ایک دفعہ اوپر کی طرف لے جاؤ تو اب میں ہوں اور اب تصوّر جب عالم بالا کی طرف گیا تو وہاں

تھا میرا باپ، وہاں تھا میری ماں، وہاں تھا میرا بھائی، اب یہاں ہو گیا میں اور میں سے تصوّر آگے بڑھا تو میرا خدا، میرا پیدا کرنے والا، کیونکہ باپ خود محدود شخصیت تھی اس لئے باپ کا خط گیا تو اب قرابت محدود ہوئی اور یہ نقطہ جب پہنچ گیا عالمِ بالا میں تو اب ذات بیچ میں آگئی لامحدود لہٰذا اب جو محبّت کا مرکز تقسیم کریگا اپنے حقوق کو تو اس میں نہ نسل کی تفریق ہوگی نہ رنگ کی تفریق ہوگی نہ ملک کی تفریق ہوگی تو دیکھئے نظام تمدّن میں کتنا فرق پیدا ہو گیا اب اس کی ذات کو درمیان میں لاکر رشتہ لگائے جا رہے ہیں تو اُس کے سب مخلوق ہیں اور اب جب اس کے سب مخلوق ہیں تو اس کے سائے میں جو تمدّن پرورش پائے گا اس میں پھر اپنی بیٹی اور کنیز میں فرق نہیں ہوگا صلوٰۃ۔

اور جب اپنی ذات سے خط کھینچ کر اس ذات کی طرف چلا گیا تو اب رشتے سب اُس کے لحاظ سے قائم ہو رہے ہیں تو اب اپنے دوست اور دشمن کی بھی کوئی تفریق نہ ہوگی حقوقِ انسانی میں۔ کیونکہ وہ میرا دشمن سہی مگر میرے خدا کا مخلوق ہے لہٰذا انسان حقوق عامہ میں دوست اور دشمن کی تفریق نہ کرے گا اور ابھی تو ابتدائے بیان ہے۔ مصائب نہیں پڑھنا ہیں مگر یہ کہ یاد دلادوں آپ کو کہ دشمن کے لئے سب سے بڑی لفظ ہمارے پاس قاتل کی ہے جب کسی کو بہت زیادہ دشمن کہنا ہو تو یہی کہیں گے کہ ارے وہ تو میرا قاتل ہے۔ اب جہاں یہ مجاز حقیقت بنا ہوا ہو واقعی قاتل ہے مگر اس زیرِ سایۂ توحید تمدّن کا جو علمبردار ہے وہ جب کاسۂ شیر خود نوش فرماتا ہے تو فوراً اس کا دل اپنے قاتل کی طرف متوجہ ہوتا ہے کہ جیسا دودھ میرے لئے لائے ہو ویسا ہی میرے قاتل کے لئے لاؤ۔ بس اب اسوقت اس سے زیادہ نہیں امامیہ

مشن لکھنؤ سے ایک رسالہ چھپ گیا ہے۔ اسلامی نظام تمدن تو اس میں تفصیل سے اسکو درج کیا گیا ہے اب آگے میں نے کہا کہ اسی لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰه ۔ اسی اللہ کی مرکزیت نے ۔ اور میں کہتا ہوں اسلام کے جو لفظی مفہوم ہیں اس کے تحت میں اسلامی صحیح سیاست ہے میں نے کہا تھا اسلام کے دو معنی ہیں ایک سر نہادن بطاعت ۔ اطاعت کے لئے سر جھکا دینا اور دوسرے اسی کا کامل درجہ ہے اپنے کو بالکل سپرد کر دینا ۔ اب انسان اگر واقعی مسلم ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ سر جھکائے ہوئے ہے اللہ کے سامنے اور دوسرے معنی سے اپنے کو سپرد کئے ہوئے ہے اللہ کے ۔ تو اب اللہ کے مقابلے میں نہ اسکی انفرادی رائے کچھ ہوگی نہ اجتماعی ۔ جب یہ اس بالا دست طاقت کے سامنے سر جھکائے ہوئے ہے تو اب اُس کے احکام کے مقابلے میں یہ اپنی رائے سے کام نہیں لے گا کہ میری رائے تو یہ ہے اسکے معنی ہیں کہ اس نے اپنے کو سپرد نہیں کیا ۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اس نے اپنی اطاعت کے لئے سر نہیں جھکایا ۔ اور اب اگر ایک فرد ایسا کرے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ ایک فرد حقیقت اسلام سے دور ہے اور پوری جماعت مل کے شوریٰ کرے اس کے خلاف تو اس کے معنی یہ ہیں کہ پوری جماعت اس حقیقتِ اسلام سے دور ہے یعنی لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰه کی لفظ زبان پر ہے مگر ذہن کے اندر نہیں ہے اب پیغمبرؐ خدا نے جو کہا تھا کہ لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰه کہو اس کے معنی یہ تھوڑی تھے کہ تم کسی وقت پر کھڑے ہو کر یہ نعرہ لگا لیا کرو تم کسی خاص وقت کے اُوپر ورد کر لیا کرو لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰه کا ۔ نماز کے تعقیبات تھوڑی سکھائے جا رہے تھے کہ تم ہر نماز کے بعد لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰه کا وظیفہ پڑھو نہیں یہ جو کہا جا رہا تھا کہو لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰه ۔ یہ کہو نہیں تھا ۔ یہ ویسے ہے جیسے آپ کہتے ہیں میرا

تو قول یہ ہے یعنی یہ نصب العین ہے یہ لائحہ عمل ہے۔ یہ ہدفِ نگاہ ہے کہ کوئی خدا نہیں سوائے اللہ کے۔ تو جب کوئی خدا نہیں ہے سوائے اللہ کے تو اس کے احکام کے سوا کوئی حکم نہیں اور قرآن مجید نے صاف اعلان کر دیا کہ وما کان لمومن ولا مومنہ اذا قضی اللہ و رسولہ امراً ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم کسی صاحب ایمان مرد اور کسی صاحب ایمان عورت کو یہ حق نہیں ہے۔ جب اللہ اس کا رسول کوئی فیصلہ کر دے تو خود اسکو اپنے معاملے میں کوئی اختیار رہے معاملہ اپنا ہے مگر یہ کہ اختیار انکو نہیں ہے جب اللہ و رسول کا فیصلہ ہو گیا حقیقت میں تو اللہ کا فیصلہ ہے جس کے ترجمان رسول ہیں کہ جب ادھر سے فیصلہ ہو گیا تو اب اس کے بعد انکو کوئی اختیار نہیں ہے۔ اب اکیلے اکیلے بھی اختیار نہیں مل جل کے بھی اختیار نہیں۔ اور اس کو ابتدائی حساب کے طالب علموں کی زبان میں کہہ سکتا ہوں کہ میں کہتا ہوں یہ نفی ہے اپنا اختیار کچھ نہیں۔ اختیار کچھ نہیں تو میں کہتا ہوں جتنے ہزار جمع ہو جائیں جتنے لاکھ جمع ہو جائیں صفر جتنے بھی جمع ہوں اس سے کوئی عدد نہیں بنتا تو مجمع کی کثرت دیکھنا کیا ہے یہ دیکھنا ہے کہ جو جمع ہوئے ہیں چاہے کتنے لاکھ ہوں ان میں سے ہر ایک صاحب اختیار ہے کہ نہیں۔ اگر ہر ایک غیر صاحبِ اختیار ہے تو بے اختیار آدمیوں کے جمع سے اختیار کہاں سے بنے گا اور اس کی بناء پر چونکہ

اللہ کے احکام رسول کی زبانی دُنیا تک پہنچے ہیں اس لئے قرآن مجید نے اعلان کیا النبی اولٰی بالمومنین من انفسھم۔ نبی کو مومنین پر خود اُنکے نفوس سے زیادہ اختیار حاصل ہے یہ اعلان عام کر دیا اور اسی سے رسُول نے شروع ہی سے کام لینا بھی شروع کر دیا۔ ارے ابھی تو بعثت ہوئی ہے اعلان عام ہوا ابھی نہیں ہے

حکم آیا وانذر عشیرتک الاقربین۔ اب اپنے قریبی رشتہ داروں کو پیغام حق پہنچایئے اس کے لئے وہ دعوتِ عشیرہ ہوئی، جمع کئے گئے، کہتے کہ اعلانِ رسالت کے لئے میں تمہیں بلاتا ہوں تو کون آتا۔ نہیں کھانے کے لئے بلایا۔ اب دنیا کو اختیار ہے تقیہ کہہ لے۔ کارڈ میں یہی ہے کہ مثلاً عشائیہ ہے تشریف لایئے۔ اب جتنے ہیں سب کھانے کی دعوت پر آ گئے مگر کسی دعوت میں یہ شرط تو نہیں ہوتی کہ سوا کھانے کے کوئی اور بات نہیں ہو گی۔ ارے کھانا نہ کھلاتے تو وعدہ خلافی تھی، لیکن جب کھانا کھلا دیا تو اب بلانے والا جو اُسے کہتا ہے اگر کچھ تو وہ کہتا بھی ہے گفتگو بھی کرتا ہے وہ تو انگریزی میں بھی میز پر کی گفتگو اس کا ایک نام ہے تو وہ جناب اب جب کھانا کھا چکے تو اب انکو جس مقصد کے لئے واقعی آپ نے بلایا تھا وہ پیغام پہنچایا مگر اسوقت پوری بات نہیں سُنی کھانا تو کھا ہی چکے تھے مطلب نکل گیا تھا لہٰذا بغیر پوری بات سُنے ہوئے اُٹھ گئے چلے گئے دوسرے دن پھر آپ نے دعوت کی مقصد تو آج پورا نہیں ہوا تھا مگر معلوم تھا کھانے کا ذوق ایسا تھا کہ پھر بھی آئے اور اب تو تجربہ کر کے آئے تھے لہٰذا اپنے دل کو تول کے آئے تھے کہ بھئی آج سُننا بھی ہے۔ اب تو دو دفعہ کا حقِ نمک ہے لہٰذا سُنیں گے آج کہ پوری بات کیا کہتے ہیں لہٰذا آج منتشر نہیں ہوئے بیٹھے رہے۔ اب وہی کھانا ہو چکا جب تو پھر وہی بات شروع کی گئی مجھے اللہ نے رسول بنایا ہے اور تمہاری ہدایت کے لئے بھیجا ہے میرے پیشِ نظر ایک مہم ہے۔ اُس کی طرف سے۔ اب یہاں کیونکہ یہ واقعاتِ اسلامی کا ایک جزو ہے لہٰذا جزوِ تاریخ ہے چونکہ ایک ارشادِ رسول اس کے تحت میں آیا ہے لہٰذا جزوِ حدیث ہے چونکہ ایک آیت قرآن کی تعمیل میں ہوا ہے لہٰذا جزوِ تفسیر ہے۔ مفسّر بھی لکھتے ہیں محدّث بھی

لکھتے ہیں مؤرخ بھی لکھتے ہیں اور اب جو لفظ میں کہوں گا وہ پورے مطالعے کی ذمہ داری
کے ساتھ کہتا ہوں کہ ہر جگہ وہی الفاظ ہوں گے نہ اس میں ایک لفظ کی کمی ہو گی نہ ایک
لفظ کی زیادتی ہو گی۔ وہ کیا کہ آپ نے فرمایا جب اپنے عہدے کا اعلان فرما چکے اور
جو اصل پیغام تھا وہ پہنچا چکے اور اب یہ دیکھ لیا کہ وہاں مجمع میں اتنی سہار ہو گئی کہ وہ
بہر حال اتنا اس نے صبر کیا۔ تو اب یہ سوال ہے کہ ایکم یوازرنی فی ھذا الامر۔
تم میں سے کون اس مہم میں میرا ساتھ دیتا ہے سوال اتنے پر ختم نہیں ہوا نتیجہ اس کے
ساتھ ساتھ موجود ہے تم میں سے کون اس مہم میں میرا ساتھ دیتا ہے حتیٰ یکون
وصیی و وزیری وخلیفتی۔ تاکہ میرا وصی ہو میرا وزیر ہو میرا خلیفہ ہو تابڑتوڑ
تین لفظ ہیں مسلسل اب آج کے ہر روشن خیال، ہر قانون دان، کسی بھی مکتب فکر کا
مسلمان ہو اس سے میں پوچھوں کہ جس بات کا حق جمہور کو ہو اس کے متعلق رسول کو
معاہدے کا حق کیا ہے۔ پیغمبر خداؐ اعلان فرما رہے ہیں اور مجمع میں سے ایک بھی
بیوقوف سیاستدان نہیں ہے جو یہ کہے کہ جناب والا یہ آپ کے بعد کی بات ہے اس
وقت کیوں۔ جب وہ منزل آئے گی تو پنچایت کریں گے جو پنچ تجویز کر دیں وہ ہو جائے
گا یہ آپ اسوقت یہ معاہدہ کیوں کر رہے ہیں مگر نہیں کوئی نہیں بولتا۔ اس کے معنی
ہیں کافر ہیں مگر نبوت کا نام تو سنتے رہے ہیں یہ جانتے ہیں مانتے نہ ہوں چاہے
مگر جانتے ہیں کہ نبی کا وصی بھی ہمیشہ وہی مقرر کرتا ہے جو نبی کو مقرر کرے۔ تو حضور والا
فرما رہے ہیں کہ کون میرا ساتھ دے گا۔ اب یہاں ماشاءاللہ انگریزی داں طالب علم
تو خود ان کتابوں کو براہِ راست دیکھے ہوئے ہونگے انگریز مؤرخین نے یہ موقع درج
کیا ہے بڑی مصوری کے ساتھ اپنے اندازِ تحریر میں کہ وہ ایک ۱۳ برس کا بچہ کھڑا ہو گیا

اور اُس نے کہا اگرچہ میری عمر کم ہے اگرچہ میرا قد چھوٹا ہے اگرچہ میری ٹانگیں پتلی ہیں مگر میں آپ کا ساتھ دوں گا اب ماشاءاللہ قانون دان حضرات ایک پہلو پر غور کریں۔ اور غیر قانون داں بھی اپنی عقل سے کہ رسول نیتجے کا تو پہلے اعلان فرما چکے کہ کون میرا ساتھ دیگا کہ میرا۔ اب ایک نے کھڑے ہو کر کہہ دیا میں ساتھ دونگا، تو اگر رسول خاموش بھی رہیں تو معاہدہ مکمل۔ دھندلی نگاہ والوں کے لئے ذرا صاف کرنا ہوتا ہے خاموش بھی رہتے تو کام چل جاتا مگر نہیں اب کہاں تو کلیہ تھا جو میرا ساتھ دے اور اب انہوں نے کھڑے ہو کر کہا میں، تو اب کندھے پر ہاتھ رکھ دیا کہا ھذا وصيي و وزيري وخليفتي۔ اچھا اب تم سب کو معلوم ہو کہ یہ میرا وصی ہے یہ میرا وزیر ہے یہ میرا خلیفہ ہے۔ سب وہی لفظیں یہاں طے کر دی۔ میں کہتا ہوں رسول سب لفظیں کہہ چکے ہیں اب کوئی الیکشن کرانا ہو تو کوئی نئی لفظ تلاش کیجئے گا ورنہ جتنے عہدے تھے وہ سب تو ایک کو مل گئے جگہ ہی خالی نہیں ہے تو الیکشن کاہے کا ہوگا۔ خدا اور رسول نے اپنا اختیار صرف کر دیا۔ اب قرآن کہتا ہے جب اللہ اور رسول صرف کر دیں اختیار تو پھر نہ کسی مومن کو حق رہ جاتا ہے نہ کسی مومنہ کو۔ اب ایسی کانفرنس کیجئے جس میں نہ کوئی مومن ہو نہ کوئی مومنہ۔

میں کہتا ہوں کہ مجمع میں سے سب ہیں۔ جتنے عشیرۃ اقربین ہیں سب ہیں رسول یہ اعلان فرماتے ہیں اور یہ ہوتا ہے معاملہ۔ علی اقرار کرتے ہیں اور رسول اعلان کر دیتے ہیں کہ علی، یہ میرا وصی، میرا وزیر، میرا خلیفہ، یہ ہو گئی بات۔ اب ایک جز تاریخ میں اور ملتا ہے اور وہ یہ کہ مجمع اب اُٹھا ہنستا ہوا اور گنجائش پیدا کی جناب ابو طالب سے مذاق کرنے کی۔ کہنے لگے کہ لیجئے اپنے صاحبزادے کی اطاعت کیجئے۔

میں کہتا ہوں کافر سہی مگر یہ سمجھتے ہیں نکتہ رس ہیں کہ یہ آج کے اعلان میں مفترض اطاعتہ ہونا مضمر ہے کہ یہ اطاعت واجب ہو جاتی ہے اب اس کے بعد ایک تاریخی اور حدیثی۔ تاریخ زیادہ تر تو حدیث کے اوپر بنیاد قائم کرتے ہیں کہ حضور والا میں کہتا ہوں کہ آخر مجمع میں تو ابو لہب بھی تھا۔ اب عباس بھی تھا، تھے اب وہ بعد میں تھے ہو گئے ہیں تو ابو لہب بھی تھا عباس بھی تھے اور جتنے رشتہ دار ہیں سب تھے یہ آخر جناب ابوطالب ہی سے کیوں مذاق کیا اور جناب ابوطالب نے بھی مذاق کو سہہ لیا بگڑ کے یہ نہیں بولے کہ مجھ سے کیوں کہتے ہو۔ یہ نہیں کہا کہ مجھ سے کیوں کہتے ہو معلوم ہوتا ہے کہ کافر سہی مگر ان سے مذاق نہیں کرتے کہ وہ تو ہمیں میں سے ہیں۔ مذاق ان سے کرتے ہیں جانتے ہیں کہ یہ تو شامل ہو چکے ہیں اس جماعت میں۔

اب جناب یہ اعلان ہوا محدود مجمع میں، عشیرۃ اقربین تھے بعد میں کچھ ان میں سے مر گئے کچھ سن رسیدہ لوگ جو تھے وہ بعد میں رہے نہیں۔ دوسرے لوگ وہ کسی کو یاد رہا ہو نہ یاد رہا ہو۔ اب بار بار پیغمبرؐ اسلام مختلف انداز میں اسی کی تجدید فرماتے رہے کبھی یہ کہ دیکھو رکوع میں کس نے انگوٹھی دی ہے، مگر وہ بھی ایک محدود افراد نے دیکھا جا کے کہ کس نے انگوٹھی دی ہے انہوں نے کچھ دوسرے لوگوں سے بیان کر دیا لیکن اب وہ وقت آیا کہ جب رسول حج آخر کر کے مدینے جا رہے ہیں اور علم الٰہی میں یہ ہے کہ اب پیغمبر دُنیا میں دو تین مہینے سے زیادہ تشریف فرما نہیں رہیں گے اور یہ تو علم الٰہی میں ہے اور یہ حقیقت تاریخی ہر آدمی سمجھ سکتا ہے کہ اتنا بڑا مجمع رسول کو نہ اس سے پہلے کبھی ملا ہے نہ اس کے بعد کبھی مل سکتا ہے کئی لاکھ مسلمانوں کا مجمع جو اس حج میں شریک ہوا تھا حضرت کے ساتھ۔ اب وہ نکل کے آ

رہے ہیں۔ باہر خالق بھی انتظار کر رہا ہے کہ حج کے تمام مناسک ختم ہو جائیں اگر ابھی تبلیغ کا حکم آئے تو لوگوں کے اشغال الگ الگ ہیں کوئی کہے گا ہم منیٰ میں تھے کوئی کہے گا

ہم مقامِ ابراہیم میں تھے غرض بہانے

بہت ہیں بھولنے کے لہٰذا خالق نے انتظار کیا کہ حج تمام کر کے فرصت کے ساتھ نکل آؤ۔ اور اب جلدی ہو گھروں تک پہنچنے کی اب جس مقصد کے لئے سفر کھوٹا کیا جائے اُن لوگوں کو روکا جائے وہ بھول نہیں سکتے۔ خاص طور پر بھلاؤ وہ اور بات ہے ورنہ فطری طور سے بھول نہیں سکتے اور اب جلدی ایسی ہے کہ قافلے کے کچھ لوگ آگے جا چکے ہیں کچھ پیچھے ہیں اور اب حکمِ الٰہی آتا ہے کہ ذرا ٹھہر جایئے اور جو حکم ہو رہا ہے پہلے سے آیا ہے اس کی تبلیغ فرما دیجئے اور اب اگر ایسا نہ کیا تو کچھ کیا ہی نہیں۔ اسکو تفصیل سے نہیں عرض کرنا ہے ورنہ جو مستقل بیان ہے اور کبھی انشاءاللہ عید غدیر قریب ہوئی اور اُس زمانے میں آنا ہوا تو تفصیل سے عرض کیا جائیگا تو جو حضور والا۔ اب اعلان ہوتا ہے رسُول اُتر پڑتے ہیں اعلان ہوتا ہے کہ جو آگے بڑھ گئے ہیں وہ پیچھے آئیں جو پیچھے رہ گئے ہیں وہ آگے بڑھیں یہ ضرورتاً اکٹھا کئے جا رہے ہیں مگر اس اعلان میں بڑی حقیقت مضمر ہے کہ یہ وہ نقطۂ حق ہے جس سے آگے بڑھ کر بھی گمراہ ہوتا ہے۔ پیچھے رہ کر بھی گمراہ۔ اب جناب سب رُک گئے سب اکٹھا ہو گئے گرمی کا وقت دوپہر تاریخ طبری میں ہے کہ زمین اتنی گرم کہ عبائیں لپیٹ لپیٹ کر پیروں میں لوگ بیٹھے اُوپر سے عرب کا سُورج وہ تپا رہا ہے اور یہاں۔ اب وہاں کوہِ صفا تھا یہاں صفا تو ہے نہیں لہٰذا پالان شتر کا منبر بنایا جاتا ہے اور اب خطبے کے لئے جاتے ہیں وہ چند لفظیں تھوڑی ہیں وہ بڑا البسیط خطبہ تھا مگر لوگوں نے اُس کے کچھ اجزا نقل کئے۔

کچھ اجزاء درج کئے تو بس اصل جُملہ جو ہے وہ تو متفق علیہ ہے لیکن اور باقی اجزا کیا کیا فرمایا۔ آپ نے خدمات بیان کئے اور بہت طولانی بسیط خطبہ تھا مگر وہ خطبہ تو پڑھ رہے ہیں آج ایک نئی بات کی کہ ایک ہستی کو منبر پر اپنے بٹھالیا ہے اب آپ تو خطبہ پڑھ رہے ہیں اور لوگ بار بار اس صورت کو دیکھ رہے ہیں کہ یہ کیا بات ہے یہ کیا بات ہے اور دل میں آرہا ہے کہ ہو نہ ہو آخر میں کچھ اُن کی نسبت۔ اب سب اجزائے خطبہ چاہے نہ سنے ہوں یہ جُملہ تو ضرور سُنیں گے۔ صورت خود بتلا رہی ہے بار بار ادھر دیکھ رہے ہیں یہ آج ان کو کیوں لا کے بٹھایا ہے منبر کے نیچے بار بار اُدھر دیکھ رہے ہیں۔ میں کہتا ہوں بڑے خلوصِ دل سے آج یہ عبادت ہو رہی ہے اب وہ محل آیا جو اصل میں رسول کو کہنا تھا تو ابھی کچھ کہتے نہیں۔ جیسے جب اعلانِ عام رسالت کا کیا تو پہلے کچھ نہیں کہا پہلے سوال کیا کہ اگر میں تم سے کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے سے لشکر آرہا ہے تو مانو گے یا نہیں انداز بتا رہا ہے کہ اگر مجمع کہدے کہ نہیں مانیں گے تو آگے نہیں کہا جائے گا کچھ مگر مجمع نے جب اقرار کر لیا کہ ہم ضرور مانیں گے تب جو کہنا تھا کہا۔ ویسے ہی آج ابھی کچھ نہیں کہتے۔ بس یہ پُوچھتے ہیں الست اولیٰ بکم من انفسکم۔ کیا میں تم سب سے تمہارے نفوس پر زیادہ حق نہیں رکھتا ہوں۔ تم سب سے زیادہ اختیار کیا تمہارے نفوس پر میں نہیں رکھتا ہوں دیکھئے رسالت نے سیاست کو کیسے شکنجے پر کسا ہے قرآن نے پہلے ہی صاف کہہ دیا کہ نبی مومنین پر اُن کے نفوس سے زیادہ اختیار رکھتا ہے اب اس اصُول کو توڑ کرانا نہیں ہے کام بس یہ کیا ہے کہ رسول کی جگہ میں کہہ دیا ہے اور مومنین کی جگہ تم کہہ دیا۔ قرآن نے کہا رسول مومنین پر اُن کے نفوس سے زیادہ حق رکھتا ہے۔

پیغمبر پُوچھ رہے ہیں کہ کیا میں تم پر تمہارے نفوس سے زیادہ حق رکھتا ہوں یا نہیں۔ مطلب کیا ہوا۔ مطلب یہ ہوا کہ بتاؤ میں رسول اور تم مومن ہو یا نہیں۔

اب بڑے سے بڑے دین میں جمہوریّت کو صرف کرنے والے افراد مگر کریں کیا کہیں کہ آپ رسول نہیں تو اسلام جائے کہیں کہ ہم مومن نہیں تو اقرار کفر ہو۔ لہٰذا پُورا مجمع چیخ اُٹھا بلیٰ۔ کیوں نہیں۔ کیوں نہیں یعنی یقیناً آپ کو ہم پر ہمارے نفوس سے زیادہ اختیار ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس پورے مجمع نے بالاجماع طے کر دیا کہ رسول کو اختیار ہے ہمیں نہیں ہے۔ اب اصولی جمہوریّت کے مطابق بھی جب تک اتنا ہی بڑا مجمع کیوں نہ ہو وہ آج کا فیصلہ مسترد نہیں کر سکتا۔ بس ماشاءاللہ اب تو آپ کے دل ایسے لگے ہوئے ہیں کہ رات گزر جائے حالانکہ دن بھر کے آج آپ تھکے ہوئے تھے مگر یہ آپ کا ذوقِ ایمانی ہے کہ بحمداللہ۔ تو ایک پہلو کی طرف اور ایک جزو اور آپ کے سامنے پیش کروں گا اس کے بعد آگے بڑھوں گا کہ حضور والا بس جب اصل جملہ آیا جو کہنا ہے سوال مجمع نے کہہ دیا کہ ضرور آپ کو ہم پر ہم سے زیادہ اختیار ہے اب جب یہ اقرار لے لیا تو وہ جس لئے بٹھایا تھا پہلو میں۔

اس کو دونوں ہاتھوں میں لے کر اب اُونچا کیا بحمداللہ فرزندانِ اسلام ہیں مَیں کہتا ہوں کہ یہ پیغمبر اسلام کی طاقت ہے کہ جس نے خیبر کو ہاتھ پر اُٹھایا یہ اُسے اُٹھائے ہوئے ہیں اب میں کہتا ہوں ذرا چشمِ تصوّر سے دیکھئے اور عقل سے تصوّر کیجئے کہ ایک بچے کو آدمی اپنے سامنے لے تو بچّے کا قد چھوٹا انسان کا جسم بڑا لہٰذا بس تھوڑا سا جسم چھپے گا لیکن ایک پُورا انسان، پُورے انسان کو اپنے سامنے ہاتھوں پر لے لے تو کیا اب وہ ذات جس نے اُٹھایا ہے وہ نظر آئے گی ؟ میں کہتا ہوں رسول

لفظیں الگ کہیں گے اور اپنے عمل سے الگ ثابت کر رہے ہیں کہ جب میں چھپ جاؤں تو یہ ہیں۔

بظاہر تو میں فضائل کی اس منزل پہ ہوں جہاں مصائب بہت دُور ہیں مگر اُن کے فضائل و مصائب ایسے دست وگریبان ہیں کہ مجھے کبھی فاصلہ نظر نہیں آتا کہ آج باب فضائل میں رسُول نے ایک علی کو ہاتھوں پر بلند کیا اور کربلا میں حسینؑ نے ایک علی کو ہاتھوں پر بلند کیا اب عشرۂ محرم کی مجلس ہوتی تو یہیں مصائب عرض کر دیتا مگر یہ کہ ابھی تو آخری تاریخ ہے چہلم کی تو اس لئے میں کہتا ہوں کہ ایک علی غدیر میں رسول کے ہاتھوں کے اُوپر ایک علی کربلا میں حسین کے ہاتھوں پر اور ایک علی ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پیروں میں بیڑیاں گلے میں طوقِ خار دار اس عالم سے جا رہا ہے اور اہل عزا عطش میں ایک دن بیان کر چکا کہ جو ساتویں سے پیاس شروع ہوئی تھی وہ ختم نہیں ہوئی۔ بہ اطمینان آیا ہی نہیں پانی جو پیاس بجھے ملتا رہا پانی مگر پیاس جاتی تھوڑی اور میرے سامنے اب ایک منزل ہے کہ زندان شام میں ایک دن حضرت سیّد الساجدین نے حضرت زینب کبریٰ کو دیکھا کہ بیٹھ کر نمازِ شب پڑھ رہی ہیں تو پوچھا کہ پھوپھی یہ آج آپ نمازِ شب بیٹھ کر کیوں پڑھ رہی ہیں فرمایا جانے دو کیا کرو گے پوچھ کر۔ عرض کیا نہیں، میں سمجھنا چاہتا ہوں جاننا چاہتا ہوں ویسے وہ علم امامت الگ ہوتا ہے مگر ہمیشہ سوالات ہوتے ہیں دریافت کیا جاتا ہے۔ بتایئے کہتی ہیں پُوچھتے ہو تو سُنو کہ یزید کے ہاں سے کھانا پانی اتنا کم آتا ہے کہ وہ میرے بھائی کے بچّوں کے لئے کافی نہیں ہوتا، لہٰذا اکثر میں اپنے حصّے کا بھی بچّوں کو کھلا دیتی ہوں تو اب اتنی طاقت نہیں رہی ہے کہ ہر نماز کھڑے ہو کر ادا کروں دیکھا آپ نے کہ پیاس مسلسل

قائم ہے۔ مگر اب وہ منزل آتی ہے اس ایک جملے کو یاد دلاؤں گا پیاس مسلسل قائم ہے
مگر وہ منزل آتی ہے کہ یزید کو احساس شکست ہوا۔ کوئی نیک نیتی سے رہا تھوڑی کیا
تھا کوئی جذبہ انسانیت سے تھوڑی رہا کیا تھا نہیں سیاسی شکست کا احساس دیکھا
کہ ملک میں شعلے بھڑک رہے ہیں مخالفت کے۔ مسلمانوں کا ضمیر بیدار ہو رہا ہے ناقابلِ
برداشت ہو گئی بات تو اب بُلایا آدمی بھیجا کے لے آؤ زین العابدین کو۔ اور اہلِ عزا
ایک پہلو کی طرف توجہ دلاؤں کہ یہ شاید پہلا موقع تھا کہ سیّد سجاد آئے اور زینب نہیں
بلائی گئیں۔ تو اب دیکھئے اتنی دیر زینب پر کیا گزری۔ بہر حال اب وہاں تشریف
لے گئے اس نے کہا کہ جو کچھ کیا ابن مرجانہ نے کیا۔ یعنی ابنِ زیاد اس کو گالی کے طور پر اس
نے ابن مرجانہ کہا کہ جو کچھ کیا وہ ابنِ مرجانہ نے کیا براہِ راست مجھ سے سابقہ حسین کا
پڑتا تو میں یہ نہ کرتا یہ سب سیاسی باتیں۔ جو کچھ کیا وہ اس نے کیا اور اسکے ساتھ
یہ جزو ہے متفقہ کتابوں میں جس کو آجکل صفائی میں پیش کیا جاتا ہے خدا لعنت کرے
ابنِ زیاد پر کہ اس نے مسلمانوں کو مجھ سے متنفّر کر دیا یہ جملہ ہے بس یہاں میں نتیجہ نکالتا
ہوں اور اس کے بعد آگے بڑھوں گا کہ میں کہوں گا اے یزید اسے تو بعد میں طے کریں
گے کہ اصل قاتل کون ہے، مگر یہ تو طے ہو گیا کہ جو قاتل حسین ہے وہ مستحق لعنت ہے۔
بہر حال اس نے کہا کہ اب ہم تمہیں رہا کرتے ہیں اور تمہیں اختیار ہے چاہے یہیں
دمشق میں رہو عزت کے ساتھ اور چاہے مدینے واپس جاؤ۔ اب دیکھئے خاندانِ رسالت
کا حفظِ مراتب۔ جب خیموں میں آگ لگی تھی تو زینب نے کہا تھا کہ بغیر امامِ وقت
سے پوچھے ہوئے کچھ نہیں کہہ سکتی اور اب زینب کی عظمت وہ ہے کہ امام وقت
کہہ رہا ہے کہ بغیر پھوپھی سے پوچھے میں کچھ کہہ نہیں سکتا۔ لو ہار پہلے سے بلا لیا گیا

تھا اور وہ ہتھکڑیاں اور بیڑیاں اور طوق گرانبار، وہ سب الگ کئے گئے اور سید سجاد نے کہا کہ اچھا جا کر پھوپھی سے پوچھ کر بتاتا ہوں۔ اب آئیے تو روایت نے چاہے نہ بتایا ہو۔ میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ زینب کو درِ زندان پر پایا۔ خیر پہلی ہی نگاہ میں تبدیلی تو محسوس کر ہی لی کہ اب وہ ہتھکڑیاں بیڑیاں نہیں ہیں مگر ذرا تفصیل پوچھی کہ یہ کہو کیا بات ہے بیٹا کیوں گئے۔ کہا ہمیں رہا کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ مجھے بتاؤ کہ تم یہاں رہنا چاہتے ہو یا مدینے جانا چاہتے ہو۔ بس زینب نے گھبرا کر کہا پھر تم نے کیا کہا فرمایا میں بغیر آپ سے پوچھے کیا کہہ سکتا ہوں میں نے کہا کہ جب تک پھوپھی سے نہ پوچھ لوں میں کچھ نہیں کہہ سکتا اب دیکھئے میں کہہ چکا ہوں کہ پانی ابھی تک دل کھول کے نہیں آیا۔ مگر زینب کی فرمائش سے پتہ چلے گا کہ زینب پانی کی اتنی پیاسی نہ تھیں جتنی آنسوؤں کی پیاسی تھیں یہ نہیں کہا کہ ارے رہا کیا ہے تو ہمارے بچوں کے لئے کھانا پانی تو ذرا فراوانی کے ساتھ بھیج دے بلکہ کہا کہ اے بیٹا جب تم نے مجھ پر چھوڑا ہے تو میری طرف سے جا کر کہہ دو کہ ابھی تو ہمیں کچھ اچھا نہیں معلوم ہوتا ہم ابھی بتا ہی نہیں سکتے کہ یہاں رہیں گے یا مدینے جائیں گے ابھی تو ہم اپنے وارثوں کو روئے نہیں ہیں۔ حضرت علی کی بیٹی، جنہیں دُنیا کہتی ہے سیاست نہیں جانتے تھے باپ کو یہی کہتے ہیں۔ دیکھئے کیسا سیاست کو بے بس کیا ہے زینب سمجھتی ہیں کہ یہ کوئی مہربانی سے تھوڑی رہا کیا ہے۔ یہ اندیشۂ انقلاب سے رہا کیا ہے تو اب یہ مجبور ہے ہماری خاطر داری پر۔

فرماتی ہیں کہو ابھی تو ہم نے اپنے وارثوں کا ماتم نہیں کیا ہے۔ لہٰذا ایک مکان خالی کرا دے کہ ہم اپنے وارثوں کا جی کھول کے ماتم کر لیں لیجئے وہی ہوا۔ جو دخترِ علی کا تصور تھا اس نے کہا ہاں ہاں مکان خالی کرا دیتا ہوں۔ اب یہ دمشق وہ جگہ ہے جہاں رعایا کو

نا واقف رکھا گیا آلِ رسول سے۔ ان میں سے بہت سے جانتے ہی نہیں کہ یہ شخصیّتیں تھیں کون اور اب مکان خالی ہو گیا بہت سے قبیلۂ قریش اور بنی ہاشم کے لوگ بھی دمشق میں دارالسلطنت تھا، تو وہ بسے ہوئے تھے، لیکن آج تک کوئی تعزیّت کے لئے نہیں آیا تھا۔ ارے قیدیوں کے پاس کون آتا ہے اب جو معلوم ہوا کہ بادشاہ کے حکم سے عزاءِ حسین برپا ہوئی ہے تو اشراف دمشق کی عورتیں سیاہ کپڑے رنگوا کر آنی شروع ہوئیں تعزیّت کے لئے۔ پرسا دینے کے لئے آنا شروع کیا بس چند جملے ہیں مصائب کے ماشاءاللہ آپ مثاب ہو لئے ہیں میں کہتا ہوں کہ عورتوں کی ایک فطرت ہوتی ہے مرد مختصر طور سے بات کرتے ہیں عورتوں سے گفتگو کا انداز یہ ہوتا ہے کہ تفصیلات کچھ بیان کرتی ہیں وہ تفصیلات کچھ پوچھتی ہیں۔ اب جو لوگ تعزیّت کے لئے آنا شروع ہوئے تو میں کہتا ہوں کہ اگر کوئی پہنچ گئی بیوہ حسن کے پاس تو اس نے کہا ارے بی بی میرا بچّہ تو وہ تھا کہ دشمن کے ایک سپاہی نے کہا چاند کا ٹکڑا نکل آیا اب اس پر کیا اثر ہوا اور ہاں اہلِ عزا اگر کوئی لیلیٰ کے پاس آ گئی اُنہوں نے کہا ارے بی بی میرا بچّہ تو ہو بہو رسول اللہ کی تصویر تھا اور ان ظالموں نے کیا کیا اس کے ٹکڑے کر ڈالے اور بس جناب اس جملے پر ختم کر دوں گا کہ اگر کوئی رباب کے پاس آ گئی تو رباب نے کہا ارے بی بی علی اکبر تو تلوار لے کر گئے تھے ارے قاسم بھی نیمچا لے کے گئے تھے عباس بھی نیزہ لے کے گئے تھے میرے بچے کے پاس کون ہتھیار تھا وہ تو بس ایک زبانِ خشک تھی مگر اس کو بھی۔

مجلس دہم

حُجّتِ خُدا

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؕ

رُسُلًا مُّبَشِّرِیۡنَ وَ مُنۡذِرِیۡنَ لِئَلَّا یَکُوۡنَ لِلنَّاسِ عَلَی اللّٰہِ حُجَّۃٌ ۔

ہم نے پیغمبر بھیجے ہیں بشارت دینے والے یعنی غیب کی خبریں پہنچانے والے انذار کرنے والے یعنی عذاب کی خبریں دینے والے تاکہ لوگوں کے پاس اللہ کے مقابلے میں کوئی حجّت نہ رہے۔

کیونکہ موضوعِ بیان میرا قرار دیا گیا ہے حُجّتِ خدا تو اس لئے اس آیت کو میں نے سرنامۂ کلام قرار دیا حجّت کے معنی لُغت میں غلبے کے ہیں غالب آنا اور دلیل کو حجّت کہتے ہیں اس لئے کہ وہ ذہنی حیثیت سے غالب آنے کا ذریعہ ہوتی ہے یعنی دُوسرے آدمی کو اپنے نظریے میں شکست ماننا پڑتی ہے اس لئے دلیل کو حُجّت کہتے ہیں یہ منطق میں بھی اصطلاح ہے اور عرفِ عام میں عربی کے بھی یہ لفظ اسی معنوں میں مستعمل ہے اور اسی لئے دلیل میں جو مقابلہ ہو اسے محاجّہ کہتے ہیں۔

اب خالق پیغمبروں کے بھیجنے کا سبب یہ بتا رہا ہے کہ ہم نے یہ رسول کیوں بھیجے تاکہ لوگوں کے پاس اللہ کے سامنے پیش کرنے کے لئے کوئی حُجّت نہ رہے۔

کیا مطلب یعنی وہ اپنی کوتاہیوں کا، اپنی بداعمالیوں کا خدا کے سامنے یہ عذر نہ پیش کرسکیں کہ ہمارا کوئی راہنما ہی نہ تھا ہمیں کسی نے راستہ ہی نہیں بتایا ہمارے لئے کوئی گمراہی سے بچانے والا نہیں تھا تو اگر ہم نہ بھیجتے مرسلین کو تو خلق خدا کی حجت ہمارے مقابلے میں تمام ہوتی کیونکہ مرسلین کو ہم نے بھیجا تو خلق خدا کی حجت تمام نہیں ہوئی یہی نہیں بلکہ ہماری حجت خلق خدا پر تمام ہوگئی کہ ہمیں سزا کیوں دی جارہی ہے اب خالق کی طرف سے اُن کے سامنے یہ دلیل پیش کی جاسکتی ہے کہ ہم نے تمہاری طرف راہنما بھیجے۔ ہم نے تمہاری طرف راستہ بتانے والے بھیجے کہ یہ تم نے عمل نہ کیا تو تم مستوجب سزا ہو تو اسکی طرف کے راہنما جو پیغمبر تھے وہ اس لئے آئے تھے کہ اللہ کی حُجّت خلق کے مقابلے میں تمام ہو اور کیونکہ وہ شے جو ذریعہ ہوتی ہے دلیل میں غلبہ حاصل کرنے کا اس کو حُجت کہتے ہیں لہٰذا اس ہستی کو جس کی بدولت اللہ کی حجت تمام ہو حجتِ خدا کہنے لگے۔

مگر یہاں ذرا سوچنے اور سمجھنے کی ایک بات ہے کہ خالق کہہ رہا ہے کہ پیغمبر اس لئے بھیجے کہ اللہ کی حجت تمام ہو یعنی بغیر اسکے بھیجے ہوئے خلق کی حجت اللہ کے مقابلے میں تمام ہوتی۔ مگر یہ خلق کی حجت کا تمام ہونا جس کو قرآن کہہ رہا ہے کہ اگر مرسلین نہ بھیجتے تو اُنکے پاس حجت ہوتی یہ کس بنیاد پر ہے اگر عدل کے قائل نہ ہوں عدل کا مطلب یہ ہے کہ خالق ظلم نہیں کرتا۔ عدل کے معنی یہ ہیں کہ خالق کوئی ایسی بات نہیں کرتا جو عقل کے نزدیک غلط ہو۔ عدل کے معنی یہ ہیں کہ اللہ کوئی نامناسب کام نہیں کرتا تب تو خلق کی حجت اللہ کے مقابلے میں بغیر مرسلین کے بھیجے ہوئے پوری ہو جائے گی لیکن اگر وہ جماعت جو عدل کی منکر ہے وہ تو کہتی ہے کہ اللہ

قادرِ مطلق ہے جب قادرِ مطلق ہے تو جو چاہے کرے جو وہ کرے اس پر کسی کو سوال کا حق نہیں ہے کہ کیوں کیا۔ جو بات وہ کرے اس کو کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ اچھی بات نہیں ہے چونکہ اس نے کی ہے لہٰذا ٹھیک ہے لہٰذا دنیا میں جو قہر و غلبہ کا اُصول ہے یعنی جس کی لاٹھی اُس کی بھینس وہ لے جاکر الہیات میں مطابق کیا تو نتیجہ یہ ہوا کہ جو قادرِ مطلق ہے اس کے ہاں یہ سوال ہی کیا کہ یہ صحیح ہے یہ غیر صحیح اسکی بنا پر خلق خدا کیا حجت کر سکتی تھی۔ خلق خدا کہے کہ تو نے انبیاء نہیں بھیجے پھر بھی ہمیں سزا دے رہا ہے وہ جواب میں کہے کہ میں مالک ہوں جو چاہے کروں میں قادرِ مطلق ہوں جو چاہے کروں، لیکن خالق کہہ رہا ہے کہ اگر انبیاء نہ بھیجتے تو ان کی حجت تمام ہوتی اس کے معنی یہ ہیں کہ خالق ایسا نہیں ہے کہ جو غلط کام کرے۔ خالق ایسا نہیں ہونا چاہیئے جو ظلم کرے یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ بتائے نہ اور پھر سزا دے اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم ہی عدلیہ نہیں ہیں خالق بھی اُصول عدل کا حامل ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ پیغمبروں کو بھیجنے سے جو خالق نے اپنا مقصد بتایا، یہ کیا لفظ پیغمبر سے تعلق رکھتا ہے حضور پیغمبر کے لفظ سے اس کا تعلق نہیں ہے۔ اس کا تعلق رہنمائی سے ہے لہٰذا جو اس کی طرف سے رہنما ہو وہ خواہ کسی نام سے ہو وہ حجت خدا ہو گا۔ صلوٰۃ۔ آدم نبی تھے تو اپنے دَور میں حجتِ خدا۔ جناب نوح نبی سے آگے رسول تھے۔ رسالت جناب آدم سے نہیں شروع ہوئی۔ جناب نوح سے شروع ہوئی۔ وہ رسول تھے اپنے دور میں حجت خدا۔ لقب بدل گیا مگر حجت خدا ہونا باعتبار مقصدِ الٰہی کے مشترک رہا۔ آدم جو فقط نبی تھے وہ بھی حجتِ خدا۔ نوح جو نبی کے ساتھ ساتھ رسول وہ بھی حجت خدا۔ اس کے بعد جب نقطۂ رسالت اور آگے بڑھا اور رسالت کے ساتھ امامت آئی۔

اب حضرت ابراہیمؑ ہوئے تو وہ بھی حجّت خدا۔ اب جناب رسالت ختم ہو جائے۔ امامت رہ جائے تو وہ بھی حجّتِ خدا۔

میں یہاں کہہ دوں کہ وہ جتنے نعرے آپ لگاتے ہیں وہ آپ ہی لگا رہے ہیں نعرے ان میں خدا شریک نہیں ہے مگر یہ نعرۂ صلوٰۃ جو ہوتا ہے اس میں اللہ بھی شریک ہوتا ہے۔ تو جناب والا۔ اب نبی رسُول امام ان لفظوں کے اختلاف سے نہیں ہوتا۔ اصل مقصد جو خالق کا ہے وہ حجّتِ خدا سے وابستہ ہے وہ حجّتِ خدا کبھی نبوّت کے نام سے تمام ہوتی ہے کبھی رسالت کے نام سے تمام ہوتی ہے اور کبھی امامت کے نام سے تمام ہوتی ہے۔ نبوّت ختم ہونے والی چیز، رسالت ختم ہونے والی چیز۔ جو لغوی معنی ہیں وہ ہر ایک سمجھ سکتا ہے کہ نبی کے معنی ہیں خبر دینے والا۔ جب تک ایک بھی خبر ایسی رہ گئی ہو جو نہ دی گئی ہو اس وقت تک نبی کی ضرورت اور جب سب خبریں پہنچا دی گئیں تو نبی کی ضرورت ختم ہو گئی۔ رسول کے معنی پیغام پہنچانے والا جب تک ایک بھی پیغام رہے جو نہ پہنچایا گیا ہو۔ اس وقت تک رسول کی ضرورت اور جب وہ آخری پیغام پہنچا دیا جائے جس کے بعد اللہ کہے کہ تکمیلِ دین ہو گئی تو رسالت کا کام ختم لہٰذا اس کے بعد کوئی رسول نہیں لیکن امامت کے معنی کیا آگے آگے چلنے والا۔ جب تک راستہ قائم ہے راستہ چلنے والے موجود ہیں تب تک امام کی بھی ضرورت ہے۔ جب تک جادہ قائم ہے وہ باقی ہے تب تک رہبر کی ضرورت ہے لہٰذا یہ عہدہ ختم نہیں ہو سکتا اور یہی وجہ ہے کہ نبوّت ملی تو حضرت ابراہیم نے دستِ سوال نہیں پھیلایا۔ رسالت ملی تو دستِ سوال نہیں پھیلایا جانتے تھے کہ ایک مرکز پر ختم ہو جائیں گی۔ جب امامت ملی تو فوراً کہہ دیا۔

ومن ذریتی۔

اب ایک حقیقت کی طرف توجہ دلاؤں کہ نبوّت شروع ہوئی حضرت آدم سے رسالت میں نے کہا شروع ہوئی حضرت نوح سے۔ امامت شروع ہو رہی ہے حضرت ابراہیم سے۔ تو کیا حضرت ابراہیم سے امامت شروع ہوئی اور یہیں ختم ہو گئی۔ شروع جو ہوتا ہے نقطہ وہاں پر ختم تو نہیں ہوتا اور اب اسی سے آپ منصب کی بلندی دیکھیے کہ نبوّت کا آغاز آدم سے ہوا جہاں ترکِ اولیٰ کا امکان ہوا تو ارتقاء ہوتا چلا اور رسالت شروع ہوئی نوح سے وہ آگے بڑھی تو امامت کا استحقاق پیدا ہوا۔ اب امامت شروع ہوئی ہے اس سے جو نبی بھی ہے اور خلیلِ حق بھی ہے۔ اب اس سے امامت شروع ہوئی ہے اور جب امامت دی گئی تو خالق نے کہا کہ امتحان ہم نے لیا فَاَتَمَّهُنَّ۔ اس کا مکمّل جواب طالبعلموں کی زبان میں ۱۰۰/۱۰۰ نمبر امتحان کے پرچے میں کون ممتحن ۱۰۰ میں سے ۱۰۰ دے دیتا ہے ریاضی میں دے دیتے ہیں اور کہیں کچھ نہ کچھ تو ضرور کم کر لیتے ہیں مگر خالق کہہ رہا ہے فَاَتَمَّهُنَّ خالق جو کہہ رہا ہے اس میں مبالغہ کا تصور ہے؟ جو نقطۂ حقیقت ہے مثقال ذرۃ کا جاننے والا۔ ذرہ بھر بھی کمی ہو وہ تمامیت کی سند کیوں دے گا۔ اب وہ یہ کہہ رہا ہے کہ پُورا پُورا یعنی ذرّہ بھر بھی کمی نہیں معلوم ہوا کہ نبوّت میں ترک اولیٰ کی گنجائش رسالت تک ترکِ اولیٰ کی گنجائش اور امامت جہاں سے شروع ہوئی وہاں سے ۱۰۰ از ۱۰۰ کامیابی ترکِ اولیٰ کی بھی گنجائش نہیں۔ اب جو ذات حضرت ابراہیم سے بھی بالاتر ہو اور کوئی جانتا ہو یا نہ جانتا ہو مگر بہت سے مسلمان بحمد اللہ اس ہستی کو جانتے ہیں جو حضرت ابراہیم سے بالاتر ہے اور میں کہتا ہوں وہ اُن کے القاب

سے ظاہر ہے۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ بڑی رفعت ہے بڑی بلندی ہے اللہ کا دوست دیکھئے اور القاب جتنے ہیں انبیاء کے ان میں خالق اور مخلوق کا فرق نمایاں ہے مثلاً" حضرت آدم صفی اللہ۔ یعنی اللہ کے چُنے ہوئے وہ چننے والا ان کی بلندی یہ کہ ان کو اس نے چنا۔ حضرت نوح نجی اللہ۔ اللہ کے نجات دیئے ہُوئے۔ تو وہ نجات دینے والا اور یہ نجات پانے والے۔ حضرت موسیٰ کلیم اللہ۔ اس سے ہمکلام ہونے والا۔ تو ظاہر ہے ان کا شرف یہ کہ اس سے ہمکلام ہو رہے ہیں، لیکن خلیل اللہ۔ خلیل اللہ کے معنی اللہ کے دوست۔ یاد رکھیئے کہ دوست کا رشتہ برابر کا ہے۔ یہ اس کا دوست ہے تو وہ اس کا دوست ہی ہے۔ تو اب بندے کی اس سے بڑھ کر بلندی کیا ہو گی کہ اللہ مقام لفظ میں سہی مگر اسے اپنے برابر کی سطح دے دے۔ یہ اس کا دوست وہ اس کا دوست تو اب یہ رفعت حضرت ابراہیم کی نمایاں ہے۔ مگر حضرت ابراہیم سے بالاتر ذات وہ حبیب اللہ۔ کوئی کہے کیا ہوا درجہ اُونچا تو نہیں ہوا لفظ بدل گئی میں کہتا ہوں یہ اُردو زبان کی کوتاہی ہے۔ ہمارے ہاں خلیل اللہ کا ترجمہ بھی اللہ کا دوست اور حبیب اللہ کا ترجمہ بھی اللہ کا دوست مگر خلیل میں مضمر ہے طالب ہونا اور حبیب میں مضمر ہے مطلوب ہونا۔ یعنی خلیل وہ ہے جو دُوسرے کو چاہے اور حبیب وہ ہے جسے دُوسرا چاہے اور دوست جب ایسے ہوں۔ ایک ہو طالب ایک ہو مطلوب تو بڑا فرق ہو جاتا ہے۔ دونوں دوستوں میں برتاؤ میں بھی فرق ہو جاتا ہے اس کو۔ دوستی کے تقاضوں سے کون واقف نہیں۔ کوئی ایسا ہو آپ اس سے تعلقات بڑھانا چاہتے ہوں تو اس سے برتاؤ اور ہو گا اور کوئی وہ ہو جو آپ سے محبت بڑھانا چاہتا ہو اس سے برتاؤ اور ہو گا۔ مثال کے طور پر آپ نے ماشاء اللہ کوئی مکان

تعمیر فرمایا ہے۔ ایک غریب کے لئے اس کا جھونپڑا اتنا ہی مسرت کا باعث ہوتا ہے جتنا ایک امیر کے لئے اس کا عالی شان محل۔ بہر حال حسبِ حیثیت جیسا چاہے ایک مکان بنوایا۔ کوئی ایسا ملا کہ جس سے آپ محبت بڑھانا چاہتے ہیں تو آپ نے کہا۔ کہ میں نے مکان بنوایا ہے دل چاہتا ہے آپ بھی دیکھیں یہ آپ نے مکان بنوایا ہے اور دل چاہتا ہے کہ وہ دیکھ لیں اور وہ کہتے ہیں کہ مجھے فرصت نہیں ہے۔

آپ کہتے ہیں جس وقت فرمایئے میں سواری بھیج دوں گا۔ سواری پر آجایئے گا۔ یہ ہوگا برتاؤ اس سے جس سے آپ تعلقاتِ محبت بڑھانے کے طلب گار ہوں اور کوئی ایسا ہے جو آپ سے محبت کے تقاضے کو بڑھانا چاہتا ہے خواہ کسی وجہ سے۔ خواہ الیکشن کا موقع قریب آنے والا ہے۔ اس کی بنا پر آپ سے وہ محبت بڑھانا چاہتا ہے تو مکان آپ نے بنوایا ہے اب وہ کہے گا کہ سنا ہے ماشاءاللہ ایک مکان آپ نے تعمیر فرمایا ہے دل چاہتا ہے ہم بھی دیکھیں۔ لیجئے اب ان کا دل چاہنے لگا اور اب آپ کہتے ہیں کہ میں تو مکان پر کم رہتا ہوں۔ اب وہ کہتے ہیں جس وقت کہیئے اس وقت میں حاضر ہو جاؤں آپ نے بد دلی سے کہہ دیا کہ اچھا صاحب فلاں وقت آجایئے گا اب وہ آئے تو جیسے آپ بھول گئے کہا کیسے آئے۔ کہنے لگے آپ کا مکان میں دیکھنا چاہتا ہوں اور آپ نے مکان کھول دیا فرض کیجیے کئی طبقے ہیں اور انہوں نے اِدھر اُدھر سے دیکھا آپ نے کہا بس دیکھ لیا آپ نے۔ تشریف لے چلیے یہ وہ دوست ہے جو طلبگار ہے اور وہ پہلا دوست جو مطلوب تھا آپ نے کہا تھا وقت پر سواری بھیج دوں گا۔ اب وقت معین پر سواری موجود۔ نمائندہ موجود۔ وہ ہیں کہ جیسے سوئے ہوئے ہیں۔ کوئی طالب ہو تو بھلا سوتا

ہوگا، ٹہلتا ہوگا۔ کروٹیں بدلتا ہوگا مگر وہاں آرام کی نیند ہے اب جگایا جائیگا کہا کیوں اور کیسے۔ کہا بلایا ہے سواری بھیجی ہے کہا اچھا صاحب سواری بھیج دی ہے تو خیر چلتے ہیں۔ اب چلتے ہیں تو بہت سے طبقے ہیں یہ ہر منزل پر رُک کے جاتے ہیں وہاں کہا جاتا ہے اور بڑھیئے۔ اور بڑھیئے، اور بڑھیئے۔ آزادی کے ساتھ صاف لفظوں میں عرض کر دی اس لئے کہ آپس کی بات کا ذکر تھا کہ میرا دوست ہے آپ کا دوست ہے کوئی طلبگار ہے کوئی مطلوب ہے۔ لیکن اب خالق اور انبیاء و مرسلین کے منازل میں میں کچھ اپنی جانب سے عرض کر دوں وہ کسی کی کیا مجال لیکن میں کیا کروں جب قرآن برتاؤ بتا رہا ہو دونوں دوستوں کے ساتھ۔ وہ دوست کہ جو طلب گار ہے طالب ہے وہ قرآن کہہ رہا ہے اس کی روداد سُنیے کہ عرض کر رہے ہیں بارگاہِ الٰہی میں اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی۔ پروردگار مجھے دکھلا کہ تو مُردوں کو کیونکر زندہ کرتا ہے۔ یاد رکھیئے کہ اگر ہم تصور بھی کریں کہ ایمان حضرت ابراہیم میں ذرہ برابر خامی تھی تو کفر ہوگا میں کہتا ہوں غور کیجیئے پھر۔ الفاظ ابراہیم کب کسی بے اطمینانی کی، شک کی خبر دے رہے ہیں۔ یہ کہہ رہے ہیں کہ مجھے دکھلا کہ مُردوں کو کیونکر زندہ کرتا ہے کیفیت اسی شے کی پوچھی جاتی ہے جس کا وقوع مانا ہوا ہو۔ یہ نہیں کہتے کہ دکھلا کہ زندہ کرتا ہے بھی یا نہیں۔ کہتے ہیں یہ دکھلا کہ کیونکر زندہ کرتا ہے معلوم ہوا کہ زندہ کرنا تسلیم۔ میں مانتا ہوں کہ تو زندہ کرتا ہے مگر دیکھنا منظور ہے کہ کیونکر زندہ کرتا ہے اور تمنّا کیا ہے مطلق ارنی نہیں کہا ہے جس کے معنی اللہ کا دیدار ہے۔ اس لئے کسی طور کو سرمہ یہاں نہیں بنایا ہے مجھے دکھلا کہ مُردوں کو کیونکر زندہ کرتا ہے۔ پس ایک لفظ تو یہیں سے یاد رکھیئے ایک آیتِ الٰہی کے دیکھنے کی تمنّا ہے۔ آیت کے معنی ہیں نشانیٔ قدرت۔

تو مُردوں کو زندہ کرنا کیا ہے اللہ کے کرشمۂ قدرت کا ایک ظہور ہے۔ تو ایک آیتِ الٰہی کے دیکھنے کی تمنّا ہے۔ یہ خالق سے کہہ رہے ہیں کہ مجھے دکھلا کہ مردوں کو کیونکر زندہ کرتا ہے اور ادھر سے فرمائش کی تعمیل ہو گی بھی مگر بیچ میں سوال کر لیا جاتا ہے۔ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ۔ معنی سمجھ میں نہیں آئیں گے اگر دوستی کے رشتے کو نکال دیجئے بیچ سے۔ میں تو ایسا محسوس کرتا ہوں کہ ادھر انہوں نے یہ فرمائش کی اور ادھر محبوب نے تبسّم زیرِ لب کے ساتھ کہا کیا ایمان میں کوئی کسر ہے ابھی۔ لیجئے اب یہ عبودیّت ہے۔ کہ ایمان میں کمی کے تصوّر سے لرزہ براندام ہو جاتے ہیں۔ گھبرا کر کہتے ہیں بلٰی۔ کیوں نہیں۔ یعنی ایمان کیوں نہیں ہے ایمان تو ہے ہی۔ اب جو ترجمہ میں کروں اس کے نتیجے کا میں ذمّہ دار ہوں بلٰی۔ کیوں نہیں۔ ایمان تو یقینی ہے۔ وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِىْ۔ لیکن کیا کروں دلِ بیقرار کو قرار آجائے۔ بس مشاہدے کو دل چاہتا ہے کہ تیرا ایک کارنامہ دیکھوں آنکھ سے۔ تو وہ مشکل تو تھا نہیں قدرتِ الٰہی کے لئے۔ کوئی ناروا التجا نہ تھی میں تو کہتا ہوں شاید مجمع میں شاعر بھی ہونگے شاعروں کے کلام پر نظر بھی ہو گی کہ یہ تو صرف دوستی کے تقاضے کے بیچ میں ایک سخن گسترانہ گفتگو ہو گئی تھی اور میں کہتا ہوں ذرا آتشِ اشتیاق کو تیز کر دیا گیا۔ اب فرمائشِ خلیل کی تعمیل ہوتی ہے۔ دوست کی التجا کو پورا کیا جاتا ہے وہ کیونکر۔

قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ۔

ارے دیکھنا چاہتے ہو مردے کیونکر زندہ ہوتے ہیں تو مشکل کیا ہے

چار طائر لے لو۔ ان کے ٹکڑے کر دو۔ ان کو مختلف پہاڑوں پر رکھ دو۔ پھر پکارنا وہ سب تمہاری آواز پر آجائیں گے۔ پس سمجھ لو کہ ہم بھی مُردوں کو یُونہی زندہ کر دیتے ہیں جاؤ جواب ہو گیا سمجھ لو کہ اللہ قادر ہے اور حکیم ہے۔ لیجئے یہ ہے اس خلیل اس دوست کے ساتھ برتاؤ جو طالب ہے اور اب جو حبیب ہے اس کے ساتھ برتاؤ۔ سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ۔ پاک ہے وہ پروردگار جو لے گیا اپنے بندے کو۔ بدنصیبی سے رسُول کے بارے میں بھی جو چیزیں ہیں وہ مسلمانوں میں مختلف فیہ ہو گئیں۔ ان میں اختلاف پیدا ہو گیا کہ یہ گئے کیونکر گئے اور کیونکر ہوا اور معراج کیونکر ہوئی۔ میں کہتا ہوں۔ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ۔ قرآن کہہ رہا ہے لے گیا اپنے بندے کو۔ بندہ بحالتِ حیات نام فقط رُوح کا ہوتا ہو تو معراج روحانی مانئے اگر بندہ نام جسم و رُوح کے مجموعے کا ہوتا ہو تو جو قرآن نے کہا وہ مانئے۔ لے گیا اپنے بندے کو۔ اب یہ موضوع نہیں عرض کرنا ہے لیکن جتنا میرے سلسلۂ کلام سے متعلق ہو اتنا ہی عرض کروں گا۔ لے گیا۔ لَیْلاً رات کے وقت لے گیا لیجئے سفر کا وقت معلوم ہو گیا۔ مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ۔ مسجدِ حرام سے لے گیا۔ آغازِ سفر معلوم ہو گیا۔ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی الَّذِیْ بَارَکْنَا حَوْلَہٗ۔ انتہائی نقطۂ سجود تک لے گیا۔ دُنیا والے کسی کا نام مسجدِ اقصیٰ رکھ دیں۔ تو وہ قرآن کی زبان تھوڑی ہوتی ہے بلند ترین نقطۂ سجود تک لے گیا۔ جس کے گرد برکت ہی برکت ہے۔ کہاں تک لے گیا معلوم ہو گیا۔ مگر میں کہوں بارِ الہٰا میرا مقصد حاصل نہ ہو گا جب تک یہ نہ بتائے کہ کیوں لے گیا۔ رات کو لے گیا۔ مسجدِ حرام سے لے گیا۔ مسجدِ اقصیٰ تک لے گیا۔ کیوں لے گیا یہ بتلا دے اب وہ یاد کر لیجئے اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی۔ ایک آیت الہٰی کے لئے کہا تھا

ارے نہیں طلبگار ہوئے تھے اور یہ سوتے سے اُٹھاکر لے گیا کیوں دل چاہتا ہے۔ لِنُرِیَہٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا۔ تاکہ اپنی نشانیاں دکھلائیں۔ ماشاء اللہ ارباب فہم ہیں توجہ سے سُن رہے ہیں ایک جملہ کہہ کر آگے بڑھوں گا کہ معلوم ہوتا ہے کہ جیسے صنّاع گویا مدّتوں سے منتظر تھا کہ کوئی دیدہ ور آئے۔ تو معلوم ہوا کہ خود القاب سے ان کی بلندی ثابت۔ وہ خلیل اللہ۔ یہ حبیب اللہ لہٰذا ان کی منزل حضرت ابراہیم سے اُونچی ہے۔ اب اگر فقط نبی اور رسُول یہ ہوں اور امام نہ ہوں۔ اس کے معنی ہیں کہ خلیل کو جو خصوصیت بھی وہ ان کو نہ ملی۔ لہٰذا بہ تقضائے افضیلت ہر مسلمان کو ماننا پڑے گا کہ جیسے وہ نبی اور رسُول کے ساتھ امام بھی تھے ویسے ہی یہ بھی نبی اور رسول کے ساتھ امام بھی ہیں۔ یعنی یہ نبی بھی ہیں، رسول بھی ہیں امام بھی ہیں کیونکہ نبوّت اور رسالت ان پر ختم ہو رہی ہے اس لئے بار بار ان کو نبی اور رسول کہہ کر مخاطب کیا گیا ہے اب ان کے بعد کوئی نہیں مخاطب ہوگا۔ مگر یہ ہیں نبی اور رسول بلکہ اس کے ساتھ امام بھی ہیں۔ اب مختلف حالات میں کچھ ہنگامی جگہیں کچھ ہنگامی پوسٹیں مقرر ہوتی ہیں مثلاً خدانخواستہ جنگ ہو جائے تو زمانۂ جنگ میں کچھ خاص ایسے محکمے قائم ہو جاتے ہیں جو عام حالات میں نہیں ہوتے۔ یا ہمارے ہاں ایمرجنسی لاگو ہوئی تھی وہاں کی زبان میں بات کر رہا ہوں ایمرجنسی لاگو ہوئی تھی تو اس موقعہ کے اُوپر بہت سے ظاہر ہے محکمے ایسے تھے جو اب ایمرجنسی ختم ہونے کے بعد نہیں رہے کیوں نہیں رہے، اس لئے کہ کام ختم ہوگیا۔ جب کام ختم ہوگیا تو اب کوئی جانشین نہیں رکھا جائیگا۔ ارے پوسٹ ہی نہیں رہی تو جانشین کا کیا سوال۔ آپ کے ہاں فوجی حکومت ہے تو فوجی حکومت کے تقاضوں سے کچھ محکمے ہوں گے جو شاید جمہوریّت قائم ہونے

کے بعد نہ باقی رہیں۔ کیوں نہیں قائم رہے کیا اس لئے کہ آدمی اس لائق نہیں رہے نہیں آدمی وہی ہیں جو اس وقت تھے، لیکن کام ختم ہو گیا۔ اس لئے وہاں اس پوسٹ پر کوئی نہیں ہو گا۔ بس یونہی نبی میں نے کہا کام ہے ختم ہونے والا جب تک ایک خبر بھی باقی ہے نبی کی ضرورت لہٰذا نبی کا عہدہ ختم ہو گیا تو نبوّت میں کوئی جانشین نہیں ہو گا اور جانشین نبوّت میں ہوتا تو نبی ہی کہلاتا۔ اس لئے کہ جب صاحب جائیں تو ایک دن کے لئے بھی اس کرسی پر کوئی نائب بیٹھے تو وہ صاحب ہی کہلائے گا۔

وائس چانسلر جائیں اور پرو وائس چانسلر قائم مقام کے طور پر کام کریں تو اب ان کو پرو وائس چانسلر نہیں کہا جائے گا۔ پرو وائس چانسلر لکھنا ان کی توہین ہو گا۔ تو جو قائم مقام ہو اس کا لقب وہی ہو گا جو اس کا ہے جس کا وہ قائم مقام ہے۔ تو نبی کا جانشین اگر نبوّت میں ہوتا تو نبی ہوتا۔ رسول کا جانشین اگر رسالت میں ہوتا تو رسول ہوتا مگر چونکہ نبوّت کی جگہ ختم ہو گئی۔ رسالت کی جگہ ختم ہو گئی لہٰذا اب کوئی جانشین نہیں رکھا جائے گا نبوّت میں۔ کوئی جانشین نہیں رکھا جائے گا رسالت میں مگر وہ امامت کا منصب وہ تا قیامت رہنے والا ہے لہٰذا اب جو جانشین ہو گا وہ امام کہلائے گا۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ موضوع جو رکھا گیا ہے حُجّت خدا وہ لفظ میں نے کہا کہ آدم سے لے کر ہر ایک پر منطبق ہے مگر ذہن میں موضوع رکھنے والوں کے وہ اپنا ہی دور ہو گا لہٰذا میں سلسلۂ بیان کو قاعدے کے مطابق اس نقطے تک لے گیا۔ امامت کی منزل تک اب اس کے بعد بحمد اللہ ایک منزل اور ہے لہٰذا وہ اصل مقصد جو ہے وہ کل آپ کے سامنے پیش ہو گا یہیں چونکہ مجلس ہے تقریر تو ہے نہیں کہ اتنی بات پر ختم ہو جائے تو جناب میرے لئے کوئی فضائل سے مصائب کی منزل دور

نہیں ہوتی۔ لہٰذا وہ سب دست وگریباں ہے میں کہتا ہوں نبوت سے بالاتر رسالت اور رسالت سے بالاتر امامت۔ نبوّت میں ہمارے سامنے قرآن کی نظیر ہے کہ گھوارے کا بچّہ کہتا ہے انی عبد اللہ اتانی الکتاب وجعلنی نبیا میں اللہ کا بندہ ہوں۔ حضرت عیسیٰ کی آواز گھوارے سے۔ میں اللہ کا بندہ ہوں مجھے اُس نے کتاب دی ہے اور مجھے اس نے نبی بنایا ہے۔ بنائے گا نہیں۔ صیغۂ ماضی جعلنی نبیاء۔ مجھے اس نے نبی بنایا ہے تو حضور اگر گھوارے کا بچّہ کہے کہ مجھے نبی بنایا ہے تو اب سمجھ لیجئے کہ اللہ کے بنائے ہوئے عہدوں میں عمر کی قید نہیں ہوتی۔ اب اگر ۴-۵ برس کے بچّوں کے لئے رسول فرمادیں اِبْنَایَ هٰذَان اِمامان قاما اَوْقَعَدَا۔ یہ میرے دونوں بیٹے امام ہیں چاہے کھڑے ہوں اور چاہے بیٹھے ہوں تو قرآن کے کسی ماننے والے کو تعجب نہیں ہونا چاہیئے کہ ۴-۵ برس کے بچّے امام کیسے ہونگے۔ اب تمام اُمّت کی زبان میں بات کروں کہ اگر گذشتہ اُمّت میں گھوارے کا بچّہ نبی ہوسکتا ہے تو خیر الامم میں ۴-۵ برس کے بچّے امام کیوں نہیں ہوسکتے۔ صلوٰۃ۔ تو امام کہنے میں کوئی حیرت نہیں۔ مگر مجھے۔ اگر اس وقت میں یہ حدیث سنتا تو ایک جملے کے معنی میری سمجھ میں نہ آتے بات ختم ہوجاتی ہے کہ میرے دونوں بچّے امام ہیں مکمّل ہوگیا جملہ۔ یہ اس میں کیا اضافہ کہ چاہے کھڑے ہوں یہ انسان کے حالات ہیں کبھی کھڑا ہوتا ہے کبھی بیٹھتا ہے۔ کبھی جاگتا ہے کبھی سوتا ہے اس کو امامت میں کیا دخل۔ مگر جب مستقبل نے پردہ ہٹایا۔ ماضی بن گیا تو مجھے اب سمجھ میں آتا ہے کہ رسُول نے جب فرمایا ہے تو اللہ کے دیئے ہوئے علم سے ماضی کے نقشے میں مستقبل کا نقشہ نظر آرہا تھا۔ آپ دیکھ رہے تھے کہ میرے ان دونوں بچّوں کا

طرزِ عمل ظاہری نگاہوں میں مختلف ہوگا ایک صُلح کر کے بیٹھ جائے گا ایک تلوار لے کر کھڑا ہو جائے گا کچھ لوگ اس کی صُلح پر معترض ہوں گے۔ کچھ لوگ اُس کی جنگ پر معترض ہوں گے اس لئے رسُول نے فرما دیا میرے دونوں بیٹے امام ہیں چاہے کھڑے ہوں چاہے بیٹھے ہوں یعنی حسن صلح کر کے بیٹھ جائے تو اعتراض نہ کرنا۔ حسینؑ تلوار لے کر کھڑا ہو جائے تو اعتراض نہ کرنا تو اُٹھنا بھی حکمِ خدا سے ہے یہ بیٹھنا بھی حکمِ خدا سے ہے وہ بھی امامت کا ایک انداز ہے یہ بھی امامت کا ایک شیوہ ہے۔

پروپیگنڈے سے دُنیا واقف ہے۔ حکومت کا ایک پروپیگنڈہ تھا بنی اُمیّہ کی طرف کا کہ دونوں بھائیوں کے مزاج میں پہلے سے بہت اختلاف تھا وہ بھائی صلح پسند تھے کہ باپ کو بھی جنگِ صفین میں روکتے تھے کہ خونریزی نہ کیجئے اور یہ ایسے جنگ پسند تھے کہ بھائی کی صلح کو بھی ناپسند کرتے تھے۔ یہ کرتب ہوتے ہیں سیاست کے کہ بھائیوں میں اختلاف دکھلایا جائے میں کہتا ہوں ذرا غور کیجئے وہ دُنیا جو کہتی ہے کہ امام حسنؑ صلح پسند تھے اور امام حسینؑ جنگ پسند تھے تو کیا حضرت امام حسینؑ نے کوشش صلح نہیں کی تھی یہ تو فریق مخالف کا طرزِ عمل ہے کہ اس نے ان کی شرطیں سب مسترد کر دیں وہاں صورت حال یہ ہے کہ ادھر سے سادہ کاغذ آگیا تھا کہ جو شرطیں چاہے لکھ دیجئے ہمیں منظور ہیں اور یہاں یہ شرطیں پیش کر رہے ہیں اور ادھر سے مسترد ہو رہی ہیں اب جیسے ۲ اور ۲ کا مجموعہ ۴ ہے سمجھ دار بچے سے میں پوچھتا ہوں کہ اگر شرطیں ادھر سے منظور ہو جاتیں تو تاریخ کربلا صلح پر ختم ہوتی یا جنگ پر۔ تو اب کسی کو کیا حق ہے کہ ان کو شہزادۂ امن کہے اور کہ ان کو شہزادۂ جنگ کہا جائے۔ نہیں دونوں شہزادۂ امن ہیں۔

اور فرق کا احساس ہے تو دونوں شہزادۂ جنگ ہیں۔ وقت کے تقاضے دیکھئے اور دیکھئے رسول نے تو حدیبیہ میں صلح کی تھی اس وقت پورا موضوع نہیں عرض کرنا ہے۔ دیئے ہوئے شرائط پر کہ جو وہ کہہ رہے تھے وہ مان رہا تھا اور انہوں نے جو صُلح کی ہے وہ کیسی شاندار پہلی شرط یہ ہے کہ امیر شام کو کتاب و سُنّت پر عمل کرنا ہوگا۔ ماشاءاللہ مجمع میں قانون دان حضرات بھی ہوں گے میں کہتا ہوں کہ یہ شرط رکھ کر ایک طرف حسن مجتبیٰ نے یہ بات صاف کردی کہ ہماری نزاع حکومتِ شام سے نہ خاندانی ہے نہ قبائلی۔ ہماری نزاع اصُولی ہے لہٰذا اگر کبھی جنگ بھی ہو جائے تو اسے خاندانی جنگ نہ کہنا دوسری بات یہ کہ حضرت امام حسنؑ نے یہ شرط رکھی اور گویا اقرار لے لیا کہ ابھی تک جو ہو رہا ہے وہ کتاب وسنّت کے خلاف ہے اب سینکڑوں وکیل کتابیں لکھتے رہیں صفائی میں کہ اُن کی خلافت مثل خلافتِ راشدہ تھی۔ میں کہتا ہوں۔

اُنہوں نے خود مان لیا کہ اب تک جو ہوتا رہا ہے وہ کتاب وسنّت کے خلاف ہے کوئی کہے اس کا کیا ثبوت ہے کہ اُنہوں نے مانا۔ اس کا ثبوت یہ کہ اُنہوں نے کہا تھا جو شرطیں لکھئے وہ مجھے منظور۔ اور یہ کہ مانا اس کا ثبوت یہ کہ صلح ہوگئی اگر مانا نہ ہوتا تو صلح نہ ہوتی ۔ تو اب انہوں نے تو ایسی شاندار صلح کی اور حضرت امام حسینؑ کے سامنے کیا مؤقف تھا۔ حضرت امام حسینؑ کے سامنے یہ مؤقف تھا کہ یزید طالبِ بیعت ہے۔ بیعت اطاعت کا غیر مشروط اقرار۔ تو اب تمام عالمِ اسلام میں ان کی شخصیّت بہت مانی ہوئی ہے لیکن یہاں اس ملک میں تو بہت ہی اہمیّت رکھتی ہے شخصیّت ڈاکٹر اقبال کی تو ڈاکٹر اقبال کی زبان میں۔

موسیٰ و فرعون و شبیّر و یزید این دو قوّت از حیات آمد پدید

اس کے معنی ہیں کہ یہ دنیا میں آئے تو تھے ہجرت کے تین، چار سال گزرنے کے بعد۔ لیکن آدم کے وقت اوّل سے لے کر جنگ حسین اور یزید کی قائم تھی اس کا مطلب یہ ہے کہ اقبال کی زبان میں ہر دور کا حق پرست رمزی طور پر حسین ہے اور ہر دور کا باطل پرست رمزی طور پر یزید ہے تو اب اس اصطلاح اقبال کو سامنے رکھ کر جو میں کہہ رہا ہوں اس پر غور کیجیے کہ میں کہتا ہوں کہ ان کے پہلے کسی دور کے حسین نے کسی یزید کی بیعت نہیں کی۔ موسیٰ نے فرعون کا کہا مان لیا ہوتا تو جلاوطن کیوں ہوتے۔ ابراہیم نے نمرود کا کہا مان لیا ہوتا تو آگ میں کیوں پھینکے جاتے اور ہمارے رسُول نے ابوجہل اور ابولہب وغیرہ کا کہا مان لیا ہوتا تو ۱۳ برس جسمِ مبارک پر پتھر کیوں کھاتے تو پھر کہوں گا کہ کسی دَور کے حسین نے کسی دَور کے یزید کی بیعت نہیں کی تو ماشاء اللہ صاحبانِ فہم ہیں۔ اب یہاں میں کہتا ہوں کہ آج کا موسیٰ۔ آج کا ابراہیم۔ آج کا محمد مصطفیٰ اپنے وقت کے فرعون و نمرود و ابوجہل کی بیعت کیوں کرے گا۔

تو میں کہتا ہوں کہ امام حسینؑ نے کوئی نیا کام نہیں کیا۔ انہوں نے وہی کیا جو انکے بزرگ اُنکے اسلاف ہمیشہ کرتے آئے تھے۔ مگر اس کے ساتھ ایک اور بات کہتا ہوں میں یہ کہتا ہوں کہ واقعۂ کربلا کی مثال نہ اولین میں ہے اور نہ آخرین میں تو کوئی کہے گا کہ یہ دونوں باتیں ایک دُوسرے سے ٹکرا گئیں۔ ابھی تو یہ کہا کہ کوئی نیا کام نہیں کیا وہی کیا جو اُنکے اسلاف نے کیا اور اب کہا جا رہا ہے کہ اس کی مثال نہ اولین میں ہے نہ آخرین میں۔ میں کہتا ہوں بالکل میں نے دونوں باتیں سمجھ کر کہی ہیں۔ انہوں نے کیا وہی جو ہمیشہ اُنکے آباؤ اجداد نے۔ اسلاف نے کیا تھا مگر ہوا اُنکے ساتھ جو وہ کبھی نہیں ہوا تھا۔ اور اسکو یوں میں عرض کرتا ہوں کہ ہمیشہ ظلم کے دل میں کچھ حسرت رہ گئی اور

صابر کے متعلق کچھ غلط فہمی دُنیا کو باقی رہ گئی۔ ظلم کے دل میں حسرت یہ کہ اتنا ہم نے کیا اتنا اور کرتے۔ تو انہیں راہِ حق سے ہٹا دیتے یہ تو ظلم کی حسرت رہ گئی۔ صابر کے متعلق یہ غلط فہمی رہ گئی کہ ہم نے اتنا کیا تو برداشت کر لے گئے۔ اگر اتنا اور کرتے تو پھر آدمی تھے بشر تھے پھر برداشت نہ کر سکتے یہ حجت حسین نے کربلا میں ختم کر دی۔ اب ظالم سوچ نہیں سکتا کہ ہم یہ کرتے اور صابر کے متعلق غلط فہمی نہیں ہو سکتی کہ یہ ہوتا تو یہ نہ سہہ سکتے۔ میں کہتا ہوں کہ کیا رہ گیا جو اور کرتے اور کیا باقی رہا جسے یہ نہ سہہ سکتے اور بس یہ باب مصائب ہے عموماً مصائب میں ایسی چیزیں خلاف اُصول ذاکری سمجھی جاتی ہیں جس میں ذہن کو ذرا اُلجھایا جائے مگر میرا طرز یہی ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ دماغ کو بھی متوجہ رکھیے جو حقیقت ہے اسے بھی سمجھیے اور پھر دل کو بھی جو اثر کا تقاضہ ہے وہ کیجیے میں کہتا ہوں کہ اگر جنگ مغلوبہ ہوتی اور سب ایک ساتھ شہید ہو جاتے تو یہ جوہر اختیار صبر نمودار نہ ہوتا۔ اصحاب سب چلے گئے عزیز ابھی سب ہیں اب بھی حسین اقرارِ بیعت کر کے عباس کی جوانی کو بچا سکتے ہیں۔ اب بھی حسین اقرارِ بیعت کر کے علی اکبر کے شباب کو محفوظ رکھ سکتے ہیں مگر کربلا میں حضرت امام حسینؑ نے دکھلا دیا کہ نہیں جس راہ میں حبیب کی پیری گئی تھی اسی راہ میں علی اکبر کا شباب بھی جائے گا۔ لمراجرکو الی اللہ۔ بس چند جملے اور ذرا غور کیجیے کیا عرض کر رہا ہوں کہ حضور کربلا میں حضرت امام حسینؑ کے لئے بہت آسان تھا کہ صبحِ عاشور میدان میں جاتے اور جنگ کر کے اپنا سر راہِ خدا میں دے دیتے، لیکن اگر ایسا کرتے تو ان کی منزل یحیٰی ابن ذکریا سے آگے نہ بڑھتی۔ جناب یحیٰی کا بھی سر قلم ہو گیا تھا یہ بھی سر اپنا قلم کرا لیتے تو اس منزل سے ان کی منزل آگے نہ بڑھتی۔ کربلا میں حسینؑ کا کارنامہ

یہ نہیں کہ سر دے دیا۔ کارنامہ یہ ہے کہ جب تک ایک بھی رہا سر نہ دیا۔ اب میں اسے اپنے اُردو زبان میں کہہ دوں کہ کربلا میں مرنا اتنا مشکل نہ تھا جتنا جینا مشکل تھا اور اس لئے پیغمبر خدا کا اصُولِ جنگ جو تھا ہمیشہ نہج البلاغہ میں امیرالمومنین نے کہا ہے کہ عزیزوں کو آگے رکھتے تھے اصحاب کو پیچھے رکھتے تھے کیا معاذاللہ حسین اپنے خاندانی اصُولِ جنگ کو نہیں جانتے تھے۔ اپنے نانا کی سیرت سے واقف نہ تھے مگر کربلا میں اُلٹ گیا یہ۔ اصحاب آگے رکھے گئے عزیز بعد کو رکھے گئے یہ کیا۔ بات یہ ہے کہ ہر جنگ میں یقین ہوتا تھا کہ کچھ شہید ہو جائیں گے۔ کچھ بچ جائیں گے وہاں اگر اصحاب کو آگے رکھیں تو اس کے معنی یہ کہ عزیزوں کو کٹوانا ہے اپنوں کو بچوانا ہے، لیکن کربلا میں یہ تو طے شدہ تھا کہ شہید ہونا سب کو ہے امکاناتِ حیات تو شبِ عاشورہ کو خطبے سے ختم کئے جا چکے ہیں۔ اب یہ تو طے ہے کہ سب جان دیں گے لیکن صورتِ واقعہ یہ ہے کہ جو پہلے چلا گیا اس کی مسافتِ مصیبت مختصر ہو گئی ارے سب مصیبتیں ایک طرف پیاس ہی کو لیجئے جہاں ساتویں سے پانی بند ہو۔ آفتاب کی تمازت کے ساتھ۔ طوفان عطش کا سیلابی رفتار سے بڑھ رہا ہے۔ اب یہاں جو سب سے پہلے آگیا ادھر کا نو وارد وہ ابھی جائے گا کیونکہ جب تشنہ ہو کر آیا تھا جب تو پانی پلا دیا تھا اب دوست ہو کے آیا تو ایک جرعہ آپ نہیں کہ مہمان کی ضیافت کر سکیں اگر پانی پلا نہیں سکتے تو پیاسا بھی کیوں رکھیں کہا جاؤ اجازت ہے چلے جاؤ آخر خاص الخاص اصحاب وہ دوپہر تک باقی رہیں۔ حبیب دوپہر تک ہیں۔ ابو ثمامہ دوپہر تک ہیں اور اصحاب میں سے بھی جب تک ایک ہے کوئی عزیز نہ جائے۔ ممکن ہے کسی ذاکر سے آپ نے سنا ہو، لیکن جہاں تک میرا مطالعہ ہے۔ یہ نہیں ہے کہ

عزیزوں نے جانا چاہا ہو اصحاب نے قدموں پر سر رکھ دیئے ہوں کہ ہم اپنی زندگی میں نہیں جانے دیں گے۔ کربلا کے اقدامات تکلفات کے ماتحت نہیں ہو رہے تھے فرائض کے ماتحت ہو رہے تھے۔ میں تو یہ جانتا ہوں کہ حسینؑ نے حکماً روکا حکماً منع کیا کہ جبتک اصحاب میں سے ایک بھی ہے کوئی عزیز خبردار نہ جائے۔ اے علی اکبر تمہیں کیا حق ہے کہ کوثر پر جاکر سیراب ہو جاؤ اور حبیب پیاسا رہے اے قاسم تم کم سن سہی تمہیں کیا حق ہے کہ تم اپنی پیاس ختم کر دو اور میرے اصحاب تشنہ لب رہیں جب عزیزوں کی باری آئی تو دور کے عزیز پہلے چلے جائیں۔ فرزندانِ جعفر چلے جائیں فرزندانِ عقیل چلے جائیں۔ برابر کا بھائی بعد کو رہے جوان بیٹا بعد کو رہے یعنی جس کی قوت برداشت کا امتحان زیادہ لینا ہے اسے آخر تک کے لئے رکھا ہے بس اس جملے کے بعد ختم کردوں گا مجلس کہ مولا سے خود عرض کروں گا کہ مولا یہاں تک میری منطق نے ساتھ دیا یہاں تک میرے فلسفے نے مدد کی، مگر مولا میری منطق اور فلسفہ ہتھیار ڈالتا ہے کہ یہ عباس کے بھی بعد یہ علی اکبر کے بھی بعد یہ چھ مہینے کی جان۔ یہ شاہزادہ علی اصغر اسے بس مولانے بس اپنا پیش خیمہ رکھا۔

مجلس یازدہم ۱۱

حُجّتِ خُدا

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ؕ

رُسُلًا مُّبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ لِئَلَّا یَکُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَی اللّٰہِ حُجَّۃٌ ۔

چھٹے پارے کی آیت ہے۔ ارشاد ہو رہا ہے کہ پیغمبر ہیں ہم نے بھیجے ہیں مبشر اور منذر یعنی خوشخبری دینے والے اور عذاب سے ڈرانے والے تاکہ لوگوں کے پاس اللہ کے سامنے اللہ کے مقابلے میں کوئی حجت نہ رہے۔ اگر یہ نہ بھیجے جاتے تو لوگوں کے پاس حجت ہوتی۔ اب یہ بھیج دیتے گئے تو اب اللہ کے پاس حجت ہوگئی اور اس لئے ان ہستیوں کو حجتِ خدا کہتے ہیں۔ وہ حجت خدا وہ ہے جو خالق کی طرف سے رہبری کے لئے مقرر ہو پہلے اس کا نام نبی ہوا۔ وہ حجتِ خدا بنام نبی رہا۔ پھر اس کا نام رسول ہوا حجتِ خدا بنام رسول رہا۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم سے اس کا نام ان کے ساتھ تبدیل ہوا یعنی نبی بھی تھا، رسُول بھی تھا اور اب امام ہوا اور یہیں یہ جزو کل میں نے عرض کیا تھا کہ نبی ہوئے ہیں ایسے جو کسی ایک ہستی کے لئے نبی ہیں۔ نبی ہوئے ہیں۔ ایسے جو کسی ایک قوم کے لئے نبی ہیں۔ رسول ہوئے ہیں ایسے جو محدود رسالت جن کی ہے کسی ایک دائرے میں مثلاً حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کے لئے ہے

حالانکہ وہ اولوالعزم رسول ہیں مگر تحقیق یہ ہے کہ ان کی رسالت صرف بنی اسرائیل کے دائرے میں تھی۔ بنی اسرائیل کے لئے وہ رسول تھے اس دائرے کے باہر ان کی رسالت نہیں تھی اور اسی لئے حضرت خضر ان کے دائرۂ رسالت سے باہر تھے ان کی رسالت صرف بنی اسرائیل کے لئے تھی تو نبی جنات کے لئے ہوئے ہیں۔ رسول وہ کسی ایک قوم کے لئے کسی ایک قبیلے کے لئے ہوئے ہیں امامت جہاں سے شروع ہوئی تو لِلنَّاسِ اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا میں تمہیں تمام انسانوں کا امام بناتا ہوں اب انسان کسی بھی خطۂ ارض پر ہوں کسی بھی زمین پر ہوں بلکہ کسی بھی جہاں میں انسان بستے ہوں تو ان سب کے لئے امام ہو اور جب امامت آگے بڑھ کر خاتم المرسلین تک پہنچی تو اب لِلنَّاس کے لفظ میں ارتقا ہوا وہاں تھا لِلنَّاس اور انہیں کیا کہا رحمۃ للعالمین۔ یہ رحمت ہیں تمام عالمین کے لئے۔ اب یہ عالمین کا دائرہ کتنا وسیع ہے۔ اسے اس سے سمجھ لیجئے کہ اپنی ربوبیت کے حدود جب بتائے تو یہی کہا الحمد للہ رب العالمین۔ حمد ہے اللہ کے لئے جو تمام عالمین کا رب ہے اور ان کو کہا وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعالمین اس کا مطلب ہے جہاں تک خدا کی خدائی وہاں تک ان کی بحیثیتِ رسول رہبری اب حضرت ابراہیم تک اور تک کیا انہی سے تو آغاز ہوا تھا۔ وہاں پر اس نقطے میں امامت لِلنَّاس تھی تو اُنکے براہِ راست جو نائب ہوئے وہ نائب بھی للنّاس ہوئے انسانوں کے لئے ہوئے صرف اور جب امامت بڑھ کر للعالمین کے دائرے تک پہنچ گئی تو اب جو نائب ہوں گے وہ سب عالمین کے لئے ہونگے۔ اب میں نے عرض کیا کل یہاں تک بات پہنچی تھی کہ نبوّت ختم ہو جانے والی شے ہے اس لئے نبوّت میں جانشین کوئی

نہیں ہوگا۔ رسالت ختم ہوجانے والی چیز لہٰذا وہ رسالت میں کوئی نہیں ہوگا جانشین اب معلوم نہیں دنیا کس بات میں جانشین کی تلاش میں ہے۔ رسُول کا جانشین ڈھونڈ رہی ہے۔ نبی کا جانشین ڈھونڈ رہی ہے تو جو جگہ ختم ہوگئی کیا اس کا الیکشن ہوتا ہے۔ تو نبوّت کی جانشینی کے کوئی معنی نہیں۔ رسالت کی جانشینی کے کوئی معنی نہیں ہاں امامت ہے کہ جو برقرار ہے لہٰذا امامت میں جو جانشین ہوگا وہ امام کہلائے گا۔ اب تمام مسلمان متفق ہیں کہ ہمارے رسول آئے تو سب کے بعد۔ لیکن ہر نبی ہر رسول اپنے دور میں ان کی اطلاع دیتا رہا۔ آدم سے لے کر اور ہمارے رسول کے قبل تک ہر ایک ادھر کا رہنما وہ آخری رسول کے آنے کی اطلاع دیتا رہا۔ خبر دیتا رہا اور خبر ہی نہیں دیتا رہا بلکہ قرآن کہہ رہا ہے کہ وہ اپنی اُمتّوں سے عہد و پیمان لیتے رہے کہ اس آخری رسول کو مانو گے۔ اس آخری رسول کو تم تسلیم کرو گے تو یہ ہے ہر نبی، اس آخری رسُول کی خبر دیتا رہا تو اب پیغمبرؐ خدا اب انکے بعد وحی کا دروازہ بند ہے لہٰذا جو کچھ اس کے پیغام ہوں وہ انہیں پہنچانا ہیں لہٰذا اب ان کو اپنے بعد تک کا سب کا تعارف کرا دینا چاہیئے کہ میرے بعد کون لوگ ہوں گے اور اب یہاں علم غیب کی بحث نہیں آسکتی اس لئے کہ گذشتہ دَور کے انبیاء علم غیب اگر نہیں رکھتے تھے تو آخری رسُول کی خبر کیوں کر دے رہے تھے۔ تو ان سے افضل جو ذات ہے وہ اگر قیامت تک کے رہنماؤں کی اطلاع دیدے! صلوٰۃ۔

آدم واقف ہو سکتے ہیں محمد مصطفیٰؐ کے نام سے۔ نوح ان کے نام سے واقف ہوسکتے ہیں عیسیٰ واقف ہو سکتے ہیں۔ قرآن میں موجود ہے۔ انی مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد۔

انہوں نے کہا بشارت دیتا ہوں ایک ایسے رسول کی جس کا نام احمد ہوگا۔ اسی قرآن میں احمد کے ساتھ غلام کی لفظ نہیں ہے کہ احمدی ہے صلوٰۃ۔ تو عیسیٰ نام جانتے تھے تو جو فخرِ عیسیٰ ہو جو حضرت ابراہیم کا فخر ہو۔ کوئی کہے یہ تو آلِ ابراہیم میں سے ہیں تو ابراہیم کا فخر کس طرح ہو سکتے ہیں۔ میں کہتا ہوں ابراہیم بھی تو اولادِ آدم میں سے ہیں اگر وہ ابراہیم آدم کی اولاد کا فخر ہو گئے تو یہ آلِ ابراہیم کا فخر ہوں تو اس میں حیرت کی کیا بات ہے تو جو ان سے سب سے افضل و برتر ہے وہ اگر بعد کے افراد کا نام بتا دے۔ سب کا نام بہ نام تصریح کر دے تو اس میں کسی کو قرآن کے ماننے والے کو۔ ارے اپنے رسول کی رسالت کو ماننے والے کو کیونکہ ان کی خبر تو ایک لاکھ ۲۴ ہزار انبیاء نے دی تھی اگر ان سب کو مان لیا تو اگر یہ اپنے بعد والے افراد کے نام بتا دیں تو اس میں حیرت کی کیا بات ہے میں کہتا ہوں آدم سے لے کر ان کے پہلے تک جتنے تھے وہ محمدؐ اول کا نام بتاتے رہے اور جو پہلا محمدؐ آیا وہ اپنے آخری ہم نام کی اطلاع دیتا ہوا۔ اب یہ حدیث بغیر نام کی صرف گنتی والی تو بالکل متفق علیہ صحاح ستہ میں بھی ہے اور غیر صحاح ستہ کتنی مستند معتبر کتابوں میں بھی ہے کہ پیغمبرِ خداؐ نے ارشاد فرمایا کہ میرے بعد بارہ سردار ہوں گے کہیں بارہ سردار کہیں بارہ جانشین۔ اثنا عشر خلیفہ۔ میرے بعد بارہ جانشین یہ بھی الفاظ ہیں۔ ایک عیسائی نے صحاح و سنن کے تمام کی فہرست مرتب کی ہے یورپ میں۔ اس میں اثناء عشر کی لفظ کے تحت میں اس نے ان تمام حدیثوں کے حوالے اس عیسائی نے درج کر دیئے ہیں جس میں کہیں بارہ سردار کہیں بارہ خلیفہ یہ ہے حضرت نے اطلاع دی، حدیث یہ متفق علیہ۔ اب اس کے بعد کہیں ہے کلھم من قریش۔ وہ سب قریش میں سے ہوں گے اور میری نظر

سے گزُرا ہے کہ آپ نے فرمایا کلھم من ولد فاطمہ۔ وہ سب فاطمہ کی نسل سے تعلق رکھتے ہوں گے بہرحال وہ بارہ جانشین تو سب کے نزدیک متفق علیہ ہیں اور اب کوئی زیادہ مطالعہ کرے تو اسے بائیبل میں بھی بارہ سردار ملیں گے اولادِ اسمٰعیل میں سے۔ قرآن کہہ رہا ہے قرآن نے بتایا ہے کہ بنی اسرائیل میں بارہ ۱۲ اسباط تھے اور ان کی بائیبل بتا رہی ہے کہ اسماعیل کی اولاد میں ۱۲ سردار ہونگے۔ اب اسماعیل کی اولاد وہ بنی اسرائیل سے الگ ہے وہ تو ہمارے رسول سے شروع ہوئی ہے اسماعیلؑ کی اولاد کے وہ افراد جس سے دنیا متعارف ہے وہ تو ہمارے رسول سے ان کا سلسلہ شروع ہوا ہے تو وہاں ہے بارہ سردار۔ بائیبل میں بھی ہے بارہ سردار اس کی اولاد میں سے یعنی اسمٰعیل کی اولاد میں سے مقرر کر دوں گا اور اب ہمارے رسول فرما رہے ہیں کہ ۱۲ سردار ہوں گے یا بارہ جانشین میرے ہوں گے جمہور نے جو فہرستیں مقرر کی ہیں یعنی اکثریت مسلمانوں کی اسے ہم جمہور کہتے ہیں تو اس نے جو فہرستیں مرتب کیں تو ایک حد بندی کی راشدین کی تو وہ چار سے آگے نہ بڑھے۔ راشد غیر راشد کو ملالیا تو درجنوں ہو گئے غرض اکثریت کو بارہ سرداروں کے خواب کی تعبیر نہ ملی۔ بارہ کسی طرح نہیں ہوتے یا چار ہی ہوتے ہیں اور یا بہت ہوتے ہیں۔ بارہ تو ایک درجن ہوتا ہے میں نے تو کہا بہت درجن تو اب یہ بارہ کہاں سے ملیں معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلے کی پہلی کڑی ہی ہاتھ سے چلی گئی ہے تو وہ سلسلہ کہاں سے ملے۔ اب بحمداللہ ہم کو معلوم ہے یعنی دنیا کو اب میں تو کہتا ہوں احسان ماننا چاہیئے اس جماعت کا جو کوئی سے بارہ پیش کر سکے رسول کی سچائی کے ثبوت کے لئے صلوٰۃ۔

بحمداللہ وہ افراد جنہیں ہم جانتے ہیں اور پہچانتے ہیں۔ پہچانتے ہیں بقدرِ امکان جتنا کہ ایمان لانے کے لئے ضروری ہے۔ ورنہ دنیا خدا کو کب پہچانتی ہے پھر بھی خدا کو مانتی ہے۔ رسول کو اُنکے حقیقی مرتبے کے ساتھ کون پہچانتا ہے۔ پھر بھی مانتا ہے تو اگر مکمل پہچاننا شرطِ ایمان ہو تو کوئی خدا پر ہی ایمان نہیں رکھتا اس لئے کہ مکمل معرفت اس کی کس کو ہے اور ہم آپ کیا جس نے ہم کو ایمان کی بھیک دی وہ کہتا ہوا دُنیا سے گیا مَا عَرَفْنَاكَ حق مَعْرِفَتِكَ۔ ہم نے تجھے جو معرفت کا حق ہے نہیں پہچانا تو حق معرفت الگ ہوتا ہے اور معرفت بقدرِ امکان وہ الگ ہوتی۔ اس کو میں کبھی کبھی سیرت کے جلسوں میں مشترک سیرت کے جلسوں میں جو بین الاسلامی ہوں کہا کرتا ہوں کہ پیغمبرؐ کو حقیقی مراتب کے ساتھ پہچاننا ناممکن ہے۔ لیکن اگر سوئی کو سمندر کے اندر ڈال دیجئے تو سمندر سوئی کے ناکے میں سمائے گا نہیں لیکن بقدرِ ظرف تو یہ لے ہی لے گی۔ ویسے ہی دریائے معرفتِ محمدؐ و آلِ محمدؐ میں اپنے ذہن کی کشتی کو ڈال دیجئے پھر جتنا ظرف میں صلاحیت ہو گی آجائے گا۔ تو اب وہ جُملہ کیونکہ وہ لفظ جو میری زبان سے نکل گئی تھی کہ جنہیں ہم جانتے اور پہچانتے ہیں یہ پہچانتے ہیں بڑی تعلّی کا جملہ تھا اس لئے مجھے اتنا کہنا پڑا تو بقدرِ ظرف جتنا جانتے اور پہچانتے ہیں تو ان میں سے حضور گیارہ فرد یں تو دنیا کی آنکھوں کے سامنے رہیں اور بحمداللہ ہماری ہی کتابوں میں اُن کے حالات نہیں ہیں بلکہ دُنیا کی کتابوں میں علماء کی کتابوں میں ہر دور کے ان کے حالات موجود ہیں اور ان کی بعض کتابیں تو مستقل اُن کے حالات میں لکھی گئی ہیں یہ چیزیں دہرائی جانا چاہئیں اتحاد بین المسلمین کے لئے فائدہ مند ہیں کہ علمائے اہلِ سنّت نے جو کتابیں خاص آئمہ اہلبیت کے بارے میں لکھی ہیں ان کے ناموں

سے لکھنے والے کا عقیدہ کتنا نمایاں ہوتا ہے۔ جو میرے قریب ہیں انہی سے شروع کروں یہاں ماشاءاللہ لکھنؤ کے بہت حضرات ہونگے فرنگی محل سے کون واقف نہیں وہ مرکز علماء کا رہا ہے تو ہمارے فرنگی محل کے قدیم عالم مولانا محمد مبین جن کی کتاب شرحِ مسلّم منطق کے کورس میں بھی ایک وقت تو پڑھائی جاتی تھی اب بھی مطالعہ تو ضرور کرتے ہیں جو ذوقِ مطالعہ رکھتے ہیں شرح مسلم۔ مختصر طور سے تو ملا مبین ہی کہلاتی تھی وُہ ملا مبین ہوگئی جیسے ملا حسن ویسے ملا مبین تو وہ ملا مبین فرنگی محلی وہ فارسی زبان میں کتاب لکھتے ہیں جسے منشی نول کشور نے اپنے مجمع میں چھاپ دیا تھا یعنی مطبع بالکل غیر جانبدار ہے۔ وہ کتاب چھپی تھی وہ اب بھی کتب خانوں میں محفوظ ہے اس کا نام دیکھئے انہی آئمہ کے حالات میں ہے اور نام اس کا کیا ہے وسیلۃ النجات۔ نجات کا وسیلہ اب دُنیا چیخا کرے۔ یہ نام ہی خود شرک ہے مگر وہ اسے شرک سمجھتے تو یہ نام کیوں رکھتے وسیلۃ النجات۔ نجات کا وسیلہ۔ یہ حنفی عالم ہیں ہمارے فرنگی محل کے علمائیں سے انہوں نے یہ کتاب لکھی انہی حضرات کے حالات میں علامہ عبدالقادر شافعی یمن کے عالم انہوں نے کتاب لکھی ذخیرۃ المال فی مناقب الآل۔ اس کا بھی نام مآل یعنی انجام کار کا ذخیرہ مطلب وہی ہوا وسیلۃ النجات کا جو مطلب تھا وہی اس کا مطلب ہوا کہ مآل کے لئے انجام کے لئے یہ ذخیرہ ہے اور سب کتابیں جو ہیں وہ دُنیا کے لئے ہیں یہ آخرت کے لئے ہے اور جناب کمال الدین محمد ابن طلحہ شافعی وہ کتاب لکھتے ہیں مطالب السؤل فی مناقب آلِ رسول اور حافظ محب الدین طبری حافظ یہ قرآن کے یاد رکھنے والے کا نام نہیں جو زبانی یاد کریں یہ علمِ حدیث کی اصطلاح تھی کہ جو ایک لاکھ حدیثیں مع متن وسند یاد رکھتا تھا اسکو

حافظ کہتے تھے تو یہ حافظ محب الدین علمائے اسلام میں ۱۴سو برس میں علمائے اہلِ سنّت میں آٹھ، دس ہیں صرف جن کو حافظ کہا جاتا ہے حافظ ابنِ حجر۔ حافظ جلال الدّین سیوطی بس چند آدمی ہیں جو حافظ کہے جاتے ہیں تو وہ لکھتے ہیں جناب حافظ محب الدّین طبری۔ ذخائرُ العقبیٰ فی مناقبِ ذوی القربیٰ۔ یعنی عقیدہ بھی ظاہر آیۂ مودّدت کی تفسیر بھی نام سے ظاہر۔ ذخائرُ العقبیٰ۔ عقبیٰ کے لئے ذخیرہ فی مناقبِ ذوی القربیٰ۔ تو یہ تمام علما ہر دَور میں کتابیں لکھتے رہے تو ان کے حالات میں دیکھ لے جو کوئی جہاں ضمنی آئے ہیں وہ اور بے شمار۔ یہ تو اتنی کتابیں وہ ہیں نے کہیں جو مستقل اسی میں لکھی گئیں ورنہ علامہ ابنِ حجر مکی نے جو کتاب شیعوں کی رَد میں لکھی صواعقِ محرقہ اس میں بھی ان حضرات کے حالات۔ صواعقِ محرقہ میں بھی اور اسی طرح سے اور علماء انہوں نے جو درمیان درمیان اپنی کتابوں کے لکھّے ہیں ابن خلکان نے وفایات الاعیان میں حالات لکھّے ہیں تو جو عرض کر رہا ہوں وہ یہ کہ جو کوئی کسی ایک کتاب میں خواہ انکے حالات میں لکھی گئی ہو، خواہ ضمناً حالات آئے ہوں تو ہر امام کے حالات دیکھئے تو لکھنے والے متفق کہ ان کے دَور میں ان سے بڑھ کر عابد نہ تھا۔ اپنے دَور میں ان سے بڑھ کر عالم کوئی نہیں تھا۔ اپنے دَور میں ان سے زیادہ زاہد کوئی نہیں تھا یعنی جتنے صفات ہوتے ہیں نبوّت کے۔ وہ تمام صفات ہر دور میں ہر امام کے اندر دُنیا متفق۔ جتنی صفتیں ہیں کمالاتِ رسالت کی انہیں سے ہر ایک میں کہہ رہے ہیں کہ اپنے زمانے میں سب سے بڑے عالم اپنے زمانے میں سب سے بڑے زاہد۔ اپنے زمانے میں سب سے بڑے متقی۔ اپنے زمانے میں سب سے بڑے عابد۔ ان تمام

صفات پر دنیا متفق ہے گیارہ امام تک۔ وہ تو آنکھوں کے سامنے رہے حالانکہ میں فطرتِ انسانی کو گواہ کرتا ہوں جتنے تاریخ کے عالم ہوں اسے دیکھ لیجئے کہ ایک نسل میں پانچ درجے تک کمالات یکساں نہیں آتے۔ بیٹا نمایاں ہوا۔ پوتا اس سے کم ہوا پھر پروتا بڑھ گیا پھر اس کے بعد کمی ہو گئی۔ یہ یکساں کمالات ۵ پشتوں تک نہیں آتے چہ جائیکہ آنکھوں کے سامنے ۱۱ تک رسول کی سچائی ثابت ہو گئی کہ ہر دور کا وہ انسان جو ایک جماعت جسے امام کہہ رہی ہے وہ انہی صفات کا حامل ہے جو امام میں ہونا چاہیئے ہر ایک ان صفات پر متفق گیارہ تک آنکھوں کے سامنے۔ بس میں کہتا ہوں گیارہ تک آنکھوں کے سامنے آگئے اب صرف ایک فرد کے لئے اس سچے کی سچائی کو مشکوک کرو گے۔ مگر جتنی منطق اور فلسفے کی بحثیں ہیں وہ سب آخری فرد میں آجائیں گی وہی حقیقت میں موضوع رکھنے والوں کی مراد ہے حجتِ خدا سے۔ سب بحثیں وہیں پر آجائیں گی حالانکہ وہ تو سلسلے کی آخری کڑی ہے مجھے یہاں نام لے دینا چاہیئے انصاف کا تقاضہ یہ ہے کہ جس کی جو بات ہو۔ جس کی جو بات ہو وہ اس کا حوالہ دیکر بیان کی جائے کہ ایک عالم آئے تھے نجفِ اشرف سے ۲۵ ۔ ۳۰ برس بلکہ زیادہ ہوئے ہونگے جب ڈاکٹر اقبال زندہ تھے وہ شیخ اسداللہ زنجانی لکھنؤ میں راجہ صاحب محمود آباد کے مہمان ہوئے تھے اس وقت تک آپ کا پاکستان نہیں بنا تھا وہ وہیں تھے قیصر باغ میں اُنکے مہمان ہوئے تھے اور وہ یہاں لاہور بھی آئے تھے ان کے عصمتِ انبیاء کے موضوع پر تبادلۂ خیالات ہوئے اور وہ مطمئن ہوئے چنانچہ اُن کی کتاب نجفِ اشرف میں چھپی ہے اس میں اس گفتگو کا حال ہے جو ڈاکٹر اقبال سے ہوئی تھی تو ان کا یہ جملہ ہے کہ

یہ ایک مناظرے کا اصُول ہے کہ اصل مسئلہ امامت پر تو بحث نہیں کرتے اور آجاتے ہیں بارھویں امام پر کہ صاحب سمجھا دیجئے ہم کو یہ کیونکر ہوسکتا ہے۔ ہر چیز کا اصُول یہ ہے کہ جو بنیاد ہو اس کی وہاں سے مانیئے۔ خدا کو آپ نہیں مانتے اور رسول پر بحث کیجئے کوئی معنی اس کے نہیں ہیں رسُول ہی کا کوئی قائل نہیں ہے ایمان پر بحث کیجئے تو کوئی معنی ہی نہیں ہیں وہ پُورا سلسلہ چھوڑ کر آخری فرد پر آپ بحث کر رہے ہیں تو یہ بحث بے اصُول ہے تو جب ان سے پُوچھا گیا تو اُنہوں نے مسکرا کر کہا شما یازدہ را قبول بکنید دوازدھم از شما نمی خواہیم۔ کہ آپ ان گیارہ ہی کو مان لیجئے بارہویں کو معاف کر دیں گے ہم نہ مانیئے۔ تو حقیقت یہ ہے کہ یہ اُصول جب مان لے گا کہ جس کی وجہ سے گیارہ امام ہیں تو وہ لازماً کشاں کشاں مان لے گا اس بارہویں کو۔ مگر پُورے سلسلے کو چھوڑ کر جب اس نقطے پر آ کر گفتگو کیجئے گا تو بات اُلجھ جائے گی تو حضور ۱۱ فرد ہیں آنکھوں کے سامنے رہیں۔ اب اس فرد کے بارے میں گفتگو ہے۔ کیوں گفتگو ہے اس لئے کہ غائب ہے آنکھوں سے دکھائی نہیں دیتا۔ میں کہتا ہوں کہ پُورے قرآن کے حافظ نہ ہوئیے۔ سورہ بقرہ ہی کو یاد کر لیجئے۔ ارے سورۂ بقرہ پُورا بہت مشکل ہے۔ آپ اس کی ابتدائی آیت یاد کر لیجئے تو کیا کہا جا رہا ہے ھدی للمتقین الذین یومنون بالغیب۔ یہ ہدایت ہے ان پرہیزگاروں کے لئے کون پرہیزگار۔ وہ پرہیزگار۔ پرہیزگار وہ ہوتے ہیں جو غیب پر ایمان لائیں۔ معلوم ہوتا ہے کتنا ہی افعال و اعمال پر ہیزگارانہ رکھیے۔ جب تک غیب پر ایمان نہیں ہوگا قرآن بھی دامن چھڑا لے گا۔ کوئی منطقی اعتراض نہیں کوئی عقلی اعتراض نہیں بس یہ کہ آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے کیونکر مانیں۔ میں کہتا ہوں آپ نے اصُول دین میں سے کون سی چیز آنکھوں

سے دیکھ کر مانی ہے یاد رکھئے جب تک غیب پر ایمان نہ لایئے دین کا کوئی ستون قائم
نہیں ہو سکتا دین کی بنیاد ہی قائم نہیں ہو سکتی ارے ایمان لایئے سب سے پہلے اللہ
کو مانا اللہ کو آنکھ سے دیکھ کر مانا؟ میرے نزدیک تو آنکھ سے دیکھ لیتے تو اللہ ہی نہ ہوتا
اور پھر کسی کو خود نہ دیکھا ہو کسی نے تو دیکھا ہوگا۔ یہاں وہ ذات ہے جس کو کسی اس
کی طرف دعوت دینے والے نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ میں نے دیکھا۔ کسی کو بیداری
میں نہ دیکھا ہو خواب میں تو دیکھا ہو مگر اس کو میں کہتا ہوں کہ خواب میں بھی نہیں دیکھ
سکتے۔ ایک عقلی اصول عرض کرتا ہوں کہ خواب میں بھی وہی چیز دیکھی جا سکتی ہے جو
بیداری میں دیکھی جا سکے۔ خوشبو خواب میں بھی سونگھی جائے گی، دیکھی نہیں جائے گی
آواز خواب میں بھی سُنی جائے گی، دیکھی نہیں جائے گی۔ نرمی سختی خواب میں بھی چھونے
سے معلوم ہوگی دیکھی نہیں جائے گی نوعیتِ حادثہ نہیں بدلتی صرف عالم حادثہ بدل
جاتا ہے۔ سُونگھنے کی چیز خواب میں بھی سونگھی ہی جاتی ہے اور سُننے کی چیز خواب میں بھی
سُنی ہی جاتی ہے اور جو سُننے کی چیز ہو نہ دیکھنے کی چیز ہو وہ خواب میں کیونکر دکھائی دے
گا اور میں کہتا ہوں کہ اگر دیکھا ہو تو کسی اور کو دیکھا ہوگا مجھے معلوم ہیں ایسے دعویدار جنہوں
نے دیکھا کہا کہ ہم نے خواب میں دیکھا۔ خواب میں دیکھنے کے دعویدار مجھے معلوم ہیں
کتاب میں میں نے پڑھا ہے۔ وہی ہمارے اور وہ اب بھی ہمارے ملک کے رہے
ہمارے ملک میں جو نبی پیدا ہوئے بٹوارے کے بعد بھی وہ ہماری قسمت میں گئے۔
تو جناب وہ ہمارے ملکی نبی انکی کتاب میں میں نے خود پڑھا ہے کہ میں نے اللہ سبحانہٗ
کو خواب میں دیکھا۔ خواب میں جو دیکھا تو دوات و قلم و کاغذ بھیج دیا۔ بڑھا دیا۔ خیر
اللہ سبحانہٗ کے سامنے دوات و قلم بڑھا دیا یہی بہت بڑی بات ہے مگر اپنے مطلب

کی بات لکھوانا تھی اس لئے بڑھا دیا اگر خطرہ ہوتا کہ ہمارے خلاف لکھیں گے تو کبھی
نہ بڑھاتے۔ دوات و قلم آگے بڑھا دیا کہ جو دعویٰ کرنا تھا اس کا
پروانہ لکھ دیجئے، نبوّت کا پروانہ، تحریک کر کے لکھوا رہے ہیں۔ یہ لکھ دیجئے انہوں
نے بلاتکلف قلم اٹھایا اب بیچ بیچ میں تبصرے کے جو الفاظ ہوں گے وہ میرے ہونگے
مضمون انکا ہے کہ بعض اوقات آپ نے دیکھا ہوگا کہ قلم میں روشنائی زیادہ آجاتی
ہے تو کیا کرتے ہیں جھٹکتے ہیں۔ فاونٹین پین والے بھی بعض اوقات جھٹکتے ہیں تو
میں کہتا ہوں کہ نب کو روشنائی میں ڈبویا تو ایسے بے اٹکل پن سے کہ روشنائی زیادہ
آگئی اس کے بعد جھٹکا تو ایسی تمیزداری سے کہ چھینٹے پڑے۔ آنکھ کھل گئی۔ اب نتیجہ
جو ہے وہ میری لفظوں میں سُنئے کہ پروانہ تو نہ تھا دامن پر دھبے موجود تھے۔ اب وہ
جناب وہ کرتا موجود تھا جس پر نشان ہیں روشنائی کے اور وہ ہر سال وہاں زیارت
ہوتی تھی اس کی، اس ملک میں اب یہاں پھر وہاں ہونے لگی ہوگی جو اس کے پہلے
مرکز تھا۔ تو وہ ہر سال زیارت ہوتی تھی ایسے دھبوں کی جو نہیں معلوم کس نے ڈالے ہیں۔
تو حضور پھر وہ اصل بات یہ ہے کہ میں نے کہا کہ خواب میں بھی عقلاً ناممکن ہے اسے
دیکھنا تو ایسا غیب اور اسے مان رہے ہیں جب تک نہ مانیں مسلمان ہی نہیں ہونگے
اس کے بعد لوگ کہیں گے اصل بیچ سے چھوڑ دی نہیں جسے سب مانتے ہیں اس
فہرست کو کہہ رہا ہوں کہ جناب خدا سے جب آگے بڑھے تو رسالت۔ تو رسالت
کو آنکھ سے دیکھ کر مانا ہے۔ آنکھ سے دیکھ کر مانا ہے۔ ارے ہم نے تو کسی کو نہیں دیکھا
جب دیکھا جس نے دیکھا کیا واقعی رسالت کو آنکھ سے دیکھ کر مانا۔ ارے صاحب
سامنے تو چہرۂ مُبارک ہے سامنے تو گیسوئے مبارک ہیں۔ سامنے تو دندانِ مبارک

ہیں۔ مشاہدات تو یہ ہیں مگر ایمان کیا اس گیسو پر لانا ہے۔ ایمان اس چہرے پر لانا ہے۔ ایمان اس دندانِ مقدّس پر لانا ہے ایمان لانا ہے رسالت پر۔ رسالت کے معنی بھیجنا۔ جب بھیجنے والے کو نہیں دیکھا تو بھیجنا کہاں دیکھیں گے۔ تو رسالت وہ جو جزوِ ایمان ہے وہ غیب کی چیز ہے جبرئیل امین کو آتے نہیں دیکھا لوحِ محفوظ سے قرآن کو اُترتے نہیں دیکھا وہ سب غیب کی باتیں ہیں اس کے بعد آخر میں پہنچ جائیے۔ ۳ اصلیں ہیں مشترک کہ توحید کے بعد رسالت، رسالت کے بعد قیامت۔ قیامت کو آنکھ سے دیکھ کر ماننا۔ دیکھ لیتے تو قیامت ہو ہی نہ جاتی۔ تو قیامت کو بے دیکھے مانا اور قیامت کے ساتھ کارخانہ مانا غیب کا، صراط کو مانا، میزان کو مانا، نامۂ اعمال کو مانا، جنت کو مانا، دوزخ کو مانا، ایک دُنیا مانی غیب کی ہر مسلمان نے مانی۔ اب میں کہتا ہوں جس کے کہنے سے اتنے غیب مان لیے۔ ایک غیب کی خاطر اپنے ایمان کو خطرے میں ڈالتے ہو۔ اب اس کے بعد اُن کے ارشادات قرآن کی آیتیں لے لیجیے۔ تو یہ حضور قرآن کیا کہہ رہا ہے کونوا مع الصادقین۔ صادقین کے ساتھ رہو۔ مکمل صادق سوا معصوم کے کوئی ہو نہیں سکتا۔ تو کہا جا رہا ہے صادقین کے ساتھ رہو کہ ایک صادق کبھی ہوا تھا اب تم ڈھونڈ ڈھونڈ کر اس کے اقوال پر عمل کیا کرو۔ تو میں کہتا ہوں صادقین کی کیا ضرورت ہے ایک صادق تو تھا ہی جسے مشرکین بھی صادق کہتے ہیں تو یہ صادقین کی کیا ضرورت ہے جب اسی رسول کی زبانی کہا گیا کہ صادقین کے ساتھ رہو تو معلوم ہوا کہ اس کے علاوہ تو ایک سلسلہ ہے جو اسی معیار کے صادقین کا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ جب تک وہ افراد باقی ہیں جن سے کہا جا رہا ہے وہ پوری اُمّت مسلمہ ہے جب تک مسلمان اُمّت کا وجود ہے۔ تب تک صادقین کا بھی وجود رہے گا۔ اب اس پر

ابھی مزید تبصرہ کروں گا یہ قرآن نے کہا اس کا بھی تقاضا یہ کہ قیامت تک رہیں گے رسول نے فرمایا کہ اِنی تارکٌ فیکم الثقلین۔ میں تم میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑتا ہوں۔ اللہ کی کتاب دوسری میری عترت جو میرے اہل بیت ہیں۔ متفق علیہ حدیث ہے۔ ما ان تمسکتم بھما۔ جب تک ان دونوں سے تمسک رکھو گے لن تضلو بعدی میرے بعد کبھی گمراہ نہیں ہو گے وانھما لَن یفترقا اور یہ دونوں کبھی جُدا نہیں ہوں گے۔ اب مسلمانوں سے سوال ہے کہ اس وقت قرآن ہے کون کہے گا نہیں ہے قرآن ہے۔ میں کہوں گا جو قرآن کے ساتھ تھے ان میں سے کوئی ہے اگر کہے نہیں ہے تو ہمارے آپ کے رسول نے کہا تھا کہ رہے گا۔ انہوں نے کہا تھا جُدا نہیں ہوں گے جدا ہو گئے اور اب میں کوئی سخت جملہ کہنے کا عادی نہیں ہوں بس میں یہ کہتا ہوں کہ یہ رسول وہ ہے جسے مشرک بھی صادق کہہ رہے تھے اب صادق ہو کر آپ کو اختیار ہے جو چاہے کہیئے۔ الحمد للہ پُورا بیان ہو گا یہ تو اپنے ہاتھ کی بات ہے یہی موضوع پانچ دن میں بیان ہو سکتا تھا یہی ایک دن میں بیان ہو گیا۔ اب میں کہتا ہوں قرآن نے بھی کہا قیامت تک صادقین کا سلسلہ رہے گا۔ انہوں نے بھی کہا کہ کبھی نہیں جُدا ہوں گے۔ اگر کہے کہ نہیں ہیں تو جُدا ہو گئے رسول کی سچّائی ختم ہو گئی بلکہ قرآن کی صداقت ختم ہو گئی اور اگر کہے کہ ہیں تو میں کہوں گا آنکھ سے دکھایئے کہ کہاں ہیں اگر آنکھ سے نہ دکھا سکیئے تو غائب مانیئے۔ کیونکہ ماشاءاللہ صاحبانِ فہم ہیں جو کچھ عرض کر رہا ہوں آپ کے لئے جُملے کافی ہیں مختصر کہ غیب وہ نہیں ہے جو ہو ہی نہ۔ غیب وہ نہیں ہے جو آنکھوں کے سامنے ہو غیب ایک ثبوت اور ایک نفی سے مل کر بنتا ہے یعنی ہو اور آنکھوں کے سامنے نہ ہو۔ تو میں کہتا ہوں ہونا تو سچّے خدا اور رسول اُن کے کہنے سے ثابت اور سامنے نہ ہونا

آنکھوں سے ثابت۔ اب غیب کا کون جزو محتاجِ ثبوت رہا بس اب دنیا یہ کہتی ہے
اب غیب خیر ہاں غیب کو تو مانتے ہیں، غیب کو تو مانتے ہیں بغیر غیب کے مانے
تو نہ خدا کو مان سکتے ہیں یہ سب باتیں بالکل ٹھیک ہیں مگر آدمی بشر اتنے دنوں تک
زندہ رہے یہ کیونکر ہو سکتا ہے کسی کو ہم نے اتنے دن زندہ رہتے نہیں دیکھا۔ میں
کہوں گا کہ دُنیا میں بیشک کسی کو میں نے بھی زندہ رہتے نہیں دیکھا۔ دنیا میں کسی کو
میں نے بھی زندہ رہتے اتنے دن تک نہیں دیکھا مگر مجھے دنیا سے کیا کام۔ جس سلسلے
کے بارے میں میری گفتگو ہے اس میں سے کسی ایک کو مرتے میں نے نہیں دیکھا۔ کوئی
ایک تو اپنی موت سے دنیا سے گیا ہوتا۔ مَیں نے ان میں سے کسی ایک کو بھی مرتے
نہیں دیکھا۔ ہمیشہ خارجی حربے اپنا کام کرتے تھے یا زہر یا تلوار اب میری لفظیں صاحبان
علم محفوظ رکھ سکتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ تقاضائے بقا ہر ایک کی
ذات میں تھا یہ مانعِ خارجی تھا جو اس مقتضی کو اثر کرنے سے روکتا تھا بس جسے اللہ
کو باقی رکھنا ہے اس کے سلسلے میں کوئی کام اسے نہیں کرنا ہے فقط حربوں کی زد سے
الگ رکھنا ہے۔ اب دنیا کہتی ہے کہ غائب ہونے سے بڑی مصیبت ہو گئی۔ مصیبت
نہ ہوتی تو ہم کیوں روتے ہم کیوں بار بار فریادیں کرتے، استغاثے کرتے، عریضے کیوں
بھیجتے۔ کوئی ہمیں پسند ہے غیبت مگر کیا کریں جن کے باعث یہ غیبت ہوئی وہ کہہ رہے
ہیں کیوں غیبت ہوئی۔ میں کہتا ہوں دُنیا اپنے گریبان میں مُنہ ڈال کر کیوں نہیں دیکھتی۔
گیارہ کے ساتھ کیا کیا جو کہتے ہو بارہواں کیوں غائب ہوا۔ میں تو دیکھتا ہوں جیسے
خالق اور مخلوق میں جنگ ہو گئی تھی وہ کہہ رہا تھا صادقین کے ساتھ رہو۔ یعنی قیامت
تک سچے رہیں گے۔ دنیا والوں نے کہا رہنے دینا تو ہمارا کام ہے۔ ہم رہنے ہی نہیں

دیں گے تو کیونکر رہیں گے۔ اب جو الفاظ کہتا ہوں اُسے محفوظ رکھئے۔ جب تک خزائنِ
حکمتِ باری میں صادقین کا ذخیرہ رہا۔ اُس نے حربوں کو کام کرنے دیا۔ اچھا یہ نہیں
ابھی دوسرا ہمارے پاس ہے چاہے کسی عمر کا ہو اس سے مطلب نہیں کیونکہ صادقین
میں عُمر کی کوئی قید نہیں یہ مباہلے ہی میں رسول نے دکھا دیا صلوٰۃ اسے تم نے نہیں
رہنے دیا۔ کوئی بات نہیں۔ ابھی ہے ہمارے پاس۔ اچھا اسے بھی نہیں رہنے دیا۔
اچھا نہ سہی اور ہے مگر اب جب مقصدِ الٰہی کا ایک فرد میں انحصار ہو گیا۔ اس کے معنی
یہ ہیں کہ خدا اور مخلوق کی جنگ۔ اس کا آخری نتیجہ فتح و شکست کا ایک فرد کی بقا
و فنا میں ہو گیا کہ اگر یہ رہتا ہے تو خدا کی بات پُوری اور اگر یہ بھی ختم ہو جاتا ہے تو
دنیا کامیاب اور اللہ ناکام۔ اور اب دنیا بتائے کہ کیا قادرِ مطلق عاجز بندوں کے
مقابلے میں اپنی شکست مان لیتا۔ اب دنیا کو ختم کرنا ہوگا تو بھیج دے گا یہ طے کر کے
کہ یہ نہیں تو اب کچھ نہیں۔ میں کہتا ہوں کہ دنیا نے کربلا میں کوئی کمی اُٹھا رکھی تھی اس
سلسلے کو ختم کرنے کی۔ وہ تو خالق نے اپنے مقصد کے تحفّظ کے لئے وہاں بھی غلبت
سے کام لیا ذرا باریک بات ہے مگر ماشاء اللہ آپ توجّہ سے سُن رہے ہیں وہاں بھی
غلبت سے کام لیا۔ غلبت کے معنی تو یہ ہیں کہ ہم انہیں دیکھ نہیں رہے۔ اس نے
غیبت یوں طاری کی کہ دن بھر انہیں غش میں رکھا کیونکہ اگر غش میں نہ ہوں تو نصرت
باپ کی واجب ہو جائے۔ اگر نصرت نہ کریں تو کردارِ امامت کے خلاف ہو پھر علی اکبر
سے ان کی منزل پیچھے رہ جائے۔ امام کیسا جو اپنا فرض نہ ادا کرے ورنہ میرا ایمان ہے
کہ اِن حضرات کو غش بے ہوش نہیں بنا سکتا۔ مرض بے ہوش نہیں کر سکتا۔ یہ مشیّتِ
ربّانی ہے مصلحتِ کردگار ہے کہ دن بھر بے ہوش رہے اور اس کا ثبوت میں بر بنائے

واقعات عرض کر دوں گا کہ دن بھر بے ہوش رہے جب تک فریضۂ جہاد ادا ہو رہا تھا تب تک بے ہوش رہے اب یہ بیانِ مصائب ہے بس اس پورے دن میں چند دفعہ مجھے ملتا ہے کہ ہوش میں آئے پہلی منزل ہے وہ جب واضح غلامِ ترکی امام کی خدمت میں آیا کہ مجھے اجازت دیجئے جیسے جون غلام ابوذر تھا ویسے ہی یہ ظاہر ہے کہ جون بھی اپنے کو غلامِ امام کہنے میں کوئی عذر نہیں رکھتے تھے مگر یہ ان کی حق شناسی ہے کہ ۴۰ برس گزر گئے ابوذر کو لیکن اب بھی اُنہیں اپنا غلام نہیں کہتے۔ اُن کے نام کا جزو ہے غلام ابوذر ہے۔ بس یہ اُن کو پناہ دیئے ہوئے ہیں اور اُن کی مدد کر رہے ہیں۔ ان کی ضروریاتِ زندگی پُوری کر رہے ہیں اور نام ان کا ہے غلام ابوذر۔ اس طرح سے یہ ظاہر ہے کہ امام کے غلام تھے امام حسینؑ کے اس میں کیا شک مگر آپ نے ان کی نسبت دے دی تھی سیّد سجاد کی طرف۔ حضرت زین العابدین کی طرف تو یہ سیّد ساجدین کے غلام تھے۔ اب جب روزِ قربانی آیا اور مجاہدینِ راہِ خدا جان دینے لگے تو یہ بھی حاضر ہوئے اور خاندانِ رسالت میں رہ کر یہ غلام کیا ہو جاتے تھے تو یہ حافظِ قرآن ہیں۔ میں نے تذکرۂ حفاظِ شیعہ میں جو دو جلدوں میں ہے ان کا ذکر کیا ہے حافظِ قرآن۔ امام کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا مولا مجھے اجازت دیجئے میں بھی جان دوں کہا تم کو میں کیونکر اجازت دوں تم تو زین العابدین کے غلام ہو۔ یہ دیکھئے حفظِ حقوق ہے یعنی زین العابدین سے اجازت لو میں کیونکر اجازت دوں لیجئے آئے درِ خیمہ پر کہلوایا کہ مجھے اپنے آقا سے کچھ عرض کرنا ہے۔ بی بیاں سمجھیں کہ کوئی خاص بات ہے ورنہ اس محل پر جب کہ معلوم ہے کہ بے ہوش ہیں یہ حالت ناسازیٔ مزاج کی ہے تو کیوں آئے ہیں۔ کوئی اہم بات ہے موقعہ دیا

آئے کسی طرح سے ہوش میں لائے۔ حضرت نے آنکھ کھول کہا کیوں کیسے آئے کہا حضور بس اب مجھے اجازت دیجئے میں چاہتا ہوں کہ آپ کے والد بزرگوار کی مدد کروں۔ نصرت کروں۔ امام سے عرض کیا وہ فرماتے ہیں کہ میں نہیں دے سکتا تمہیں اجازت سید سجاد سے اجازت لو اس لئے حاضر ہوا ہوں۔ بس ایک عجیب کلمہ حضرت نے فرمایا اچھا بابا پر یہ وقت پڑ گیا ہے کہ تمہاری مدد کی ضرورت ہے اور اس کے بعد ایک عجیب کلمۂ حسرت فرمایا۔ فرماتے ہیں کہ اگر ہم اس لائق ہوتے تو ہم اپنے باپ کی نصرت کرتے مگر ہم تو اس عالم میں ہیں لہٰذا اے واضح تم میری طرف سے جاتے ہو۔ میرے باپ کی مدد کرو دیکھئے حسین نے سید سجاد کے پاس بھیج کر مرتبۂ واضح کو کس معراج پر پہنچا دیا۔ میں کہتا ہوں جب خیمہ میں داخل ہوا تھا تو غلام تھا اور جب جا رہا ہے تو حقیقی معنی میں نائب امام ہو کر جا رہا ہے۔ اتنی ہی عزت افزائی بہت تھی مگر بیبیوں سے کہا ذرا گوشۂ پردہ۔ گوشۂ خیمہ ہٹا دیجئے میں اپنے غلام کی نصرت دیکھوں۔ اپنے غلام کی جنگ دیکھوں۔ لیجئے غلام نے پکارا مولا نے لاش اٹھوائی میدان سے اور سید سجاد کو غش ہو گیا۔ وقت سخت سے سخت تر ہوتا جاتا ہے اب میں بتاؤں دوسری دفعہ کب غش سے افاقہ ہوا جب مولا نے کہا ھل من ناصر ینصرنا۔ کیا کوئی ہے جو میری مدد کرے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ امام نے کئی مرتبہ صدائے استغاثہ بلند کی ہے اور ہر صدائے استغاثہ کا ایک اثر ہوا ہے۔ ایک صدائے استغاثہ پر علی اصغر نے تڑپ کر اپنے کو جھولے سے گرا دیا تھا۔ ہر صدائے استغاثہ کا ایک خاص اثر معلوم ہوتا ہے کہ اس کا اثر امام جانتے تھے کہ کیا ہوگا اس لئے صدا ہے میدان میں اور نگاہ ہے درِ خیمہ پر۔ سید سجاد کے کان میں آواز آئی کہا پھوپھی بابا آواز دے رہے ہیں۔ زینب نے اشک آلود آنکھوں سے کہا کہ ہاں آواز تو تمہارے باپ ہی کی ہے تو عرض کیا پھوپھی ہم کس وقت کام آئینگے لائیے تلوار۔

مجلس دوازدہم ۱۲

جہاد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرٌ۔

جہاد کے لفظ میں اصل مفہوم قرآن تلوار نہیں ہے۔ اسی وجہ سے بعض صاحبانِ علم اور اہلِ قلم نے جدید دور کے زمانے کے مقتضیات کو دیکھتے ہوئے یہ آواز بلند کی۔ ہمارے ملک میں جہاں آزادیٔ وطن کو بغیر تلوار کے حاصل کیا گیا تو کہا گیا کہ اسلام تو اسی طرح کی جنگ کا حامی ہے مگر یہ کہنا کہ اسلام میں تلوار نہیں ہے یہ اسلئے قابلِ قبول نہیں ہے کہ قرآن مجید میں جہاد کا حکم زیادہ تر جہاد کی لفظ کے لئے نہیں قتال کی لفظ کے لئے آیا ہے۔ جہاد کی لفظ کم ملے گی قتال کی لفظ زیادہ ملے گی۔ اب قتال میں وہ بحث نہیں چلتی۔ قتال میں اصل ق، ت اور ل ہیں۔ جس کے معنی ہیں جان لینا۔ قتل۔ قتال کیا ہوا قتل میں مقابلہ۔ اب جب اس کے معنی میں قتل شامل ہو گیا تو اس کے معنی کیا ہو گئے جان لینے اور جان دینے کا مقابلہ۔ اور اصل میں حکم قتال کا جو ہے اس میں نہ جان کا لینا اختیاری ہے نہ جان کا دینا۔ جب مقابلہ ہو گیا تو اب کس کا وار کس پر چل جاتا ہے یہ اپنے بس کی بات نہیں۔ اپنے اختیار میں

بس میدان میں جمے رہنا ہے غازی یا شہید ہونا اپنے اختیار کی بس میں نہیں اگر اس کا وار چل گیا تو شہید ہو گئے اپنا وار چل گیا تو غازی ہو گئے لہٰذا نہ غازی ہونے کا حکم ہو سکتا ہے نہ شہید ہونے کا حکم ہو سکتا ہے بس میدان میں آؤ تو ثابت قدم رہو۔ اب غازی ہو یا شہید تیسری قسم پھر میدان میں آنے کے بعد نہیں ہے قرآن مجید میں دیکھئے دونوں قسمیں ہیں اس کے علاوہ نہیں اِنَّ اللہ اشتریٰ من المومنین انفسہم واموالہم بان لھم الجنہ اللہ نے مومنین سے اُن کی نفوس و اموال کو خریدا ہے اس کے بدلے میں اُن کے لئے جنّت ہے۔ یقاتلون فی سبیل اللہ۔ اللہ کی راہ میں وہ جان لیوا مقابلہ کرتے ہیں۔ قتال کے یہی معنی ہیں جان لیوا۔ مقابلہ کرتے ہیں تو قتل کرتے بھی ہیں اور قتل ہو بھی جاتے ہیں کبھی قتل کرتے ہیں کبھی قتل ہوتے ہیں کہ اب اس کے بعد کوئی اور قسم یہ قرآن میں کہیں نہیں ہے اس بنا پر میدان میں آنے کے بعد تکلیف شرعی تو بس یہ ہے کہ ثبات قدم رہے اس کے بعد غازی ہوتے ہو یا شہید تمہارے بس کی بات نہیں ہے تو اب قتال میں وہ بحث نہیں ہے لہٰذا انکار کرنا یہ غلط ہے ہاں یہ دیکھئے کہ اسلام میں کن صورتوں میں قتال کی اجازت دی ہے یا قتال کا حکم دیا ہے۔ ترتیب کچھ بھی ہو اس وقت قرآن مجید کی اس لئے کہ یہ متفق علیہ بات ہے کہ ترتیب مطابق تنزیل نہیں ہے سب کے نزدیک پہلا سورہ اقراء تھا وہ اب کہاں ہے اور آخری سورہ جو سب کے نزدیک مائدہ تھا وہ اب کہاں پر ہے تو اس لئے جب ترتیب مطابق تنزیل نہیں تو ہم یہ نتیجہ نہیں نکال سکتے کہ کون آیت پہلے ہے اور کون آیت اس وقت بعد میں ہے مگر ایک آیت ہے جس کا مضمون بول رہا ہے کہ یہ سلسلۂ جہاد میں سب سے

پہلی آیت ہے وہ کون وہ یہ آیت ہے۔

اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا وان اللہ علی نصرھم لقدیر۔ اجازت دی جاتی ہے انہیں بس یہیں صاحبانِ فہم غور کریں کہ اگر کہا جاتا کہ حکم دیا جاتا ہے انہیں تو یہ معنی ہوتے کہ اس کے پہلے حکم ہوا تھا ممکن ہے اجازت ہو، لیکن جب یہ کہا جا رہا ہے کہ اب اجازت دی جا رہی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے پہلے ممانعت تھی، اجازت مقابل میں ممانعت کے ہوتی ہے تو اب یہ اجازت جن شرائط کے ساتھ مشروط ہو وہ شرط اگر نہیں ہے تو ممانعت کا حکم سابق بحال اس لئے جہاد کے سلسلے میں کہتا ہوں یہ بنیادی آیت ہے اُذِنَ۔ عدم اذن کے معنی ممانعت کے ہیں تو جائز ہی نہیں تو اب یہ دیکھئے اب یہ اجازت کن شرائط کے ساتھ ہے کہا جا رہا ہے اجازت دی جاتی ہے اُن کی۔ ذرا سی عربی گرائمر پڑھنے کی ضرورت ہے کہ اگر ہوتا یقاتِلُوْن ت کسرہ کے ساتھ تو معنی ہوتے انہیں اجازت دی جا رہی ہے جو جنگ کر رہے ہیں مگر کسی بھی دور کے قرآن مجید میں دیکھ لیجئے یقاتلون نہیں ہے اب ذرات کو اُٹھایا اذن للذین یقاتَلون۔ اجازت انہیں دی جا رہی ہے جن سے جنگ کی جا رہی ہے تو کیا مطلب ہوا کہ حملہ آور ہونے کی اجازت نہیں کہا جا رہا ہے کہ انہیں اجازت دی گئی ہے جن سے جنگ کی جا رہی ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ جنگ کرنے کا فعل دُوسرے کی طرف سے شروع ہوا۔ تو اب حملہ آور ہوا دوسرا اب انہیں جن پر حملہ ہے کہا جا رہا ہے کہ اب اجازت دی جا رہی ہے بانھم ظُلِمُوا۔ کیوں اس لئے کہ ان پر ظلم ہوا۔ جن سے جنگ کی جا رہی ہے انہیں اجازت دی جا رہی ہے بانھم ظلموا۔

اس بناء پر کہ ان پر ظلم ہوا اور اب جب ادھر سے اقدام جنگ ہو گیا حملہ ہو گیا
تو اب تمہیں اجازت ہے یہ اجازت ایک ایسی لفظ ہے جس میں وجوب بھی داخل
ہے استحباب بھی داخل ہے اجازہ بھی داخل ہے بس صرف ممانعت اس کے
مقابل میں ہے کہ اجازت خواہ وہ وجوبی ہو، خواہ استحبابی ہو اس وقت میں ہے
جب ابتداء اُدھر سے ہو جائے اور وہ اس لئے ہے کہ ظلم ہے اور اگر اُس طرف سے
ابتداء ہو جائے تو پھر یہ نہ سوچو کہ ہمارے پاس تعداد کتنی ہے ہمارے پاس اسلحہ
کتنا ہے ان اللہ علی نصرھم لقدیر۔ اللہ اُن کی مدد پر قادر ہے یہ حدیث
نہیں ہے جس میں ضعیف وقوی کا سوال ہو، حدیث نہیں ہے جس میں یہ سوال
ہو کہ مصنف کون تھا جس نے اس حدیث کو اپنی کتاب میں درج کیا قرآن کی آیت
ہے جو کم از کم مسلمانوں کے درمیان تو متفق علیہ حیثیت رکھتا ہے اس میں اختلاف
کی گنجائش الفاظ اور اس کے تحت لفظی ترجمے میں تو ہے ہی نہیں۔ ہاں تشریحات
اگر الگ سے کئے جائیں تو میں تو کہتا ہوں تشریح کا یہاں کوئی سوال نہیں خود لفظ کا
ترجمہ اگر کوئی صحیح کرے تو یہی ہو گا جو میں کہہ رہا ہوں کہ ان کو اجازت دی جا رہی
ہے جن سے جنگ کی جا رہی ہے اس لئے کہ وہ مظلوم ہیں یعنی غیر کا اقدام کرنا خود
ظلم ہے کیونکہ ظلم کا مرتکب دوسرا ہے اس لئے اب اس مظلوم کو اجازت دی جا
رہی ہے اور اب یہ مشورہ دینے کی ضرورت نہیں ہے کہ تمہارے پاس اسلحہ نہیں
ہے۔ اور کوئی مددگار نہ ہو اللہ ان کی مدد پر قادر ہے۔ یہ بنیادی آیت ہے اس
میں یہ قید لگا دی گئی ہے ظلم اُدھر سے ہے اور یقاتلون جنگ اُدھر سے ہے۔
تو میں کہتا ہوں کہ یہ اصول قائم ہو گیا اس پہلی ہی آیت سے کہ ابتدائے جنگ

جائز نہیں۔ اپنی طرف سے آغازِ جنگ کرنا درست نہیں ہے اور بین الاقوامی مجبول میں جو مشترک اجتماعات ہوں میں اس پر زور دیتا ہوں اس وقت تو ضمناً عرض کر رہا ہوں کہ اگر دنیا کے تمام ممالک اس ایک قرآنی تعلیم پر عمل کر لیں کہ ہم ابتدائے جنگ نہ کریں گے تو جنگ ہو ہی نہیں۔ اجتماع ہوتے ہیں مستقل مجلسیں قائم کی جاتی ہیں مگر اس سب کی کوئی ضرورت نہیں ہے جلی حرفوں میں یہ لکھ دیا جائے کہ مجھے اجازت ہے کہ ابتدائے جنگ نہ کرنا۔ دُنیا طے کرے صدقِ دل سے سیاسی طور پر نہیں واقعی یہ طے کرے کہ ہم ابتدائے جنگ نہ کریں گے تو پھر جنگ غیر ممکن پھر جنگ وقوع میں آ ہی نہیں سکتی۔ تو یہ ایک آیت قرآن کی ایک اصُول اسلام کا۔ قیام امنِ عالم کا ذمّہ دار ہے اور اب پیغمبرؐ اسلام کی سیرت تو دُنیا اسی معیار پر دیکھ لے۔ ۱۳ برس مکّے کی زندگی مظالم تو اس وقت بھی ہو رہے تھے مگر جنگ جس کا نام ہے اس کی ابتداء اُدھر سے نہیں ہوئی تھی تو ظلم برداشت کیئے گئے مگر تلوار نہیں اُٹھائی گئی بس یہاں ایک پہلو پر توجّہ دلاؤں کہ بعثت کے بعد ۱۳ برس مکّے کی زندگی ۱۰ برس مدینے کی زندگی تو اس ۱۳ برس میں جسمِ مبارک پر پتھّر برسائے جا رہے ہیں، اس ۱۳ برس میں سر مبارک پر خس و خاشاک پھینکا جا رہا ہے۔ سیرتِ رسول کے وہ بدیہات ہیں جو ہر ایک کو معلوم ہیں۔ ہر ایک سے پوچھتا ہوں ہر مسلمان سے، ہر مکتبِ خیال کے مسلمان سے کہ اس ۱۳ برس میں جو ہو رہا ہے وہ ٹھیک ہے کوئی مسلمان یہ نہیں کہہ سکتا کہ ٹھیک ہے مگر پھر بھی تلوار نہیں کھینچی جاتی اب اگر ۱۳ برس تک تلوار نہیں کھینچی گئی تو کوئی نہیں کہہ سکتا کہ سب ٹھیک ہے۔ تو اگر کبھی ۲۵ برس تک تلوار نہ کھینچی جائے تو یہ نہ سمجھو کہ سب ٹھیک ہے معلوم ہوا کہ

مظلوم ہونا اور چیز ہے ابتدائے جنگ ہونا اور چیز ہے جب ابتدائے جنگ ہو دوسر ے
کی طرف سے تب جنگ کی اجازت ہے اور اس کے بعد ۱۳ برس کے بعد ہجرت ہوئی
کوئی کہے کہ اس ۱۳ برس اس لئے تلوار نہیں کھینچی کہ مددگار نہیں تھے حالانکہ میں کہتا
ہوں کہ جو اس کے بعد دیکھے ہوئے ہو وہ تصور ہی نہیں کر سکتا کہ اس لئے تلوار نہیں
کھینچی کہ مددگار کوئی نہ تھا ارے کوئی نہیں، ہو ایک وہ موجود تھا جس نے بعد میں
اکیلے جنگ کر کے دکھلا دی لہٰذا کسی کو یہ پُوچھنے کا کیا حق ہے کہ کیونکہ مددگار نہیں تھے
اس لئے تلوار نہیں کھینچی۔ اچھا مان لیجئے لیکن اب ہجرت ہوگئی اب تو تاریخ کی زبان
میں بھی انصار مل گئے تو اس جماعت کا نام ہی انصار اب تو انصار فراہم ہو گئے۔
لیکن ہجرت کے بعد مدینے آنے کے بعد بھی تلوار نہیں کھینچتی کوئی کہے کہ ہاں تلوار
ابھی کیسے کھینچے۔ تیاری جنگ کی بھی تو ضروری ہے مگر میں کہتا ہوں کہ حضور ٹھیک ہے
مگر مدینہ آنے کے بعد جنگ کی تیاری ہی شروع کر دیتے۔ حالانکہ تعمیری کام کتنے
ہو گئے دو دو مسجدیں بڑی بن گیئں مسجدِ مدینہ اور مسجدِ قبا۔ یہ دونوں پہلے ہی
سال تعمیر ہو گیئں اور مہاجرین کے قیام کے لئے مکانات بن گئے حالانکہ اس
وقت کی حکومتوں کے لئے جب ذرا لئے اتنے زیادہ ہیں، بحالیات کا مسئلہ طویل المیعاد
منصوبوں کا متقاضی ہوتا ہے مگر وہاں وہ مسئلہ کوئی مسئلہ ہی ثابت نہیں ہوا ایک
سال کے اندر مہاجرین کے قیام کے لئے جگہیں فراہم ہو گیئں ہر ایک کے لئے
مکان ہو گیا۔ احکام دیوانی و فوجداری کے نافذ ہونے لگے۔ ہمیں معلوم ہے یہ سال
اوّل میں حکم شریعت نافذ ہوا۔ یہ سال دوئم میں نافذ ہوا اور بزمِ دنیا کا سب
سے اہم یعنی پیغمبرِ خداؐ کی وہ عزیز اور معزز بیٹی جس کی تعظیم کو کھڑے ہوتے تھے۔

میں نے دو لفظیں صرف کیں۔ عزیز تو ہر ایک کو اپنی بیٹی ہوتی ہے لیکن وہ فقط عزیز بیٹی نہ تھی معزز بیٹی تھی۔ ہر ایک کو بیٹی عزیز مگر کوئی باپ بیٹی کی تعظیم کو تو نہیں کھڑا ہوتا معلوم ہوا وہ فقط عزیز بیٹی نہیں ہے معزز بیٹی ہے۔ تو ایسی بیٹی اور اس کی شادی وہ ہوگئی تعمیری کام اتنے ہو گئے مگر جنگ کی تیاری کتنی ہوئی وہ تو اس وقت سامنے آئے گی اگر جنگ ہو جائے تو سب کے نزدیک پہلی جنگ جو ہے بدر ہے تو میں کہتا ہوں کہ اگر جنگ کی تیاری ہوئی ہوتی تو ایک سال گزرنے کے بعد دوسرے سالِ ہجری میں بدر کی لڑائی ہوئی ہے وہ جنگ کی تیاری ہمارے سامنے آئی تو متفق علیہ تاریخ گواہ کہ جنگ بدر میں سامان کیا ہے ۳۱۳ سپاہی اب جنگ ہوگئی اس لئے سپاہی کہہ لیجئے اس ۳۱۳ میں ۱۳ عدد تلواریں یعنی بس اکائیاں جو ہیں وہ مسلح ہیں اور سینکڑے جتنے ہیں وہ سب غیر مسلح۔ وہ نہتّے کے ہتھیار ہوتے ہیں کسی نے درختِ خرما کی شاخ لے لی کسی نے کوئی لکڑی لے لی ہے جو نہتّا آدمی ہوتا ہے جو ملتا ہے وہ ہاتھ میں لے لیتا ہے اب ۳۰۰ آدمی ایسے ہیں اور ۱۳ تلواروں والے ہیں اور پوری فوج میں دو عدد گھوڑے۔ عرب میں جنگ کی سواری ہے گھوڑا اور زمانۂ صلح کی سواری ہے شتر۔ اونٹ زمانۂ جنگ کی سواری نہیں ہے پوری جماعت میں صرف دو اونٹ۔ میں کہتا ہوں کسی مذہب و ملّت کا آدمی ہو اگر صاحبِ عقل ہے تو میں اس سے پوچھوں گا کہ جو اس سامان کے ساتھ کئی ہزار مسلح فوج کے مقابلے کے لئے نکلے۔ وہ مارنے کو نکلا ہے یا مرنے کو نکلا ہے۔ تو اس بحث کا صاحبِ عقل فیصلہ کر سکتا ہے کہ جس کے پاس یہ سامان ہو وہ کیا خود سے جنگ شروع کرے گا۔ یہ سامان خود بتا رہا ہے کہ جنگ کر نہیں رہے ہیں جنگ کرنا پڑ گئی ہے۔ اس کے بعد اب

نتیجہ دیکھئے کہ فتح ہوئی۔ اس جماعت کو اب فتح ہوئی تو خالق نے کہا کہ ہم نے فرشتے بھیجے۔ اب جو غیب پر یقین نہیں رکھتا وہ خود بتائے کہ کیونکر فتح ہوئی۔ فرشتوں کی فوجیں آئیں انہوں نے جنگ میں شرکت کی۔ جو نہ مانے تو خدا کو نہیں مانتے تو فرشتوں کو کیا مانیں گے۔ تو حضور والا وہ بتائیں کیونکر فتح ہوئی۔ ہاں ماشاءاللہ صاحبِ فہم مجمع ہے۔ میں کہتا ہوں اس پہلی جنگ میں قرآن بھی کہہ رہا ہے لتطمئن قلوبکم۔ تاکہ تمہارے دلوں کو اطمینان رہے یعنی مسلمانوں کے دلوں کو ڈھارس پیدا کرنے کے لئے فرشتے بھیجے گئے تاکہ اپنی قلتِ تعداد سے گھبرائیں نہیں۔ خدا چاہے تو فرشتے بھیج دے گا تمہاری مدد کے لئے۔ تمہیں تو اپنا فرض ادا کرنا ہے اپنی کمی سے نہ گھبرانا دیکھو فرشتے آگئے ہیں۔ یہ دلوں کو ڈھارس دینے کے لئے یقیناً بہت سے دلوں کو ڈھارس ہوگئی ہوگی۔ مگر میں کہتا ہوں جو حقیقی شجاع تھا جو حقیقی مجاہدِ اسلام تھا اس کے جیسے دل پر ایک بار پڑ گیا کہ میرے ہوتے ہوئے اور فرشتے آگئے قرآن مجید میں تو یہ نہیں ہے مگر روایتیں ہیں کہ قدرت نے اُنکے دل کے بار کو ہلکا کرنے کے لئے خود بڑا انتظام کیا کہ فرشتے بھی جو آئے وہ انہی کی شکل میں آئے یعنی یہ مسلمانوں کو بتایا گیا کہ فرشتے آئے تھے اور کافر جو گیا اس نے ایک ہی کا نام لیا وہ تو یہ سمجھ رہے تھے کہ اسی ایک نے ہمارے سب سورماؤں کو تہہ خاک کر دیا۔ اب چاہے عداوت و عناد اس سے ان کا اور بڑھا ہو مگر خالق کو تو اپنے مقصد کا تحفظ کرنا ہے کسی کا عناد بڑھے اپنا ہی بگاڑے گا۔ اللہ کا نقصان کیا کرے گا۔ تو جناب والا جو ہے وہ سمجھتا ہے قاتل انہی کو۔ اور حقیقت میں آدھوں کے تو قاتل ہیں اور آدھوں میں مسلمان اور فرشتے سب مل کر شریک ہیں بہر حال اُن کے علم میں تو سب یہی ہیں اور یہ

تو جانتے تھے کہ قرآن نے کہہ دیا ہے۔ رسُول نے بتا دیا ہے کہ فرشتے آئے تو بجائے خوش ہونے کے ان کو ذرا ملال جیسے ہو گیا کہ میرے ہوتے ہوئے اور فرشتے آئے اگرچہ فرشتے انہی کی صورت میں آئے۔ یہاں بس ایک جُملہ ہے ماشاءاللہ صاحبانِ نظر ہیں" یعنی حقیقی شجاعت کو اس ذات سے اختصاص ایسا پیدا ہوا ہے کہ فرشتہ بھی لباس مجاز پہنتا ہے تو انہی کا پہنتا ہے" ان کی طبیعت یقیناً مضمحل ہے کہ میرے ہوتے ہوئے یہ فرشتے آئے کیوں۔ لہٰذا خالق نے بھی اپنے عمل سے ثابت کر دیا کہ۔

کمزور دل والے مسلمانوں کے اطمینان کے لئے ہم نے فرشتے بھیجے تھے اچھا اب تمہیں ملال ہے تو اب نہیں بھیجیں گے۔ چاہے میدان سادہ ہو جائے مگر اب فرشتے نہیں آئیں گے اور یہ ایک اکیلا میدان سر کر کے دکھائے گا اور فرشتہ بھی آئے گا۔ تو بعد میں تعریف کرتا ہوا اور حوالہ دیدوں۔ شاہ عبدالحق دہلوی بیہقیِ ہند۔ انکی فارسی زبان میں کتاب ہے مدارج النبوۃ اور ہمارے لکھنؤ میں منشی نول کشور نے چھاپ دی ہے مطبع بالکل غیر جانبدار ہے تو جناب اس مدارج النبوۃ میں انہوں نے تحریر کیا ہے کہ جب صفحۂ میدان سادہ ہو گیا بہت سے لوگ متوقع ہونگے کہ میں اب تفصیلات بیان کروں گا مجھے کبھی کردار کے تاریک مرقعوں کو پیش کرنے میں کوئی لطف نہیں آتا۔ ایک ہی کے بیان سے مجھے فرصت نہیں ہے کہ جب صفحۂ میدان سادہ ہو گیا۔ اب مضمون ہے مدارج النبوۃ کا وہ محدّثِ دہلوی کا بیان کروں گا کہ وہ ایک آواز بھی آگئی کہ قتل محمدؐ حضرت کا نام لے کر کسی نے کہہ دیا کہ شہید ہو گئے کچھ لوگ جو نتیجے کے انتظار میں کہیں دور دور ٹھہرے ہوئے تھے وہ اس آواز کو سُن کر رخصت ہو گئے کہ وہ رہے ہی نہیں تو ٹھہر کر کیا کریں گے۔

میں کہتا ہوں ایک ہی دوا ہوتی ہے ایک ہی چیز ہوتی ہے مزاج کے بدلنے سے اثر بدلتا ہے۔ یہ آواز جو آئی لوگ کہتے ہیں شیطان کی آواز تھی میں کہتا ہوں جس نے ایسی آواز بلند کی ہو وہ شیطان ہے۔ تو وہ اس نے آواز بلند کی۔ تو بہت سوں پر یہ اثر ہوا کہ جب پیغمبرؐ نہیں رہے تو رُک کر ٹھہر کر کیا کریں گے۔ آواز علی کے کان میں آئی۔ ان پر یہ اثر ہوا کہ جب وہ نہ رہے تو جی کر کیا کریں گے چنانچہ نیام توڑ کر پھینک دیا کہ اب میں تلوار کو نیام میں نہیں رکھوں گا اس کے بعد ایسا بھر پور حملہ کیا کہ اس پوری فوج کے قدم اکھڑ گئے۔ اور اتنی دُور بھگا یا کہ فرصت سے اب تلاش کا موقع ملا۔ دیکھئے یاد رکھیے کوئی تاریخی واقعہ ذہن نشین نہیں ہو سکتا جب تک علمِ رسالت اور علم امامت کو الگ نہ کیجئے یعنی عام زندگی اسباب ظاہری کے علم پر مبنی تھی۔ گو علم رسالت اور علمِ امامت الگ ہوتا ہے۔ ورنہ تلاش کی کیا ضرورت تھی اب انہوں نے تلاش کرنا شروع کیا کہ اگر شہید ہوئے ہیں تو کشتوں میں لاش ہو گی۔ سب کشتے دیکھے مقتولین کو دیکھا کہیں نہیں مجروحین جو تھے ابھی جاں بلب انہیں دیکھا۔ ان میں بھی نہیں اب خود بعد میں فرمایا کہ میں نے اپنے دل میں کہا کہ پھر وہی صورت ہو سکتی ہے کہ اللہ نے آسمان پر اٹھا لیا ہو جیسے عیسیٰؑ کو کیونکہ نظیر بھی موجود تھی جیسے عیسیٰؑ کو آسمان پر اٹھا لیا ویسے ہی اٹھا لیا ہو۔ یا ابھی میری تلاش غیر مکمل ہو، ہوں کہیں اور مجھے نظر نہ آئے ہوں ماشاء اللہ با فہم مجمع ہے توجہ سے سن رہا ہے، میں کہتا ہوں یہی دو تصوّر کیوں ذہن میں آئے تیسرا تصوّر کیوں نہ سامنے آیا جبکہ نمونہ بھی جماعت کے کردار کا سامنے تھا۔ میں کہتا ہوں یہ علی کا ایمان ہے حیات رسول پر۔ لہٰذا پھر ایک دفعہ تلاش کیا اب جو تلاش کیا تو ایک گڑھے کے اندر حضرت زخمی حالت

میں نظر آئے۔ سنبھال کر اُٹھایا۔ دیکھئے کتنی دور بھگایا ہے کہ سب کام اطمینان سے ہو رہے ہیں۔ باہر لائے سپر میں پانی لائے۔ چہرۂ مبارک دھلایا۔ چونکہ خون بہہ رہا تھا سر کا۔ خود کی کڑیاں ٹوٹ کر سرِ مبارک میں در آئی تھیں تو چہرۂ مبارک پانی سے صاف کیا اور اب پیغمبر کی نظر پڑی چہرۂ مبارک پر۔ ذرا نفسیاتی طور پر دیکھئے یہ شاہ عبدالحق لکھ رہے ہیں اور دوسرے مصنفین نے بھی لکھا ہے۔ مگر چونکہ فارسی زبان میں اکثر زیادہ آسان ہے پڑھنا اسی لئے میں نے حوالہ دیا ہے کہ اب جو آپ کے چہرے پر نظر پڑی تو اکثریت کے کردار سے اتنا غصہ ہے کہ علی سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں کہ یا علی تم بھی نہ چلے گئے جیسے اور سب ادھر اُدھر ہو گئے تم بھی نہ چلے گئے یہ غصہ ہے جانیوالوں پر جو اپنے پر اُتارا ہے۔ تم بھی نہ چلے گئے اور اب یہ مزاج دان رسالت شخصیت تھی کہ ایک جملے میں غصہ رسول کا دُور کیا۔ اُنہوں نے کہا کیوں نہ چلے گئے تو انہوں نے کہا۔ ااکفر بعد الایمان۔ کیا ایمان کے بعد کافر ہو جاتا۔ محدث دہلوی کے بیان کردہ الفاظ ہیں۔ میں کہتا ہوں انہوں نے کہا ااکفر بعد الایمان۔ اُنہوں نے کہا کیوں نہ چلے گئے یہ کہتے ہیں کیا ایمان کے بعد کفر کر دیتا۔ کافر ہو جاتا۔ علی کا یہ کہنا اور پیغمبر کا تائیدی سکوت کرنا۔ اب میں کہتا ہوں ایمان و کفر میں حدِ فاصل ہو گیا آج کا قرار و فرار۔

اب بھاگی ہوئی فوج کے دستے متفرق طور پر واپس آنا شروع ہوئے۔ اب ادھر سے ایک گروہ آ رہا ہے۔ اُدھر سے ایک گروہ آ رہا ہے اور کہاں تو یہ کہہ دیا تھا کہ تم بھی نہ چلے گئے اور یہ جو آنا شروع ہوئے تو کہا دیکھو اب یہ ادھر سے آ رہے ہیں۔ دیکھو اب یہ اُدھر سے آ رہے ہیں اور اب علیؑ نے تلوار لے کر

چاروں طرف گردش کر کے ان متفرق جماعتوں سے لڑنا شروع کیا میں تو کہتا ہوں اس وقت وہ مجاز حقیقت بنا ہوا ہے کہ شمع کے گرد ایک پروانہ ہے جو طواف کر رہا ہے دفاع کے لئے۔ اور اب حضرت جبرئیلؑ امین بھی آگئے۔ میں کہوں گا کہ اب آئے ہو جب وارہ نیارا ہو گیا وہ کہیں گے کہ میں پہلے تو مصلحتاً اس لئے نہیں آیا تھا کہ معرکہ سر ہو جائے تب آؤں اور میں کہتا ہوں وہ بھی آئے ہیں ذرا رسول کا دل بہلانے تو دل بہلانے کا طریقہ بھی انہیں معلوم ہے کہ یہ جنگ کر رہے ہیں اور وہ تعریفیں کر رہے ہیں اور وہ کیا تعریف۔ ان ھذہ لھی المواساۃ۔ یا رسول اللہ ہمدردی تو اس کا نام ہے غمگساری، غم خواری تو اس کا نام ہے اور کہاں خود ان سے۔ کہ تم بھی نہ چلے گئے اور اب جبرئیل تعریف کر رہے ہیں تو رسول فرماتے ہیں کیف لا وھو منی وانا منہ۔ اس میں تعجب کی کیا بات ہے وہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں اور جناب جبرئیل امین فوراً بول اُٹھتے ہیں وانا منکما اور میں آپ دونوں سے ہوں۔ اب میں کیا کروں مجھے فرشتوں سے بات کرنے کا موقعہ نہیں ملا۔ اس لئے مجھے وہ لفظیں ہی نہیں آتیں جس سے میں مخاطب کروں میں تو اپنی اُردو زبان میں کہوں گا جناب جبرئیل سے کہ آپ بھی عجیب آدمی ہیں کہ جب دو کی بات ہو تو کہتے ہیں میں تم دونوں سے ہوں اور جب پانچ ں آجائیں تو آپ کہیں کہ میں چھٹا کیوں نہ ہو جاؤں مگر اس میں ایک بڑی حقیقت مضمر ہے میں کہتا ہوں کہ یہ انسان وہ ہیں کہ اُنہوں نے ملائکہ میں شریک ہونے کی تمنا کبھی نہیں کی ملائکہ نے ان میں شریک ہونے کی تمنا کی ہے۔

میں کہتا ہوں ان کو ملک کہنا ان کی توہین ہے ان کی بلندی یہی ہے کہ یہ ملک

نہیں ہیں مخدوم ملک ہیں۔ اکثر کتابوں میں ہے کچھ اختلاف بھی ہے جو مطالعہ کرنے والے کی نظر سے گزرے گا کہ اسی موقعہ پر مابینِ زمین وآسمان فرشتے نے صدا دی کہ لا فتیٰ الّا علی لا سیف الا ذوالفقار۔ کوئی جوان نہیں سوائے علی کے۔ میں کہتا ہوں ملک بیچارہ نحو کا طالب علم تو ہے نہیں اسے کوئی ترکیب نہیں معلوم جو ترکیب لا الٰہ الا اللہ کی اس نے سنی۔ بس ایک نحو کی ترکیب اسے آتی ہے لا فتیٰ الا علی لا سیف الّا ذوالفقار۔ جناب ملک اب کوئی ہی ہوں۔ جبرئیل امین ہوں یا کوئی اور ہوں۔ جناب والا تو اس جماعت میں سے ہیں جنہوں نے عطائے منصب میں خونریزی کا الزام عائد کیا تھا کہ ان کو منصب ملے گا جو خونریزی کریں گے تو حضور کو تو خونریزی سے نفرت ہے یہ آج آپ! تلوار کا تو کام ہی ہے خون بہانا۔ ارے سپر کی تعریف کرتے کہ اس کا کام ہے وار روکنا۔ اور تلوار کا تو کام ہی ہے خون بہانا تو یہ آپ جیسے امن پسند۔ یہ آپ آج تلوار کی تعریف کیوں کر رہے ہیں تو وہ کہے گا خاموش تلوار جب خطاکاروں کے ہاتھ میں آتی ہے تو مجرم ہو جاتی ہے جب معصوم کے ہاتھ میں آتی ہے تو! تو اس کے بعد پوری تاریخ اسلام کہاں تک پڑھوں تین حصّے تاریخِ اسلام کے یہاں امامیہ مشن پاکستان نے بھی شائع کر دیئے ہیں وہ ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ ہر جنگ کے اسباب کیا تھے اور کون صورتوں سے وہ ہوئی۔ وہ ہر ایک مطالعہ کر سکتا ہے۔ وہ جو اصول قرآن نے بتایا تھا کہ ابتدائے جنگ نہیں ہونا چاہیئے جغرافیہ تو کسی نہ کسی حد تک آ ہی جاتا ہے جہاں جہاں اسلام کی لڑائیاں ہوئی ہیں اُسے پیمائش کر کے دیکھ لو وہ مکّے سے قریب ہیں مدینے سے دُور ہیں یا مدینے کے قریب ہیں اور مکّے سے دُور ہیں۔ اگر مکّے سے قریب کوئی لڑائی ہوئی

ہو تو میں مان لوں گا کہ ہمارے رسُول چڑھائی کر کے گئے اور آپ نے حملہ کیا اور اگر ہر لڑائی مدینے کے قریب ہوئی ہو اور مکّے سے دُور ہوئی ہو تو پھر آپ میرے ساتھ مان لیجئے کہ انہوں نے حملہ کیا اور رسُول نے حفاظتِ خود اختیاری کے لئے مدافعانہ جنگ کی اور میں کہتا ہوں فقط اپنی جان کی حفاظت کے لئے نہیں ایک اخلاقی اُصول کی حفاظت کے لئے کہ جب حملہ ہو گیا تو اب اگر باہر نہ نکلتے تو پناہ دینے والوں کے گھر خطرے میں پڑتے جنہوں نے آپ کو پناہ دی تھی تو جب خطرہ قریب آنے لگا تو آپ باہر نکل آئے کہ جب تک میں اور میرے ساتھ والے زندہ ہیں تب تک مجھے پناہ دینے والوں کے گھر خطرے میں نہیں پڑ سکتے تو جتنی جنگیں ہوئیں اور میں کہتا ہوں ان کا مقصد بھی یہ دُنیا کی ستم ظریفی ہے کہ اس نے تصویر کھینچی کہ ایک ہاتھ میں تلوار اور ایک ہاتھ میں قرآن تو میں اس تصویر کو دیکھ کر بس یہ سوال کرتا ہوں کہ اگر قرآن تلوار سے پھیلا تو وہ تلوار کہاں سے آئی جس سے اسلام پھیلا ہے کہ تلوار اُٹھانا تو خود ایک طاقت چاہتا ہے، مددگار چاہتا ہے تو وہ جماعت جس کو ساتھ لیکر تلوار اٹھائی۔ وہ تو یقیناً تلوار کا نتیجہ نہ تھی اس سے ماننا پڑے گا کہ اس نیام میں شمشیرِ فولادی کے علاوہ کوئی اور تلوار بھی ہے اور وہ تلوار حقانیت کی تلوار ہے وہ تلوار اخلاق کی تلوار ہے یہ تلوار تو مجبوری سے اُٹھائی گئی اور اس تلوار سے آپ کا اصل مقصد بھی پورا نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ تلوار تو آدمی ہی کا خاتمہ کر دیتی ہے اپنی مردم شماری میں اضافہ کیا کرے گی ان کو تو وہ تلوار چاہیئے تھی کہ کافر نہ رہے اور کفر کٹ جائے۔ مومن ہو جائے۔ لہٰذا یہ تلوار مجبوراً اُٹھائی گئی اور ہاں غلط فہمی نہ ہو یہ تصویر ایک ہاتھ میں تلوار اور ایک ہاتھ میں قرآن، ہمارے قریب کے ملک کے

غیر مسلم گروہ نے نہیں کھینچی ہے یہ وہی سات سمندر پار کی دنیا جو بہت ہمدرد کبھی کبھی ہماری بن جاتی ہے۔ یہ تصویر اسی کی کھینچی ہوئی ہے جو تمدّن اور تہذیب کا گہوارہ ہے وہیں یہ تصویر کھینچی ہے تو وہ چونکہ عیسائی مذہب کے پیروکار ہیں تو میں ان سے کہتا ہوں اس سوال کے جواب میں۔ اس تصویر کے مقابلے میں کہ تم ہماری تاریخ نہ دیکھو اپنی ہی قومی تحریک دیکھ لو کہ اگر تلوار سے اسلام پھیلایا ہوتا تو تمہارے مقابلے میں تلوار کیوں نہ کھینچی۔ بالکل بدیہی سوال تمہارے مقابلے میں تلوار کیوں نہ کھینچی؟ ہاں میں اس کو تمہاری ہی معقولیت کی تعریف کہوں گا کہ تم فوج لے کر نہیں آئے تم سمجھے کہ دین کا معاملہ ہے لہٰذا جو واقفانِ مذہب ہو سکتے ہیں تحقیق کے لئے ان کا وفد بھیجیں یہ تمہاری معقولیت تھی تو پھر تو تلوار نہیں نکلی مگر اب تم کیوں غیر منصف ہو گئے ہو اب تم انصاف سے مان لو کہ تلوار ان کے مقابلے میں نکلتی تھی جو خود تلوار لیکر آئیں اور جو تلوار لے کر نہ آئیں اُن کے مقابلے میں تلوار نیامِ سے نہیں نکلتی تھی تم میدانِ روحانیّت کے مرد تھے تو تم سے مقابلہ ویسا کیا گیا اسی مقابلے کا نام مباہلہ ہے اب مباہلے میں تلوار کہیں نہیں ہے اور اسی لئے سپاہی بدلے ہوئے ہیں وہاں تلوار والی جنگ تھی اس کے سپاہی اور ہیں اور اب یہ بغیر تلوار والی جنگ تھی روحانیّت کے میدان کی جنگ تو اب اس میں حسن وحسین جیسے سپاہی تھے۔ جو لائے گئے تھے آج وہ بدلے گئے۔ خاتونِ معظمہ نہیں لائی گئیں تھیں مگر اس جنگ میں وہ بھی لائی گئیں ہاں ایک سپاہی نہیں بدلا۔ جو اُس جنگ میں بھی ہوتا تھا اس جنگ میں بھی ہے۔ اس جنگ میں ہوتا تھا شاہِ لافتیٰ ہو کر اور اس جنگ میں آیا ہے امام الاولیاء ہو کر۔

اس جگہ ایک اور نکتے پر غور کر لیجئے کہ آخر ان جنگوں میں کبھی کیوں انہیں ساتھ نہیں لیا گیا۔ یہ آج کی جنگ میں کیوں لائے ہیں اس سے ایک اُصول قائم ہوتا ہے کہ حقانیت کی راہ میں جو جنگ فوجی فتح کے لئے ہو اس میں عورتوں، بچّوں کا کام نہیں ہوتا مگر جو جنگ کسی ذہنیّت کے انقلاب کے لئے ہو۔ وہ جنگ مکمّل نہیں ہوتی جب تک کہ یہ افراد بھی ساتھ نہ ہوں اور اسی سے نواسے کا کردار سامنے آجاتا ہے حسینؑ کو بھی اگر یزید کا تختِ سلطنت اُلٹنا ہوتا، اگر کوفہ و دمشق کے اُوپر فوجی حیثیت سے قبضہ کرنا ہوتا تو عباسؑ کی ضرورت تھی زینب کی ضرورت نہیں تھی۔ علی اکبر کی ضرورت تھی علی اصغر کی ضرورت نہ تھی مگر مولا کو تو یزید کو ختم کرنا نہ تھا یزیدیّت کو ختم کرنا تھا انکو تو ذہنیّت اسلامی میں انقلاب پیدا کرنا تھا اس لئے انہیں ساتھ لیا۔ جہاد بصورتِ قتال ایک قسم ہے جہاد کی تو وہ میں نے عرض کیا کہ مشروط ہے کہ ابتدائے جنگ اُدھر سے ہو ۔ حضرت امام حسینؑ نے یہ قتال ہی کیا اس لئے کہ اس آئین میں دشمن کے سامنے خود سپردگی یہ جزوِ آئین نہیں ہے اپنا سینہ بڑھا دینا کہ نیزہ مار لو۔ اپنا سَر جُھکا دینا کہ تلوار لگا دو یہ شریعتِ اسلام کی تعلیم نہیں ہے یہاں دفاعی جہاد حق ہے اور بعض اوقات فرض اس بناء پر جنگ کی اور دُنیا کہتی ہے کہ جنگ تعداد، اسکے لئے چاہیئے میں کہتا ہوں قرآن نے اس جنگ کے لئے کسی تعداد کی قید نہیں رکھی۔ ضمانت نہیں دی کہ دُنیا مدد کرے گی دُنیاوی طور پر۔ یہ کہدیا کہ اللہ نصرت پر قادر ہے جب اس کی حکمت ہوگی تو فوراً نصرت کرے گا جب اُس کی حکمت ہوگی نتائج کے لحاظ سے نصرت کرے گا۔ یہ ضروری ہی نہیں ہے کہ فوراً وہ فتح وظفر اس طرح کی عطا ہی کر دے۔ تم کو فرض ادا کرنا ہے نتیجے تو اللہ کے ہاتھ میں ہیں جیسی

اس کی مصلحت ہوگی ویسا وہ کریگا ہو سکتا ہے مادی حیثیت سے شکست ہو۔ مگر یاد رکھئے
کہ وہ وقتی تصور ہوگا شکست کا۔ کربلا کی جنگ میں اُدھر کے دماغ نے وقتی طور پر سمجھا کہ
فتح ہو گئی انکو اور جب اُن کو فتح ہو گئی تو انہیں مکمل شکست مگر یہ تصور بہت کم دن قائم رہا۔
اس کا ثبوت میں بر بنائے واقعات پیش کرونگا۔ وقتی فتح کا تصور ہوا اس لیئے باجے فتح کے بجائے
گئے اب یہ بابِ مصائب ہے کیونکہ اسوقت میں ایک طرح سے مغرب سے پہلے تو میں حتمی طور پر
پابند ہوں کہ اتنی دیر میں مجلس ختم ہو کہ لوگ جہاں جا کر نماز پڑھنا چاہتے ہیں وہاں تک پہنچ سکیں
اور پھر چونکہ ہر نقطۂ نظر کے مسلمان کو دعوت دی جاتی ہے اسلیئے میں ہر نقطۂ نظر کے وقت کا لحاظ رکھتا
ہوں جس کے نزدیک وقت جلدی آتا ہے وہ بھی وقت پر پہنچ جائے جسکے نزدیک وقت کچھ دیر میں
آتا ہے وہ بھی وقت پر پہنچ جائے اور میں سمجھتا ہوں کہ اسکی پابندی ہماری مجالس میں ہونی
چاہیئے تو حضور والا اب زیادہ وقت نہیں ہے آفتاب کی کرنیں سنہری ہو چکی ہیں مگر مصائب میں
زیادہ بیان کی ضرورت بھی نہیں ہے اب میں مصائب پر آچکا ہوں اس لئے زیادہ وقت
صرف کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے ماشاءاللہ آپ کے اس دور میں اس زمانۂ عزا میں
آپ تشنہ رہتے ہیں آنسو بہانے کو۔ آپ کے لئے تھوڑا بیان کافی ہوگا تو حضور والا حضرت
امام حسینؑ نے بیشک اُنکی نگاہ میں بڑی شکست کھائی شکست اس سے بڑھ کر کیا ہوگی کہ
خیموں میں آگ تک لگا دی گئی اسی کے لئے انہوں نے فتح کے باجے بجوائے اسی کے لئے گویا
اپنی فتح کے جلوس نکلالے۔ اسی کے وجہ سے شہروں کی آئینہ بندی کرائی مگر یہ تصور بتاتا ہے
بہت عارضی تھا پس چند ثبوت اسکے یاد رکھئے کہ کوئی فاتح اپنے سر سے فتح کا سہرا اُتار کر دوسرے
کے سر نہیں باندھتا مگر کوئی سبب گزرا کہ یزید کہنے لگا کہ جو کچھ کیا وہ ابن زیاد نے کیا۔ میں ہوتا
تو یہ نہ کرتا میں کہتا ہوں احساسِ شکست ہو گیا۔ اور عرض کروں کہ دنیا میں کوئی فاتح ایسا

نہیں جو پشیمان ہو۔ جو شکست کھاتا ہے وہ پشیمان ہوتا ہے۔ اب دنیا دیکھ لے واقعات میں کہ حضرت امام حسینؑ آنکھوں کے سامنے نہ رہے مگر لٹی ہوئی بیبیاں ہیں بیمار فرزند ہے اور کس عالم میں ہے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں، پیروں میں بیڑیاں گلے میں طوق۔ مگر انمیں سے کوئی بھی پشیمان ہوا ہے اور وہ تصور ختم کر دیا سید سجاد نے ابن زیاد کے دربار میں۔ ایک محل ایسا آیا کہ اس نے حکم دیدیا کہ ان کو لے جا کر قتل کر دو۔ وہ سمجھا تھا اتنی مثالیں دیکھنے کے بعد قتل کا نام سنکر چہرے کی رنگت اڑ جائیگی وہ کہہ رہا ہے قتل کر دو لے جا کر۔ بس ہاں ارباب عزاء زینب تو تڑپ گئیں ابھی تک کنیزوں کے جھرمٹ میں تھیں لیکن جونہی یہ آواز سنی بھتیجے سے آ کر لپٹ گئیں۔ یہ نہیں کہا کہ اسے قتل نہ کر دیہ کہا پہلے مجھے قتل کر دو۔ اور سید سجاد حالانکہ بڑا ادب کرتے تھے مگر پھوپھی سے مخاطب ہوئے کہ پھوپھی ہٹ جایئے اور مجھے جواب دینے دیجئے اور یہ حکم امام تھا بھتیجہ سہی مگر امام وقت ہے کہ حضرت زینب نے محبت کے تقاضے پر فریضے کو غالب کیا فوراً ہٹ گئیں اور سید سجاد نے ابن زیاد کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالکر کہا کہ القتل لنا عادۃ وشہادتنا کرامۃ ارے تجھے اب بھی یہ خبر نہ ہوئی کہ قتل ہونا ہماری عادت ہے اور شہید ہونا ہماری کرامت۔ بس اب آپ مثاب ہو لئے بس ایک جملہ آپکے سامنے عرض کروں کہ خود کہا تھا کہ قتل ہونا ہماری عادت ہے مگر ایک منزل ایسی آئی جب دوسرے نے یہ جملہ کہدیا تو امام تڑپ گئے وہ کون وقت تھا جب منہال سید سجاد کے پاس آیا اور کہا مولا کب تک روئیے گا کہا منہال یعقوب کے بارہ بیٹے تھے ایک نگاہ سے اوجھل ہو گیا تھا تو اتنا روئے کہ آنکھیں سفید ہو گئیں اور میرے سامنے تو ۱۸ جوانان ہاشمی و علوی وعقیلی جنکا مثل و نظیر دنیا میں نہ تھا وہ میرے سامنے تہہ تیغ ہو گئے تو مجھ سے کہتے ہو کب تک روئیے گا بس اب منہال خاموش ہو جاتے تو اچھا تھا منہال نے ایک جملہ کہدیا خود امام جو کہہ چکے تھے نہ دربار میں منہال نے کہہ دیا کہ مولا قتل ہونا تو آپکی عادت ہے آپکی روایت ہے بس اب مولا تڑپ گئے فرمایا منہال تم نے انصاف نہیں کیا ارے قتل ہونا عادت ہے کیا یہ بھی دستور ہے خاندانی کہ ماں بہنیں سر برہنہ شہر بہ شہر۔